اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیشکش

# آثار التشریع

المسمّٰی بہ

## آثار الفقہ الاسلامی

جلد دوم

| | | |
|---|---|---|
| کتب فقہ | اصطلاحات فقہ | ائمہ فقہ |
| صحابہ میں فقہ کے بارہ امام | تابعین میں فقہ کے بارہ امام | |
| تابعین کے اگلے طبقہ کے امام | ائمہ مجتہدین | |
| ائمہ محدثین | دقائق فقہ | مختلف انواع فقہ |
| جیسے اہم عنوانات پر عصر حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے | | |

تالیف

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

آثار التشریع
جلد دوم
جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود مدظلہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر
دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیش کش

# آثار التشریع

المسمّٰی بہ

## آثار الفقہ الاسلامی

جلد دوم

| کتب فقہ | اصطلاحات فقہ | ائمہ فقہ |
|---|---|---|
| صحابہ میں فقہ کے بارہ امام | | تابعین میں فقہ کے بارہ امام |
| تابعین کے اگلے طبقہ کے امام | | ائمہ مجتہدین |
| ائمہ محدثین | دقائق فقہ | مختلف انواع الفقہ |
| جیسے اہم عنوانات پر عصر حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے | | |

تالیف

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

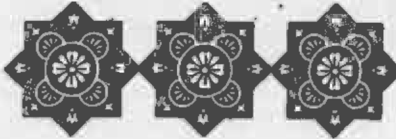
الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

نام کتاب ــــــــــــ آثار التشریع (جلد دوم)

مؤلف ــــــــــــ ڈاکٹر علامہ خالد محمود (از مانچسٹر)

صفحات ــــــــــــ ۴۵۶

ناشر ــــــــــــ دار المعارف۔
الفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور




دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اُردو بازار لاہور

# فہرست مضامین

## دنیائے مذاہب میں بڑے کتب خانے اسلام کے ہیں



## اصطلاحات الفقہ

**امام ابوحنیفہ کے شاگردانِ گرامی جو اہل فتویٰ رہے**



**دقائق الفقہ**

## مختلف انواع الفقہ

# اہم کتب فقہ

## اوران کا ائمہ سے انتساب

**الحمد للہ وسلام علی عبادہ اللذین اصطفی امابعد:**

صحابہ تابعین فقہ کے پہلے بارہ امام علم وافتاء کا مرجع تھے ان کے اسماء گرامی آپ کو ائمہ فقہ کے ذیل میں ملیں گے فقہ کا آغاز خود صحابہؓ سے ہوا ہے صحابہؓ کے بڑے بڑے شاگرد حضرت علقمہؓ بن قیس نہ (۶۲ھ) مسروق بن اجدعؒ (۶۳ھ) فقیہ الفقہاء حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) امام زین العابدینؒ (۹۴ھ) عروہ بن زبیرؒ (۹۴ھ) اسود بن یزید نخعیؒ (۹۵ھ) امام ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) سعید بن جبیرؒ (۹۸ھ) خارجہ بن زیدؒ (۹۹ھ) سالم بن عبداللہؒ (۱۰۶ھ) سلیمانؒ بن یسارؒ (۱۰۷ھ) امام قاسم بن محمدؒ (۱۰۷ھ) مکحولؒ (۱۱۳ھ) عطاء بن ابی رباحؒ (۱۱۴ھ) امام حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) امام حماد بن ابی سلیمانؒ (۱۲۰ھ) وغیرہم اپنے اپنے حلقوں میں علم وافتاء کا مرجع تھے یہ اکابر تابعین امت میں بطور مفتی کام کرتے رہے ان حضرات کی جزئیات فقہ گو ہزاروں لاکھوں تھیں لیکن وہ کہیں ایک جگہ مدون نہ ہو پائیں۔ مختلف الانواع آثار صحابہ جو ہزاروں تھے انہیں یاد تھے لیکن انہوں نے ابھی کسی ترتیب میں جگہ نہ پائی تھی نہ وہ کہیں مدون ہوئے تھے اور تو اور نماز کا پورا لائحہ عمل اور نقشہ اور اس کے اعمال کے مختلف درجات اور ان کے احکام کہیں یکجا منقسم فی الانواع ہو کر جمع نہ تھے نہ ذخیرہ حدیث میں وہ کسی ایک ترتیب میں ملتے تھے اور نہ روایات وآثار میں کہیں یہ نقشہ نماز ایک جگہ موجود تھا یہ صرف مسلمانوں کی عملی راہیں تھیں جن سے اگلوں کو پہلوں سے دین ملا۔ فن کو بطور فن یکجا کرنا اور مسائل کو عملی شکل میں ایک ترتیب دینا بہت اہم اور مشکل کام تھا علم کی کھلی زمین پر کتاب وسنت کی کھلی تابانی تھی اور آثار صحابہ کی نہریں جاری تھیں مگر اس فن کو مدون اور مرتب کرنے اور ہر ایک مسئلے کو اس کے درجے میں رکھنے کے لیے کسی مرد آہن کی

ضرورت تھی جو کتاب وسنت کی گہرائی میں اتر کر ان کی وسعتوں میں لپٹ کر اور تمام اختلافات کے دریچوں میں جھانک کر کتاب وسنت کو ایک عملی اور قانونی شکل میں ترتیب دے دنیا کو اس مدون فقہ کا انتظار تھا اور اپنے پرائے ہر ایک فرد علم کا اعتراف ہے کہ وہ کون تھا کہ علم ثریا ستاروں سے بھی دور ہو تو وہ وہاں سے بھی اسے پالے اور حق یہ ہے کہ یہ اسی کا حق تھا کہ تاریخ اسے امام اعظم کا نام دے۔

اس عظیم کام کا بیڑہ اٹھانے کے لیے اور اجتہاد کی اس کشتی کو دھکیلنے کے لیے جو حضرات آگے بڑھے ان میں امام ابوحنیفہؒ سرفہرست ہیں ان کے بعد جس شخص نے بھی اس فن میں کوئی مقام پایا وہ انہی کے سائے میں پایا۔ حتی کہ امام شافعی بھی جو بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ سے مختلف ہیں کہہ اٹھے کہ فقہ میں سب لوگ امام ابوحنیفہؒ کے دست نگر ہیں

الناس کلهم عيال ابی حنيفة فی الفقه

اصول فقہ کی کیا وہ صورت تھی جو آپ پر کھولی گئی اور شریعت کا مغز کس طرح آپ کے سامنے کھلا تھا؟ اسے حضرت امام شافعی جیسے حضرات ہی جانتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے جس طرح فقہ اسلامی کو مرتب کیا اس کی بحث تدوین فقہ کا موضوع ہے اسے آپ جلد اول میں مطالعہ کر چکے یہاں صرف ان کتابوں کا تعارف کرانا ہے جن سے امت کو اپنے دین کا چہرہ مرتب نظر آتا ہے یہ ان اسلاف امت کی کاوشیں تھیں جن سے فقہ اسلام مرتب دکھائی دی۔ امام ابوحنیفہؒ کے اس عظیم تاریخی کام میں اُن کے دست راست حضرت امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ) ہیں جنہوں نے آپ کی فقہ مرتب کی اور فقہ اسلام کو ایک عملی تشکیل دی۔ اس میں آپ کے ساتھ تاریخ اسلام کے پہلے چیف جسٹس امام ابو یوسف بھی تھے جو آپکے اساتذہ میں سے تھے اور وہ آپ کے ساتھی بھی تھے۔ یہ دونوں حضرت امام ابوحنیفہ کے صاحبین کہلاتے ہیں

## امام محمدؒ کی پہلی کتاب الجامع الصغیر

روایات وآثار کی گہرائیوں میں اتر کر مسائل کو ایک عملی پیرائے میں ترتیب دینا اور احکام شریعت کو اس اختصار سے یکجا کرنا یہ کوئی معمولی کام نہ تھا حفظ ومذاکرات سے حدیث وآثار کے بڑے بڑے مجموعے یکجا کیے جاسکتے ہیں لیکن ان میں نماز تک کی یکجا صورت آپ کو

کہیں نہ ملے گی الجامع الصغیر ہے تو چھوٹی سی کتاب لیکن اسلامی دنیا میں یہ پہلی کتاب ہے جس نے عبادات ومعاملات کو روایات کی شکل میں نہیں ایک عملی صورت میں پیش کیا ہے حضرت امام کا املاء کرایا فقہی مجموعہ ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ ہو سکتا ہے کہ امام محمد نے ترتیب بلکہ بیشتر مواد بھی اسی سے لیا ہو۔

پھر اس کتاب پر بڑی بڑی شرحیں لکھی گئیں لیکن حق یہ ہے کہ یہ کتاب فقہ اسلام کی تدوین میں آئندہ پوری امت کے لیے ایک سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے پچھلے ادوار میں اس کتاب کے کئی حافظ بھی ہوئے امام جرح تعدیل یحییٰ بن معین نے خود امام محمد سے اسے لے کر لکھا۔

آج جو شخص اپنے آپ کو مجتہد سمجھتا ہو اسے چاہیے کہ اس کتاب کا کوئی ایک باب لے کر (اسے مطالعہ کیے بغیر) اسے اپنے علم اور معلومات سے نئے سرے سے مرتب کرے اور پھر اپنی اسی ترتیب کو اس باب کے مضامین سے ملا کر دیکھے اسے فورا پتہ چل جائے گا کہ وہ کیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا اور اپنے آپ کو مجتہد سمجھے ہوئے تھا۔

الجامع الصغیر کے قریب اگر کوئی اور کتاب سمجھی جا سکتی ہے تو وہ مختصر القدوری ہے امام ابوالحسین احمد القدوری (۴۲۸ھ) جو خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کے حدیث میں استاد تھے اور ایک واسطہ سے حافظ ابوبکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) کے شاگرد تھے انہوں نے یہ نہایت عمدہ مختصر لکھی۔ لیکن کب؟ جامع الصغیر کے بعد۔ الجامع الصغیر میں ۵۳۲ مسئلے ہیں اُن میں آپ نے ۱۷۰ مسئلوں میں حضرت امامؒ سے اختلاف کیا ہے امام محمدؒ نے اس کتاب میں دو مسئلوں کے سوا کہیں قیاس اور استحسان کا ذکر نہیں کیا۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ ان ائمہ احناف نے کبھی امام ابوحنیفہ کو ایک شارع کے درجے میں نہیں لیا کہ ان کی ہر بات انکے لیے شریعت ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فقہ حنفی ایک شخصی فقہ نہیں ایک شورائی فقہ ہے۔

## امام قدوریؒ کا امام محمدؒ تک سلسلہ اسناد

امام قدوری کا تلمذ فی الفقہ پانچ واسطوں سے امام محمد تک پہنچتا ہے:۔

۱۔ محمد بن یحییٰؒ (۳۹۸ھ) ۲۔ جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) ۳۔ عبیداللہ کرخیؒ (۳۴۰ھ) ابوسعید بردعیؒ (ھ) ۵۔ امام موسیٰ رازیؒ (ھ)

خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں میں نے آپ (امام احمد قدوری) سے حدیث روایت کی

ہے۔آپ صدوق تھے، حدیث کم روایت کرتے تھے۔علامہ سمعانی فرماتے ہیں:۔

کان فقیہا صدوقا انتھت الیہ ریاسۃ اصحاب ابی حنیفۃ بالعراق وعزعند ھم قدرہ۔

قدوری میں ہزار کے قریب مسائل ہیں امام قدوری کی اس مختصر کو امام محمد کی الجامع الصغیر کا دوسرا ایڈیشن سمجھئے یہ دونوں کتابیں ہدایہ کا متن ہیں۔

## امام محمدؒ کی دوسری کتاب الجامع الکبیر

یہ کتاب فقہی طور پر بڑی دقیق اور مشکل کتاب ہے اس میں مصنف نے حضرت امام کے اقوال کے ساتھ امام زفرؒ جو فقہ میں اشباہ اور امثال کے بادشاہ مانے گئے ہیں ان کے بھی خاصے اقوال لیے ہیں ایک ایک موضوع میں متبادل صورتیں سامنے لانا اور پھر ان میں محاکمہ کرنا علم فقہ کی جان ہے جو اس میں نمایاں ہے

## السیر الصغیر اور السیر الکبیر

حدیث کی کتابوں میں سیر کا باب عام طور پر جہاد کے ساتھ ہوتا ہے صحیح مسلم کی دوسری جلد میں کتاب السیر والجہاد ۳۸ صفحات تک پھیلا ہوا ہے پھر کتاب الامارۃ ہے جو ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے یہ ابواب امور سلطنت سے متعلق ہیں ان کا تعلق مسلمانوں کی انفرادی زندگی سے نہیں اجتماعی زندگی سے ہے۔امام محمدؒ نے سیر پر جو چھوٹی کتاب لکھی وہ سیر اسلامی کا پہلا خاکہ ہے جو اس ایجاز سے مرتب ہوا اس پر بڑی بڑی شرحیں لکھی گئیں محدثین نے ان ابواب کی روایات بے شک روایت کی ہیں مگر ان کا پہلا فقہی خاکہ وہی ہے جو امام محمد نے مرتب کیا الفضل للمتقدم۔

السیر الکبیر علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) کی شرح کے ساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے پہلے حیدر آباد دکن میں یہ چار جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔

ان کتابوں سے حنفی فقہاء کے ذوق کا پتہ چلتا ہے کہ جس طرح وہ اسلام کے نظام عبادات اور معاملات میں علمی اور تحقیقی ذوق رکھتے تھے ان کی وہی دلچسپی سلطنت اور اسلامی سیاست سے رہی ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ وہ سیاست میں آنے کی بجائے اصلاح سیاست میں کوشاں رہے۔امام ابو یوسفؒ کا وہ طویل خط جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کو اسلام کے

نظام مالیات کے بارے میں لکھا وہ ان کی حق گوئی اور فکری گہرائی کی ایک کھلی دلیل ہے وہ خط کیا ہے ایک پوری کتاب ہے جو کتاب الخراج کے نام سے معروف ہے۔

## کتاب الاصل

امام محمدؒ کی یہ کتاب المبسوط کے نام سے بھی معروف رہی ہے علامہ سرخسیؒ نے اس کی بھی شرح لکھی ہے جو پندرہ ضخیم جلدوں میں ہے شرح کے بغیر صرف متن چار جلدوں میں ہے۔ جو علامہ ابوالوفا الافغانی کے حاشیہ کے ساتھ پانچ جلدوں میں بیروت سے شائع ہوا ہے۔

## زیادات

یہ امام محمدؒ کی چھٹی کتاب ہے جو ظاہر الروایہ میں شامل ہے حضرت امام محمدؒ کی یہ چھ کتابیں ظاہر الروایات کہلاتی ہیں ان کتابوں کو اصل مؤلف سے اتنے لوگوں نے پڑھا اور ان کتابوں نے شروع سے اتنی شہرت پائی کہ اب اس میں کسی پہلو سے خفا نہیں کہ اس باب میں حنفی مذہب کیا ہے؟ اور اس کی اساس کون سی کتابیں ہیں۔امام محمدؒ کی اور فقہ کی تالیفات ان کتابوں کے علاوہ اور بھی ہیں لیکن وہ ظاہر الروایہ نہیں وہ نوادر کے نام سے معروف ہیں حدیث میں امام محمدؒ کی کتابیں ان کے علاوہ ہیں جیسے مؤطا امام محمد کتاب الآثار اور الحجہ علی اہل المدینہ۔

## فقہ کی روایات استخراجی انداز میں

حدیث کی روایت لفظاً اور معناً ہوتی ہے فقہ کی روایت لفظاً معناً اور استخراجاً (ایک باریک علمی انداز میں بھی) ہوتی رہی ہے روایت باللفظ اور روایت بالمعنیٰ کی بحثیں فن حدیث کا موضوع ہیں یہاں ہم صرف اس پر بحث کریں گے کہ فقہ استخراجاً کس طرح روایت ہوتی رہی ہے۔

فقہاء مجتہدین کے اصول اپنے اپنے ہیں۔انہوں نے اپنے اپنے اصولوں کے تحت جو مسئلے دریافت کیے آگے آنے والے فقہاء نے اس اجتہاد اور اس دریافت پر اور بہت سی جزئیات جو اُن سے لازم آتی تھیں ،مرتب کر ڈالیں اور ان سب کو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب قرار دیا۔ یہ بات اصولاً درست ہے گو وہ جزئیات جو اُن سے لازم آتی تھیں لفظاً یا معناً امام ابوحنیفہ سے مروی نہ ہوں اور ان فقہاء نے انہیں آپ سے استخراجاً روایت کیا ہو ان میں لفظی اور معنوی نقل کی ضرورت نہیں ہوتی استخراجی نقل میں سند کی نہیں علم اور تفقہ کی ضرورت ہوتی

ہے اس طریق سے جو مسائل حل ہوں گے وہ ان اصولوں پر متخرج ہونے کی وجہ سے اس امام کی طرف ہی منسوب ہوں گے جس نے اس کی اصل قائم کی تھی یہی وجہ ہے کہ جس طرح حدیث کی کتابوں میں صحابہؓ اور ائمہؒ کے اقوال روایۃً ملتے ہیں فقہ کی کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل استخراجاً ملتے ہیں اصلاً ان کی فقہ وہی ہے جو امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ اور دوسرے شاگردوں نے ان سے روایت کی ہے۔

فقہ کا میدان ایک ناپید اکنار سمندر ہے ہر جگہ ہر وقت اور ہر صورت کے مطابق نئے نئے مسائل اٹھتے رہے اور اہل العلم والفقہ اپنے ان ائمہ کی کتابوں پر ان مسائل کا استخراج کرتے رہے جو لوگ اس استخراجی طریق سے واقف نہیں ان کے ذہن میں نقل وروایت کا وہی ایک طریق ہے جو تاریخی طور پر کسی چیز کے ثابت کرنے اور نہ ثابت کرنے کے بارے میں ہوتا ہے وہ فقہ کی اس باریک علمی روایت کو جو استخراج سے چلتی ہے سمجھ ہی نہیں سکتے وہ جب کتب فقہ کے بڑے بڑے ذخیروں کو امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب دیکھتے ہیں تو وہ اپنی کم علمی کے باعث تھرا اٹھتے ہیں کہ حضرت امامؒ نے تو احکام پر کوئی کتاب نہیں لکھی یہ بڑے بڑے علمی ذخیرے کہاں سے آگئے؟ وہ نہیں جانتے کہ فقہ کی روایت صرف اتصالاً نہیں استخراجاً بھی چلی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہ کی کتابیں زیادہ حاشیہ پر حاشیہ اور شرح پر حاشیہ اور حاشیہ پر شرح اور پھر فتاویٰ کی صورت میں چلتی آرہی ہیں ہم اس عنوان میں بعض اہم کتب فقہ کا تعارف کرواتے ہیں۔

## فقہ کی اولین کتابیں

۱۔ یہ امام محمد کی ظاہر الروایات ہیں جن کا ایک مختصر تذکرہ آپ کے سامنے ہو چکا انکے بعد امام محمد کی نادر الروایات ہیں اور انکے بعد امام محمد کے شاگردوں کے علمی ذخیرے جو ان سے آگے چلے۔

## فقہ کی درسی کتابیں

مختصر القدوری کا تعارف پہلے آچکا ہے اس پر متعدد شروح لکھی گئیں ان کا تعارف آپ کو آگے شروح فقہ کے ذیل میں ملے گا۔

## ۲۔ کنز الدقائق

اس کے مصنف جلیل القدر مفسر قرآن ابوالبرکات عبید اللہ بن احمد مسعود النسفیؒ (۷۱۰ھ) ہیں۔ آپ متن نگاری میں بڑے اونچے درجے کے مصنف تسلیم کیے گئے ہیں عقائد نسفی انہی کی تالیف ہے۔ جس کی شرح علامہ تفتازانی نے لکھی۔ شرح عقائد نسفی مدارس میں داخل نصاب ہے نیز اس اس کی عظیم شرح ہے علم اصول میں آپ کا متن ''المنار'' ہے اس کی شرح ''نورالانوار'' مدارس میں داخل نصاب ہے آپ کی تفسیر ''مدارک التنزیل'' بھی بعض مدارس میں داخل نصاب ہے۔

علامہ نسفیؒ نے اس میں بالالتزام وہی مسائل لکھے ہیں جو ظاہر الروایہ میں ہیں اور ائمہ ثلاثہ کے بھی وہی مسائل لیے ہیں جو مفتی بہ ہیں اسکے صرف چند مسائل ایسے ہیں جو اس معیار پر پورے نہیں اترے اس کتاب کی عظمت کے لیے یہی کہنا کافی ہے کہ فقہ حنفی کی مایۂ ناز کتاب البحرالرائق (جس کے مصنف علامہ ابن نجیمؒ (۹۷۰ھ) اپنے وقت کے ابوحنیفہ سمجھے جاتے تھے) اس کتاب کی شرح ہے علامہ فخر الدین الزیلعیؒ (۷۶۲ھ) نے بھی اس کی شرح ''تبیین الحقائق'' چھ ضخیم جلدوں میں لکھی ہے اور علامہ عینیؒ جیسے بلند پایہ محدث نے بھی اس کی شرح لکھی ہے۔

صاحب الکنز کی سند شمس الائمہ علامہ کردری کے واسطہ سے صاحب ہدایہ (۵۹۳ھ) تک پہنچتی ہے۔ کنز الدقائق کے بعد مدارس میں شرح وقایہ پڑھائی جاتی ہے اور اس کے بعد ہدایہ مدارس عربیہ کی سب سے اونچی فقہ کی درسی کتاب ہے۔ جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔

## ۳۔ شرح وقایہ

وقایہ تاج الشریعۃ محمود بن احمدؒ کی تالیف ہے تاج الشریعۃ کے پوتے عبید اللہ بن مسعودؒ (۷۴۷ھ) نے وقایہ کی ایک تلخیص کی جس کا نام نقایہ ہے اور ایک اس کی شرح لکھی جس کا نام شرح وقایہ ہے آپ نے اسی طرح علم اصول پر ایک متن لکھا جس کا نام تنقیح ہے۔

پھر اس کی شرح لکھی جس کا نام توضیح ہے توضیح کی علامہ تفتازانی نے شرح لکھی جس کا نام تلویح ہے یہی توضیح تلویح مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اس تفصیل سے آپ مصنف کی جلالت شان کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس کتاب سے طلبہ میں ہدایہ پڑھنے کی اچھی

خاصی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی عبارت نہایت سلیس ہے اور کنز الدقائق کے مقابلے میں کہیں آسان ہے۔

فقہ کی ان درسی کتابوں کے بعد اب کچھ شروح فقہ کا بھی کچھ مختصر تعارف کریں۔

**واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق**

## ۴۔ ہدایہ کا تعارف

امام قدوریؒ کا اسناد امام محمدؒ تک ہم بیان کر آئے ہیں قاضی عمر بن محمدؒ کے شاگردوں میں ابوالحسن علی الملقب بہ برہان الدینؒ (۵۹۳ھ) عظیم علمی شخصیت بن کر ابھرے آپ نے امام محمدؒ کی کتاب الجامع الصغیر اور مختصر القدوری کو ملا کر ایک کتاب بدایۃ المبتدی لکھی یہ ہدایہ کا متن ہے پھر اس پر مصنف نے ایک عظیم شرح کفایۃ المنتہی لکھی ہدایہ اس کی تلخیص ہے جو اولین اخیرین کی چار جلدوں پر مشتمل ہے اس کتاب کی پھر آگے بہت سی شروح لکھی گئیں اور اس متن پر بہت سے حاشیے بھی لکھے گئے۔

اس کتاب کی عظمت کے لیے یہ بات جان لینی کافی ہے کہ علامہ ابن ہمام سکندریؒ (۸۶۱ھ) اور علامہ بدرالدین العینیؒ (۹۵۵ھ) جیسے بلند پایہ محدثین نے اس کی شرحیں لکھیں اور علامہ جمال الدین الزیلعیؒ (۷۶۲ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) جیسے حفاظ حدیث نے اس کی احادیث کی تخریج کی پھر بھی کئی مقامات پر حافظ ابن حجرؒ کو ہتھیار ڈالنے پڑے کہ یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی اور یہ روایت میں نے نہیں پائی۔ مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:۔

فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ میں مسائل فقہ کی اسناد میں روایات سے جو ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و معقولی باتیں سمجھائی ہیں ان میں امام برہان الدین مرغینانیؒ مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ بے سود گنی جائے گی؟ یہ بات سوائے کسی جاہل اور بے سمجھ کے اور کون کہے گا؟ (تاریخ اہلحدیث ص ۱۴۰)

مولانا محمد ابراہیم امیر جماعت اہلحدیث کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین صاحب سے نقل کرتے ہیں:۔

> ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے چھوٹا رافضی جانتے ہیں۔ (تاریخ اہلحدیث ص ۷۴)

سو جو لوگ ائمہ کی ان کتابوں کو جو علم کے ذخیرے میں نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بہت بے ادبی سے ان کا ذکر کرتے ہیں انہیں ان کے اپنے اکابر نے شیعوں کی صفوں میں جگہ دی ہے انہیں اہلحدیث کہنا خود شیخ الکل اور مولانا ابراہیم سے ایک بغاوت کی راہ ہے۔

حضرت علامہ برہان الدینؒ کا ہدایہ میں آیات واحادیث لانا اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کہ حنفی فقہاء اپنے ائمہ کو بالذات شرعی دلیل نہیں سمجھتے تھے ان کی بات کو یہ حضرات اسی درجہ میں قبول کرتے رہے ہیں کہ یہ بات کتاب وسنت کی روشنی میں کہی جارہی ہے گو انہیں وہ خاص دلیل معلوم نہ بھی ہو، جس کی وجہ سے کسی امام نے وہ بات کہی پھر بھی اس پر دوسرے دلائل کا تجسس بتلاتا ہے کہ مسلمانوں کے کسی طبقہ کے ہاں کتاب وسنت کے بالمقابل کسی کا قول اور رائے کو معتبر نہیں سمجھا گیا۔ مدارس عربیہ میں ہدایہ فقہ کی دیگر کتابوں کے بعد آخر میں پڑھائی جاتی ہے تاکہ طلبہ کے ذہن میں فقہ اس درجہ میں جگہ پاسکے کہ یہ اپنے ثبوت میں کتاب وسنت کی محتاج ہے اور اسے اعتماد پر قبول کرلینا اور مطالبہ دلیل میں نہ پڑنا یہ امر دیگر ہے جو اپنی جگہ جائز ہے قدوری پہلے اسی لیے پڑھائی جاتی ہے کہ طلبہ کو اسلام کی عملی صورت کا پتہ چل جائے دلائل کی نوبت پھر ہدایہ میں آتی ہے

صاحب ہدایہ کی سند فخر الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بزدویؒ (۴۷۳ھ) شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ (۴۵۳) شمس الائمہ علامہ حلوائیؒ (۴۴۸ھ) ابوعلی النسفیؒ (ھ) ابوبکر محمد بن فضلؒ ابو عبدالسید بونیؒ (ھ) ابوحفص عبداللہ بن احمد بن ابی حفص الصغیرؒ (۲۷۴ھ) سے امام ابوحفص الکبیرؒ (۲۱۸ھ) شاگرد حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) تک پہنچتی ہے۔

یہ چار کتابیں مدارس عربیہ میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ ا۔ قدوری ۲۔ کنزالدقائق ۳۔ شرح وقایہ اور ۴۔ ہدایہ کہیں کہیں ان کے ساتھ شرح نقایہ بھی داخل درس ہے یہ مجدد مائۃ دہم ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کی تالیف ہے اس میں شارح نے متن نقایہ کے ہر مسئلے پر حدیث سے استناد کیا ہے۔

جو لوگ بے علمی کے نشہ میں کہہ دیتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں کہیں حدیث نہیں ہوتی انہیں چاہیے کہ وہ ہدایہ اور شرح نقایہ کا مطالعہ کریں۔

## ۵۔ منیۃ المصلی

ان کتابوں کے علاوہ دو اور کتابیں بھی داخل نصاب ہیں ا۔ منیۃ المصلی ۲۔ نور

الایضاح۔ منیۃ المصلی یہ صرف کتاب الصلوٰۃ تک ہے جیسے کہ یہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ یہ شیخ سدید الدین کاشغریؒ (۷۲۸ھ) کی تالیف ہے اس کتاب کی اہمیت کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ علامہ ابراہیم حلبیؒ (۹۵۶ھ) نے اس کی عظیم شرح لکھی جو کبیری کے نام سے مشہور ہے کبیری احادیث کا ایک گرانقدر علمی سرمایہ ہے اور اس میں فقہ اور حدیث کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

## ۶۔نورالایضاح

ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علیؒ (۱۰۶۹ھ) کی تالیف ہے مصر کے قریب کے ایک قصبہ شرنبلال کے رہنے والے تھے امام عبداللہ نحریری کے شاگرد تھے اسماعیل نابلسی دمشقی آپ کے شاگرد ہیں ۱۰۵۴ھ میں آپ نے نورالایضاح کی شرح مراقی الفلاح لکھی اس کتاب کی جلالت قدر کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ علامہ طحطاوی جیسے جہابذہ روزگار فضلاء نے اس کی شروح لکھیں یہ کتاب صرف عبادات پر مشتمل ہے۔

علامہ شرنبلانی (۱۰۶۹ھ) کی چند اور تصنیفات بھی ملاحظہ کیجیے آپکا قلم تقریباً ہر موضوع پر چلا ہے۔

۱۔الابتسام باحکام الافحام وتشق بسم الشام
۲۔الاحکام الملخصہ فی حکم ماء الحمصہ
۳۔الاستفادہ من کتاب الشہادہ
۴۔اسعاد آل عثمان المکرم ببناء بیت اللہ الحرام
۵۔اکرام اولی الالباب بشریف الخطاب
۶۔بسط المقالہ فی تحقیق تاجیل الکفالۃ
۷۔تحفۃ النحریر واسعاف الناذر الغنی والفقیر
۸۔التحقیقات القدسیہ فی مذاہب السادۃ الحنفیہ
۹۔تنقیح الاحکام فی حکم الابراء والاقراء الخاص والعام
۱۰۔تیسیر المقاصد شرح نظم الفوائد
۱۱۔الدر الثمین فی الیمین
۱۲۔الزہر النضیر علی الحوض المستدیر
۱۳۔العقد الفرید لبیان الراجح من الخلاف فی جواز التقلید
۱۴۔سراج الظلام والبدر التمام
۱۵۔الجوہرۃ المنیفہ علی مذہب ابی حنیفہ
۱۶۔النفیس المتجر بشراء الدرر
۱۷۔العصمۃ الجیدہ بتکفیل الوالدہ

ان ناموں سے اندازہ کریں کہ علماء نے علم فقہ میں کن کن مشکل موضوعات پر قابو پایا ہے یہ حضرات کئی کئی عنوانات سے گزرے ہیں صرف ایک مصنف کی بات نہیں فقہاء کرام اپنے اپنے وقت میں علم کے اچھلتے سمندر تھے اس طرح کے موضوعات پر کیا کسی محدث نے بھی کوئی کتاب ترتیب دی ہے؟ اگر علم فقہ مرتب نہ ہوتا تو ہم عملی زندگی میں ان موضوعات میں کبھی نہ چل سکتے اور حق یہ ہے کہ مصنف انہی کو کہا جانا چاہیے محدثین اپنی کتابوں کے جامع اور مؤلف تو ہوسکتے ہیں مصنف نہیں روایت حدیث تو ایک غیر عالم بھی کرسکتا ہے لیکن اس کی گہرائی میں فقہاء ہی اترتے ہیں یہ ایک شرتملالی کی بات نہیں فقہ کی تاریخ ایسے ہر سمت اڑنے والے اعلام سے مالا مال ہے۔

## شروح کتب فقہ

درسی کتب فقہ کے ضمن میں گو بہت سی شروح فقہ کا ذکر آچکا ہے تاہم ان کتابوں کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں علیحدہ عنوان سے بھی ذکر کیا جائے ان میں کچھ ان کتابوں کا بھی ذکر آجائے گا جو گو مستقل شروح نہیں لیکن شروح کی طرح علماء میں متداول ہیں۔

۱۔امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کی کتاب کتاب الاصل کی شرح شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) نے المبسوط کے نام سے لکھی یہ پندرہ ضخیم جلدوں میں ہے حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ہدایہ یہ شرح علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) نے لکھی یہ جامع صغیر امام محمدؒ اور مختصر القدوری کے مشترکہ متن پر لکھی گئی ہے یہ چار جلدوں میں ہے پہلی دو جلدیں اولین اور دوسری دو جلدیں اخیرین کہلاتی ہیں۔

۳۔بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع علامہ ابوبکر مسعود الکاسانیؒ (۵۸۷ھ) کی تالیف ہے یہ ضخیم کتاب چھ جلدوں میں ہے اس میں بھی آیات اور احادیث کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

۴۔کنز الدقائق پر علامہ فخر الدین الزیلعیؒ (۷۴۳ھ) کی شرح تبیین الحقائق فی شرح کنز الدقائق چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

۵۔علامہ عبید اللہ بن مسعودؒ (۷۴۷ھ) نے وقایہ کی شرح لکھی یہ شرح وقایہ درسی

کتاب ہے نور الہدایہ اس کی اردو شرح ہے۔

۶۔العنایہ شرح الہدایہ للبابرتی (۷۸۶ھ)

۷۔جوہرۃ نیرہ شرح قدوری، لابی بکر بن علی بن محمد المصریؒ (۸۰۰ھ) دو جلدوں میں ہے۔

۸۔علامہ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ) نے البنایہ کے نام سے ہدایہ کی شرح دس ضخیم جلدوں میں لکھی۔

۹۔حافظ ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) نے فتح القدیر کے نام سے ہدایہ کی شرح آٹھ ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی ہے۔

۱۰۔علامہ ابراہیم الحلبیؒ (۹۵۶ھ) نے منیۃ المصلی کی شرح غنیۃ المستملی (المعروف بہ کبیری) لکھی۔

۱۱۔البحر الرائق شرح کنز الدقائق، علامہ ابن نجیمؒ (۹۷۰ھ) سات ضخیم جلدوں میں ہے علامہ شامی نے اس پر ایک نفیس حاشیہ لکھا ہے۔

۱۲۔شرح نقایہ، ملاعلی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) چار جلدوں میں حلب سے شائع ہوئی ہے

۱۳۔تنویر الابصار کی شرح درمختار محمد بن علاء الدینؒ (۱۰۸۸ھ) نے لکھی جس پر علامہ ابن عابدین شامیؒ (۱۲۵۸ھ) نے ردالمحتار کے نام سے ایک عظیم شرح لکھی ہے جو فتاویٰ شامی کے نام سے معروف ہے درمختار کی ایک عظیم شرح علامہ طحطاوی (۱۲۳۳ھ) نے بھی لکھی ہے جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۱۴۔فتاویٰ خیریہ علامہ خیر الدین الرملیؒ (۱۰۱۸ھ) یہ صاحب درمختار کے استاد ہوئے ہیں۔

۱۵۔فتاویٰ عالمگیری کئی ضخیم جلدوں میں ہے یہ کسی متن پر شرح تو نہیں لیکن کتب کی شروح کی طرح ایک مبسوط کتاب ہے اس لیے ہم یہاں اسے ذکر کر رہے ہیں اسے سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۱۲۵ھ) نے تیار کرایا تھا۔

۱۶۔فتاویٰ حامدیہ للعلامہ ابن عابدین الشامی علامہ شامی کا حاشیہ البحر الرائق بھی انکی ایک عظیم علمی خدمت ہے۔

پہلے دور کی چند یہ کتب فقہ بھی ملاحظہ ہوں

۱۔خلاصۃ الفتاویٰ للامام طاہر بن احمد البخاری السرخسیؒ (۵۴۲ھ)
۲۔المحیط للسرخسیؒ
۳۔فتاویٰ فقیہ ابواللیث سمرقندی (۵۴۰ھ)
۴۔فتاویٰ قاضی خاں (۵۹۲ھ)
۵۔فتاویٰ سراجیہ (۵۶۹ھ)

## دیگر اہم کتب فتاویٰ

۱۔جامع الفتاویٰ للحمید الرومی (۸۸۰ھ)
۲۔فتاویٰ ابن کمال پاشا احمد بن سلیمان الرومی (۹۴۰ھ)
۳۔فتاویٰ ابن نجیم الرسائل الزینیہ فی مذہب الحنفیہ (۹۷۰ھ)
۴۔فتاویٰ التمرتاشی شمس الدین التمرتاشی (۱۰۰۴ھ)
۵۔الفتاوی الحانوتیہ فی الفقہ الحنفیہ للحانوتی (۱۰۱۰ھ)
۶۔فتاویٰ ابن مرشد العمری المفتی بمکہ (۱۰۳۷ھ)
۷۔الفتاوی الانقرویہ محمد بن الحسین الرومی (۱۰۹۸ھ)
۸۔الفتاوی التاجیہ فی الوقائع البعلیہ (۱۱۱۴ھ)
۹۔الفتاوی الاسعدیہ لاسکداری (۱۱۱۶ھ)
۱۰۔الفتاوی الازہریہ برہان الدین الازہری (۱۱۳۴ھ)

## کتب فقہ بر موضوعات خاصہ

۱۔کتاب الخراج للامام قاضی ابویوسف (۱۸۲ھ)
۲۔احکام الوقف لابی بکر احمد بن عمرو الخصاف (۲۶۱ھ)
۳۔السیر الصغیر والسیر الکبیر امام محمد (۱۸۹ھ)
۴۔کتاب الفرائض امام طحاوی (۳۲۸ھ)
۵۔کتاب الفرائض لصاحب الہدایہ (۵۹۶ھ)
۶۔منیۃ المصلی شیخ سدید الدین (۷۲۸) یہ صرف نماز کے مسائل پر مشتمل ہے۔
۷۔شریفی علامہ سید شریف الجرجانی (۸۱۴ھ)

۸۔ کتاب المناسک ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) یہ صرف مسائل حج پر ہے۔
۹۔ نورالایضاح علامہ حسن بن عمار (۱۰۶۹ھ) یہ صرف عبادات پر مشتمل ہے۔
۱۰۔ زبدۃ المناسک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ یہ بھی صرف حج پر ہے۔
اب چند کتب اصول سے بھی کچھ تعارف کر لیجیے۔

## کتب اصول فقہ

شیخ خضری کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی ابو یوسف (۱۸۲ھ) اور امام محمد (۱۸۹ھ) نے اصول پر بھی کتابیں لکھی تھیں لیکن وہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں اصول فقہ پر سب سے پہلی جو کتاب ملتی ہے وہ حضرت امام شافعی (۲۰۴ھ) کا رسالہ ہے پھر عیسی بن ابان (۲۲۰ھ) کی ۱۔ اثبات القیاس اور۔ ۲۔ اجتہاد الراوی ۳۔ خبر الواحد۔ اور علی بن موسیٰ القمی (۳۰۵ھ) کی اثبات القیاس والاجتہاد متداول رہی ہیں۔

ہم یہاں اصول فقہ کی ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو عام متداول ہیں اور درساً پڑھائی جاتی ہیں۔

۱۔ اصول الشاشی اسحٰق بن ابراہیم الشاشی السمرقندی (۳۲۵ھ) نے لکھی علامہ شمس الدین الشاشی (۷۸۱ھ) نے اس کی شرح لکھی اور بھی کئی علماء نے اس کی شروح لکھی ہیں۔
۲۔ ماخذ الشرائع لابی المنصور الماتریدی (۳۳۳ھ)
۳۔ اصول الکرخی (۳۴۰ھ)
۴۔ اصول الجصاص الرازی (۳۷۰ھ)
۵۔ تقویم الادلہ لابی زید الدبوسی (۴۳۰ھ) اور تاسیس النظر
۶۔ اصول بزودی فخر الاسلام ابوالحسن البزدوی (۴۸۲ھ)
۷۔ اصول السرخسی لمحمد بن احمد السرخسی (۴۸۳ھ) دو جلدوں میں ہے۔
۸۔ المستصفی للغزالی (۵۰۵ھ)
۹۔ اصول الفقہ للصدر الشہید (۵۳۶ھ)
۱۰۔ الاصول للسمرقندی (۵۴۰ھ)
۱۱۔ اصول الفقہ لعبد الغفار کردری (۵۶۲ھ)

۱۲۔ بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد لابن الرشد (۳۹۵ھ)

۱۳۔ حسامی ابوعبداللہ بن محمد حسام الدین (۶۴۴ھ) نے لکھی جس کی کئی شرحیں اور حاشیے لکھے گئے ہیں حافظ نسفی (۷۱۰ھ) نے المختصر اور المطول اس کی دو شرحیں لکھیں۔

۱۴۔ حضرت علامہ نسفی (۷۱۰ھ) نے منار الانوار بطور متن لکھی اس کی شرح علامہ ابن نجیم (۹۷۰ھ) نے فتح الغفار کے نام سے لکھی اور نور الانوار شیخ احمد المعروف بملا جیون (۱۱۳۰ھ) نے لکھی۔

۱۵۔ صاحب شرح وقایہ، علامہ عبید اللہ بن مسعود (۷۴۷ھ) نے علم اصول پر توضیح لکھی اس کی شرح تلویح علامہ تفتازانی (۷۹۲ھ) کی تالیف ہے۔

۱۶۔ حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) نے علم اصول پر ایک نہایت عمدہ اور جامع تالیف کتاب التحریر لکھی اس کی ایک مبسوط شرح علامہ ابن امیر الحاج نے لکھی ہے جو شرح التحریر کے نام سے معروف ہے۔

۱۷۔ مسلم الثبوت علامہ محب اللہ بہاری (۱۱۱۹ھ) کی نہایت بلند پایہ کتاب ہے فواتح الرحموت اس کی عظیم شرح ہے جو علامہ بحر العلوم (۱۲۲۵ھ) نے تحریر فرمائی۔

۱۸۔ مغتنم الحصول للفاضل حبیب اللہ القندھاری

## علماء ہند کی اس فن میں خدمات

### ۱۔ اصول بزدوی کی شروح

۱۔ علامہ شہاب الدین دولت آبادی (۸۴۹ھ)

۲۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی (۸۸۲ھ)

۳۔ شیخ اللہ داد جونپوری (۹۲۳ھ)

۴۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی (۹۹۸ھ)

۵۔ شیخ ابوبکر قریشی اکبر آبادی (ھ)

### ۲۔ شروح منار الاصول

۱۔ شیخ یوسف بن جمال ملتانی (۷۹۰ھ)

۲۔ سعد الدین محمود دہلوی (۸۹۱ھ)

۳۔ملا جیون احمد بن ابی سعید (۱۱۳۰ھ)

۴۔عبدالعلی بحر العلوم (۱۲۲۵ھ)

## ۳۔التلویح والتوضیح

۱۔شیخ وجیہ الدین گجراتی (۹۹۸ھ)

۲۔علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷ھ)

۳۔احمد بن سلیمانی گجراتی (۱۰۹۲ھ)

۴۔مولانا قطب الدین شہید سہالوی (۱۱۰۳ھ)

## ۴۔شروح وحواشی حسامی

۱۔شیخ سعد الدین خیر آبادی (۸۸۲ھ)

۲۔شیخ یعقوب بن یوسف ملتانی (۱۰۹۸ھ)

## ۵۔اصول الشاشی کے حواشی

۱۔مولانا فیض الحسن گنگوہی

۲۔مولانا برکت اللہ لکھنوی

۳۔مولانا محمد حسن سنبھلی

۴۔حکیم نجم الغنی رامپوری

نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی اصول پر ایک کتاب حصول المامول لکھی ہے۔

## کتب فقہ مختلفہ از مذاہب اربعہ

کتب فقہ اور شروح فقہ کی جن کتابوں سے آپ متعارف ہوئے ہیں ان میں بیشتر فقہ حنفی کی کتابیں ہیں اور یہی مذہب پاکستان اور ہندوستان میں زیادہ رائج ہے نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ہم مالکی فقہ شافعی فقہ اور حنبلی فقہ کی چند کتابوں کا نام بھی لکھ دیں تا کہ ہمارے طلبہ ان سے بھی متعارف ہوسکیں۔

مالکی فقہ کی کتاب المدونۃ الکبری جو شیخ ابو عبداللہ عبدالرحمن بن القاسم (۱۹۱ھ) کی تالیف ہے اس فقہ کی مرکزی کتاب ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کی تالیف کتاب الکافی بھی اس فقہ کی ایک اہم

کتاب ہے۔

شافعی فقہ کی سب سے اہم کتاب امام شافعی (۲۰۴ھ) کی کتاب الام ہے۔
امام نووی الشافعی (٦٧٦ھ) کی کتاب شرح المہذب بیس جلدوں میں ہے یہ اس فقہ کا نہایت معتمد ماخذ ہے۔

حنبلی فقہ کی کتابوں میں المختصر المزنی (۳۳۴ھ) العدۃ فی شرح العمدہ اور المغنی لابن قدامہ (۶۴۰ھ) اس کے قابل اعتماد ماخذ ہیں المغنی نو جلدوں میں ہے۔

## برصغیر پاک وہند کا دور فتاویٰ

پیشتر اس کے کہ ہم فقہ پر لکھے گئے ان فتاویٰ پر نظر کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ مفتی کا کچھ تعارف کرادیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ میں مفتی سے مراد کیا ہے؟ اور اس زمانہ میں مفتی کہلانے والے علماء کیا اس معیار پر پورے اترتے ہیں؟ اس کے لیے حافظ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) کا ایک بیان ملاحظہ کیجیے علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

> قال فی فتح القدیر وقد استقررای الاصولیین علی ان المفتی ہو المجتہدو اما غیر المجتہد ممن یحفظ اقوال المجتہد فلیس بمفت والواجب علیہ اذا سئل ان یذکرقول المجتہد کالام علی وجہ الحکایۃ فعرف ان مایکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی بل ہو نقل کلام المفتی لیاخذبہ المستفتی وطریق نقلہ للذلک عن المجتہد احد الامر بن اما ان یکون لہ سند فیہ اویاخذہ من کتاب معروف تداولتہ الایدی نحوکتب محمد بن الحسن ونحوھاالا نہ بمنزلۃ الخبر المتواتر والمشہور۔

(ردالمحتار للعلامۃ الشامی جلد۱، ص۶۴)

ترجمہ: علماء اصول کے ہاں یہ بات طے ہے کہ مفتی صرف مجتہد ہی ہوسکتا ہے جو دوسرا شخص کسی مجتہد کے اقوال یاد کرے (اور لوگوں کو

بتلائے) وہ مفتی نہیں ہے اس پر واجب ہے کہ جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو وہ جواب میں اس مجتہد کا قول بتلائے اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دور کے لوگ جو فتوے دیتے ہیں وہ فتوے نہیں وہ صرف مفتی کے کلام کی نقل ہے جو سائل لیتا ہے اسے اس کے مجتہد سے نقل کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کے پاس اس نقل کی سند ہو یا وہ اسے ایسی کتاب سے لے جو لوگوں کے ہاں عام متداول ہو جیسے امام محمد کی کتابیں اور اس درجہ کی دوسری کتابیں ہیں جو خبر متواتر یا مشہور کے درجے میں لوگوں کو پہنچی ہوں۔

یوں تو چھٹی صدی میں فتاویٰ قاضی خاں (۵۹۲ھ) لکھا جا چکا تھا لیکن ابھی فقہ کی عام اشاعت اس عنوان سے نہ تھی فتاویٰ عالمگیری ۱۱۳۵ھ میں مرتب ہوا صاحب درمختار (۱۰۸۸ھ) کے استاد علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ مرتب کیا شوافع میں علامہ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ لکھا لیکن فقہ کے فتاویٰ جس اہتمام سے چودہویں صدی میں مرتب ہوئے اس کی نظیر پہلے نہیں ملتی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) کا فتاویٰ عزیزی ان کی وفات کے بعد مرتب اور شائع ہوا ہے اور فتاوے بیشتر اسی طرح مرتب ہوئے ہیں فتاویٰ عزیزی (فارسی) دو جلدوں میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے حضرت شاہ محمد اسحٰق ان کے نواسے اور ان کے جانشین ہوئے حضرت شاہ محمد اسحٰق کا مجموعہ فقہ مائۃ مسائل کے نام سے معروف ہے اس کے بعد مندرجہ ذیل فتاوے سامنے آتے ہیں:۔

۱۔ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) یہ اس صدی کا پہلا فتاویٰ ہے۔

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ مولانا گنگوہی (۱۳۲۳ھ) پہلے تین حصوں میں تھا اب یکجا چھپا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے کچھ اور فتاوے بھی مولینا نور الحسن راشد کاندھلوی نے تلاش کر کے الباقیات فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے جو سو صفحات میں جمع کیے ہیں اسے فتاوے رشید جدید کی دوسری جلد کہا جا سکتا ہے۔

۳۔ فتاویٰ خلیلیہ مولانا خلیل احمد (۱۳۴۶ھ) ابھی صرف پہلی جلد شائع ہوئی ہے۔

۴۔ عزیز الفتاویٰ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی نقشبندی (۱۳۴۷ھ)

۵۔ امداد الفتاویٰ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ)

۶۔فتاویٰ عثمانیہ بیس جلدوں میں ہے اس کے مرتب مولوی منور الدین ہیں جو خان بہادر مولوی سید محمد ضیاء الدین ایل ایل ڈی (ایڈنبرا) کے صاحبزادے تھے کتاب کی چھٹی جلد (بہ تقطیع کلاں) کتاب الحج والزیارۃ پر مشتمل ہے یہ فتاویٰ الیکٹرک پرنٹنگ ورکس دہلی سے ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں چھپا۔

۷۔کفایۃ المفتی حضرت مفتی کفایت اللہ محدث دہلویؒ (۱۳۷۲ھ)

۸۔حقیقۃ الفقہ حضرت امداد اللہ فاروقی (۱۳۸۰ھ) آپ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔

۹۔بہشتی زیور از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔

۱۰۔علم الفقہ مولانا عبدالشکور لکھنوی (۱۳۹۰ھ)

۱۱۔امداد الاحکام مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۳۹۴ھ)

۱۲۔فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۱۳۹۶ھ)

۱۳۔جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع صاحب دو جلدوں میں ہے۔

۱۴۔خیر الفتاویٰ مولانا خیر محمد جالندھری۔

مذکورہ علمی اور فقہی ذخائر کے ساتھ کچھ اور کتب فتاویٰ بھی ہیں جن کے مفتی صاحبان بحمد اللہ اس وقت حیات ہیں متعنا اللہ بطول حیاتھم ان کے مجموعہ فتاویٰ پر بھی نظر رہنی چاہیے۔

۱۔فتاویٰ محمودیہ مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مدظلہ (آٹھ جلدوں میں ۱۴۰۶ھ)

۲۔نظام الفتاویٰ مولانا مفتی نظام الدین صاحب (دیوبند) مدظلہ (ابھی دو جلدیں چھپی ہیں ۱۳۹۹ھ)

۳۔فتاویٰ رحیمیہ مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ (یہ عظیم فتاوے چھ جلدوں میں ہیں ۱۳۶۸ھ)

۴۔احسن الفتاویٰ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ (اسکی سات جلدیں چھپی ہیں ۱۳۹۸ھ)

۵۔جواہر الفتاویٰ مولانا مفتی عبدالسلام چاٹگامی مدظلہ

۶۔کنز المسائل کامل (۹ جلد) از شیخ الحدیث مولانا شمس الضحی مظاہری مہتمم جامعہ

صوفیہ رنگون (برما)

۷۔آپ کے مسائل اوران کا حل از شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف لدھیانوی

علامہ محمد بن فرج المعروف بابن الطلاع الاندلسی (۴۹۷ھ) کی کتاب اقضیۃ الرسول کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے یہ اس دور کے علمی ذخیرہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے دیو بند کے حضرت مولانا سید اصغر حسن صاحب نے بھی فتاویٰ محمدی کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فیصلے جمع کیے تھے۔

اہل سنت کی ان میں کتب فتاوی کے علاوہ مندرجہ ذیل فتاوے کچھ دوسرے مسالک کے ترجمان ہیں اور ان کے پیروؤں کو ان کی بھی ضرورت پڑتی ہے نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہ چند نام بھی ذکر کردیں تاکہ ان کے طلبہ ان سے فائدہ اٹھاسکیں۔

۱۔نزل الابرار من فقہ النبی المختار مولانا وحید الزماں حیدرآبادی

۲۔فتاویٰ نذیریہ شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی

۳۔فتاویٰ ثنائیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری

۴۔فتاویٰ علمائے اہلحدیث حافظ عبداللہ روپڑی

یہ چند کتابیں ایک دوسرے مکتب فکر کی ہیں

۱۔فتاویٰ مظہری مفتی مظہر اللہ دہلوی

۲۔فتاویٰ رضویہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی

۳۔جامع الفتاویٰ یہ دو جلدوں میں ہے

۴۔احکام شریعت اور عرفان شریعت کلا ہما احمد رضا خاں

۵۔فتاویٰ نظامیہ ملا نظام الدین ملتانی

۶۔فتاویٰ افریقہ مولانا احمد رضا خان

## دیگر اہم کتبِ فتاویٰ

### ۱۔خلاصۃ الفتاویٰ

از امام طاہر بن احمد البخاری السرخسی (۵۴۲ھ) محدث زیلعی نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

## ۲۔فتاویٰ قاضی خاں

اسے خانیہ بھی کہتے ہیں قاضی خاں (۵۹۲ھ) مجتہد فی المسائل تھے ان کی تصحیح دوسروں کی تصحیح سے مقدم ہے ہم اسے پہلے بھی ذکر کر آئے ہیں۔

## ۳۔فتاویٰ سراجیہ

ازعلی بن عثمان سراج الدین اوشی (۵۸۲ھ)

## ۴۔فتاویٰ ولوالجیہ

ازاسحٰق بن ابی بکر الحنفی ظہیر الدین (۵۴۰ھ)

## ۵۔فتاویٰ ظہیریہ

علامہ ظہیر الدین محمد بن احمد قاضی بخارا (۶۱۹ھ) علامہ عینی (۸۵۵ھ) نے اس کی ایک تلخیص المسائل البدریہ من الفتاویٰ الظہیریہ کے نام سے کی ہے۔

## ۶۔فتاویٰ بزازیہ

ازمحمد بن محمد بن شہاب کردری (۸۲۷ھ) اس کا ایک نام الجامع الوجیز بھی ہے۔

## ۷۔فتاویٰ تاتارخانیہ

اسے عالم بن علائی (۶۸۶ھ) نے امیر تاتارخاں کے حکم سے لکھا یہ پانچ جلدوں میں ہے علامہ ابراہیم حلبی نے اسے مختصر کیا ہے۔

## ۸۔فتاویٰ ابی السعود

ازمفتی روم (۹۸۲ھ)

## ۹۔تنقیح فتاویٰ حامدیہ

متن از مولانا حامد بن محمد قونوی مفتی روم (۹۸۵ھ) علامہ ابن عابدین الشامی ۱۲۵۸ھ نے اُسے دو جلدوں میں مختصر کیا ہے اصل چار جلدوں میں تھا۔

## ۱۰۔فتاویٰ خیریہ

از علامہ خیر الدین الرملی (۱۰۸۱ھ) مصنف علامہ علاء الدین صاحب درمختار کے

استاد ہیں۔

۱۱۔شرح درمختار علامہ شامی اس کا اصل نام ردالمحتار ہے۔

## کتب مختلف انواع فقہ

فقہ کے بعض ابواب جیسے فرائض مناسک، امثلہ اور اصول ایسے اہم ابواب ہیں کہ ان پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں نامناسب نہ ہوگا کہ ہم ان میں سے بھی کچھ نام اس ترتیب سے ہدیہ ناظرین کردیں۔

### ۱۔علم الفرائض

۱۔فرائض الطحاوی (۳۲۱ھ)

۲۔فرائض سجاوندی (ھ)

از سراج الدین محمد بن محمد بن عبدالرشید اس کتاب (سراجی) کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں جن میں سب سے عمدہ شرح علامہ سید شریف الجرجانی (۸۱۴ھ) کی شرح شریفی ہے پھر اس شرح پر بھی کئی حواشی لکھے گئے۔

۳۔کتاب الفرائض لصاحب الہدایہ (۵۹۳ھ)

۴۔فرائض ترکمانی از احمد بن عثمان بن صبیح (۷۴۴ھ)

۵۔فرائض برکلی از محمد پیر علی (۹۸۱ھ)

۶۔ضوء السراج شرح سراجی از مولانا فضیل بن علی (۹۹۱ھ)

۷۔الرحیق المختوم لابن عابدین شامی (۱۲۵۸ھ)

۸۔النور الفائض فی علم الفرائض از مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)

### ۲۔المناسک

۱۔مناسک امام محمد بن حسن شیبانی (۱۸۲ھ)

۲۔عمدۃ المناسک فی مسائل المناسک لصاحب الہدایہ (۵۹۳ھ)

۳۔مناسک قاضی القضاۃ صدرالدین قاضی مصر (۶۷۷ھ)

۴۔مناسک نجم الدین ابراہیم الطرطوی (۷۵۸ھ)

۵۔مناسک ابن امیر الحاج محمد بن محمد حلی (۸۷۹ھ)

۶۔لباب المناسک للشیخ رحمۃ اللہ سندھی (   ھ)
۷۔بدایۃ السالک فی نہایۃ المناسک ملاعلی قاری (۱۰۱۴ھ)
۸۔شرح لباب المناسک لملاعلی قاری۔
۹۔مناسک ابن العماد عبدالرحمٰن ابن محمد (۱۰۵۱ھ)
۱۰۔زبدۃ المناسک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۵۳ھ)
۱۱۔شرح زبدۃ المناسک
۱۲۔معلم الحجاج

## ۳۔اشباہ وامثال

۱۔الاشباہ والنظائر لابن نجیم (۹۶۹ھ) ۲۔الاقسام والخصال لابی ذر الطرطوسی ۳۔حاشیہ اشباہ غمز عیون البصائر للحموی تصنیف (۱۰۹۷ھ)

یہ حاشیہ کلکتہ میں آٹھ سو صفحات کے قریب ضخامت میں ۱۲۶۰ھ میں شائع ہوا۔

ہم نے یہاں کتب فقہ کا تعارف ان کی مختلف اصناف وانواع سے کرایا ہے اور یہی کتابیں ان دنوں علماء احناف کے ہاں زیادہ متداول اور مشہور ہیں نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اب فقہ حنفی کی بعض اور کتب کا بھی تعارف کرادیں جنہیں ہم کتابوں کی پچھلی فہرست میں نہیں دے سکے ان میں بعض وہ بھی ہیں جو قلمی ہیں اور بعض کتب خانوں میں موجود ہیں بیشتر وہ کتابیں ہیں، جن کا ذکر ہمیں موجودہ فقہی مطولات میں ملتا ہے گو وہ اب تک علیحدہ شائع نہیں ہو پائیں یہ تیس اور کتابوں کا تذکرہ ہدیہ قارئین ہے۔ وبہ تتم الصالحات

۱۔نور الطحاوی (۳۲۱ھ) یہ عظیم فقہی ذخیرہ دس جلدوں میں ہے۔
۲۔جامع کبیر بلخی یہ ابوالحسن عبیداللہ الکرخی (۳۴۰ھ) کی تالیف ہے۔
۳۔خزانۃ الفقہ
۴۔حصر المسائل     یہ تینوں فقیہ ابواللیث سمرقندی (۳۷۳ھ) کی تالیفات ہیں۔
۵۔فتاوی سمرقندی
۶۔فتاوی اسبیجابی از ابوالنصر احمد بن منصور (۴۸۰ھ) صاحب ہدایہ کے استاد تھے۔
۷۔جامع کبیر از بزدوی (۴۸۲ھ) فخر الاسلام بزدوی اصولی کی تالیف۔

۸۔خزانۃ الاکمل از ابو یعقوب یوسف بن علی الجرجانی (۵۲۱ھ) یہ چھ جلدوں میں ہے۔

۹۔الحاوی الحصیری (۵۰۰ھ) حصیری شمس الائمہ سرخسی کے شاگرد تھے۔

۱۰۔فتاویٰ کبریٰ لصدر الشہید (۵۳۶ھ)

۱۱۔جوامع الفقہ ابونصر احمد بن محمد عتابی (۶۸۵ھ)

۱۲۔الحاوی القدسی از قاضی جمال الدین احمد بن محمد (۶۰۰ھ) الحاوی کے نام سے کئی کتابیں ہیں۔

۱۳۔یتیمہ الدہر فی فتاوی العصر از علامہ علاؤالدین (۶۴۵ھ)

۱۴۔الوافی از علامہ نسفی (۷۱۰ھ) الکافی اس کی شرح ہے

۱۵۔کنز المفتین از حسین بن محمد السمعانی (۷۳۰ھ)

۱۶۔معراج الدرایہ فی شرح الہدایہ (۷۴۵ھ)

۱۷۔غایۃ البیان شرح ہدایہ امیر اتقانی (۷۷۵ھ) کی تالیف ہے۔

۱۸۔غنیۃ الفتاویٰ مفتی روم مولانا محمد بن القونوی (۷۷۰ھ)

۱۹۔شرح ہدایہ للطرطوسی (۷۹۸ھ) پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔

۲۰۔جامع الفصولین از شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل (۸۲۳ھ) مصنف میر سید شریف کے ہم سبق ہیں انہوں نے فصول عمادی اور فصول استروشنی کو جمع کیا ہے۔

۲۱۔رمز الحقائق شرح کنز الدقائق للعلامۃ العینی (۸۵۵ھ) اس کی تلخیص حاشیہ کی صورت میں کنز پر موجود ہے۔

۲۲۔شرح درر البحار از علامہ قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) یہ ابن ہمام کے شاگرد تھے۔

۲۳۔درر الحکام فی شرح غرر الاحکام (۸۸۵ھ) کی تالیف ہے استنبول سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اس متن کا ایک حاشیہ علامہ شرنبلالی نے بھی لکھا ہے۔

۲۵۔الذخائر الاشرفیہ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن شحنۃ (۹۲۱ھ) ابن نجیم نے الاشباہ کے فن رابع میں بیشتر اسی کا انتخاب کیا ہے۔

۲۶۔جامع الرموز یہ نقایہ کی شرح ہے از شمس الدین القہستانی (۹۶۲ھ)

۲۷۔جامع المسائل للشیخ شمس الدین اختری (۹۶۸ھ)

۲۸۔شرح نقایہ از ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے اس کا اصل نام فتح باب عنایہ ہے

۲۹۔درر الکنوز از حسن بن عمار الشرنبلالی (۱۰۶۹ھ)

۳۰۔فتاوی الانقروی از شیخ محمد الحسینی (۱۰۹۸ھ) مصنف کے انقرہ میں دیئے گئے فتاوی کا مجموعہ ہے۔

## فقہ کی کتابیں منظوم پیرایہ میں

قرون گذشتہ میں فقہاء اس فن میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے کہ انہوں نے اس فن کو شعر کا لباس بھی پہنا دیا اور کئی کتابیں نظم میں ترتیب دیں ہم یہاں چند کا ذکر کرتے ہیں:۔

۱۔حضرت امام محمد کی کتاب الجامع الکبیر کو ابن الفصیح الترکمانی (۷۷۴ھ) نے نظم کیا اور طلبہ اسے شوق سے یاد کرتے تھے۔

۲۔درر البحار الزاہرہ علامہ عینی کے بیٹے نے چار ہزار ایک سو چھیانوے اشعار میں اسے نقل کیا۔

۳۔شرح درر البحار عبدالوہاب بن احمد بن وہبان (۷۶۸ھ) نے اسے منظوم وہبانیہ میں مرتب کیا ہے۔

۴۔البحار الزاخرہ لابن المحاسن حسام الدین الرہاوی نے درر البحار کی شرح قاسم بن قطلو بغا کو اشعار میں پیش کیا ہے۔

۵۔فتاوی جلالیہ از جلال الدین احمد بن یوسف۔ مؤلف نے فقہ چار جلدوں میں اس کو بہ پیرائیہ نظم لکھا ہے۔

## فقہ کی کتابیں فارسی میں

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں چند وہ کتب بھی ذکر کردیں جو فقہاء نے فارسی زبان میں تالیف کیں اس سلسلہ میں بہت سے تراجم بھی ذکر کیے جاسکتے ہیں:۔

۱۔ذخیرۃ الملوک میر سید علی بن شہاب ہمدانی اس کی ایک جلد جونپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲۔نقایہ کی فارسی شرح از مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی (۸۹۸ھ)

۳۔فارسی شرح ہدایہ از علمائے کلکتہ

۴۔مالابدمنہ از قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۷ھ) اس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۵۔فتاوی عزیزی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)

۶۔فتاویٰ برہنہ

## فقہ حنفی کے اردو تراجم

ا۔غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار

۲۔عین الہدایہ اردو ترجمہ وشرح ہدایہ ازمولانا امیر علی (صاحب تفسیر مواہب الرحمٰن)

۳۔نور الہدایہ اردو ترجمہ شرح وقایہ ازمولانا وحید الزمان حیدرآبادی

۴۔اردو ترجمہ فتاویٰ عالمگیری کامل ۱۰ جلد ازمولانا امیر علی صاحب

۵۔التصیح النوری اردو ترجمہ مختصر القدوری

۶۔معدن الحقائق اردو ترجمہ کنز الدقائق ازمولانا محمد حنیف گنگوہی

## ہندوستان کی پہلے دور کی کتب فقہ

اسلام ہندوستان میں باقاعدہ صورت میں سلطان محمود غزنوی (۴۲۱ھ) کے دور میں آیا سلطان محمود غزنوی حنفی مسلک کے تھے اور فقہ حنفی کے بلند مرتبہ عالم تھے فقہ کی کتاب التفرید انہی کی تصنیف ہے ان کے اثرات ہندوستان پر دیر تک چھائے رہے ہم یہاں پہلے دور کی چند کتب فتاویٰ کا ذکر کرتے ہیں:۔

### ا۔فتاویٰ قاری الہدایہ

یہ علامہ سراج الدین عمر بن اسحٰق غزنوی ہندی (۸۲۹ھ) کی تصنیف ہے یہ علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) کے بھی استاد تھے برصغیر پاک وہند کو ان کی شخصیت پر بڑا ناز ہے۔

### ۲۔فتاویٰ ابراہیم شاہی

یہ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الملقب بقاضی نظام الدین جونپوری (۸۷۵ھ) کی تالیف ہے آپ نے علاقہ گجرات میں تعلیم پائی سلطان عادل ابراہیم نے آپ کو جونپور کا قاضی مقرر کیا یہ فتاوی ہندوستان کے بعض کتب خانوں میں قلمی صورت میں محفوظ ہے

## ۳۔فتاویٰ ارشادیہ

یہ مولانا ارشاد حسین رامپوری کی تصنیف ہے یہ ضخیم فتاویٰ کئی جلدوں میں ہے برصغیر کے بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔

## ۴۔فتاویٰ شرفیہ

مولانا شرف الدین رامپوری کی تصنیف ہے ابھی تک طبع نہیں ہو سکا یہ رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے۔

## ۵۔فتاویٰ حمادیہ

مولانا ابوالفتح رکن الدین مفتی ناگور کی تصنیف ہے ۱۲۴۱ھ میں کلکتہ میں اسکی دوجلدیں شائع ہوئی تھیں۔

## ۶۔خزانۃ الروایات

قاضی جکن ہندوستان کے علاقہ گجرات کے تھے یہ کتاب قلمی ہے اوررامپور کے کتب خانے میں موجود ہے

## ۷۔زینۃ المصلی

مولانا کرامت اللہ جونپوری (۱۲۹۰ھ)

## ۸۔شامل الغزنوی

ابوحفص سراج الدین عمر بن اسحٰق (۷۷۳ھ)

ان کتب فتاویٰ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں ان دنوں علم فقہ اپنے پورے عروج پر تھا وکفی باللہ شھیدا

## فقہ کے انسائیکلو پیڈیا

قانونی ضرورات نے فقہ کے کچھ انسائیکلوپیڈیا بھی مرتب کیے ہیں اسلامی عدالتوں کو عالمی سطح پر ان کی ضرورت پڑتی ہے ہم یہاں صرف دوکاذکر کرتے ہیں:۔

## ۱۔موسوعۃ الفقہ الاسلامی المعروف موسوعہ جمال عبدالناصر الفقیہ

اسے جمہوریہ مصر کی وزارت انصاف نے ۱۴۰۸ھ المطابق ۱۹۸۸ء میں قاہرہ سے

شائع کیا ہے اس کی کل بیس جلدیں ہیں دو دو جلدیں ایک مجلد میں ہیں اس طرح دس مجلدات میں یہ کتاب مکمل ہوئی ہے

۲۔ الموسوعۃ الفقہیہ

اس کی تقریباً تیس جلدیں لکھی جا چکی ہیں اسے حکومت کویت کے ادارہ معارف نے شائع کیا ہے اس کی دو جلدوں کا قصور کے حضرت مولانا محمد طیب ہمدانی نے اردو ترجمہ کیا ہے جو ابھی شائع نہیں ہو سکا علماء کی ایک بڑی جماعت اس کی ترتیب میں شامل رہی جس میں ظہران یونیورسٹی (سعودی عرب) کے نامور پروفیسر محمد رواس قلعجی بھی ہیں۔

پروفیسر محمد رواس قلعجی نے فقہ ابی بکر، فقہ عمر، فقہ عثمان، فقہ علی اور فقہ عبداللہ بن مسعود کے نام سے پانچ اور کتابیں بھی لکھی ہیں جنہیں دور اول کی فقہ کے نام سے پوری تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اس دور کے ذخیرہ فقہ میں ملا عبدالرحمن الجزیری کی شہرۂ آفاق کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ (طبع استنبول ۱۴۰۳ھ) قابل اعتماد فقہ کی کتاب ہے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے یہ فقہی ذخیرہ اس لائق ہے کہ ہر پڑھے لکھے گھر میں رہے۔

# دنیائے مذاہب میں سب سے بڑے کتب خانے فقہی مذاہب کی وسعتوں سے وجود میں آئے

**الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!**

دنیا کے مشہور مذاہب میں ہر ایک اپنے ہاں آسمانی کتابوں کا دعویدار ہے آسمانی کتابیں ہر ایک کے ہاں الٰہی ہدایت نامہ سمجھی جاتی ہیں ہر ایک کے عقیدے میں یہی وہ علمی خزانہ ہے جس سے ان کا مذاہب آگے چلتا ہے پھر ان کتابوں پر ان امتوں کی ایک اپنی عملی تاریخ ہے اسے ان کے آداب عبادات اور رسم ورواج کہتے ہیں ہر ایک کا علمی کتب خانہ ایک کتاب اور اس کے حاشیے کی چند کتابوں سے زیادہ نہیں تورات کے ساتھ تالمود۔ ویدوں کے ساتھ اپنشد اور شاستر اوستا کے ساتھ ژند اور پاژند اور۔ انجیل کے ساتھ اناجیل اربعہ رسول کے اعمال اور چند مکاشفات چلے ان سب میں مسلمانوں کا دینی علم بھاری رہا اور قرآن کریم کے ساتھ ساتھ اس علمی خزانہ کا عملی نقش چلا جس نے آگے بڑھ کر کتب احادیث کی شکل اختیار کرلی اور امت اس پر مامور رہی کہ احادیث میں سنت کی تلاش کرے اور اس پر عمل پیرا ہو پھر مسلمان اپنے مذہبی کتب خانوں میں پوری دنیا کے مذاہب سے اس طرح بھی آگے نکلے کہ انہوں نے فقہ پر اور پھر اس کے حاشیہ در حاشیہ پر سینکڑوں اور ہزاروں کتابیں لکھ ڈالیں یہ سب اجتہاد کی بدولت تھا۔

## ہر مذہب کے اپنے علمی کتب خانے

دنیا میں آپ کو ہر بڑی لائبریری میں **Religion** کی ایک شاخ ملے گی پھر اس میں ہر مذہب پر لکھی گئی کتابیں ملیں گی اور ہر مذہب کے اپنے علمی کتب خانے ہیں اس پہلو سے اگر آپ دیکھیں تو صرف ایک ایسا دین ملے گا جس پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں اور

اس میں بھی اس کے ان پہلوؤں پر جن کا تعلق قانون اور اس کے عدالتی نظام سے ہے یہاں تک کہ دین اسلام پر مستقل بڑی بڑی لائبریریاں قائم ہوئیں اور مسلمانوں نے قرون اولیٰ میں سائنس اور دیگر فنون کے جن جن گوشوں پر کام کیا وہ سب دستاویزات بھی ان علمی خزانوں کی رونق بنیں اور مسلمانوں کے علمی کتب خانے دیگر سب قوموں کے کتب خانوں سے بڑھ گئے اگر اسلام کے علم فقہ کا یہ پھیلاؤ نہ ہوتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔

## علم اسلامی کے پھیلاؤ کی وجوہات

اسلام میں حضور اکرمؐ کے بعد کسی اور نبی کی آمد نہیں آپ خاتم النبیین ہیں سو آپ کا دین (قرآن وسنت) قیامت تک کے لیے بنی نوع انسان کی راہنمائی کی قوت رکھتا ہے اس عقیدہ کی وجہ سے آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی جملہ روایات کو محفوظ کیا گیا انہیں آگے روایت کیا اور اور کتابوں میں لکھا اور دیکھتے دیکھتے قرآن کے گرد حدیث کی بہت سی کتابیں جمع ہو گئیں۔

دینی علوم میں ایک نئے علم کا اضافہ ہوا پہلے انبیاء کے دور میں ان کی روایات محفوظ کرنے کا یہ طور نہ تھا جب ایک نبی کی تعلیمات ناپید ہو جاتیں تو اللہ تعالیٰ اور نبی بھیج دیتے لیکن خاتم النبیینؐ کی آمد پر آپ اور آپ کے صحابہؓ کی تعلیم کا محفوظ کیا جانا ناگزیر تھا اس ضرورت نے قرآن کریم کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی ضرورت پیدا کی اور علم حدیث سے علم اسناد کا ایک نیا باب کھلا پھر مراد حدیث معلوم کرنے اور اس سے صحیح نتائج حاصل کرنے کے لیے شروح حدیث کے ایک اور باب کا اضافہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے علم اسلام ہزاروں کتابوں تک جا پہنچا جس میں علم تفسیر علم حدیث اسماء الرجال اور شرح حدیث کے اچھلتے سمندر موجزن تھے۔

یہ ان مسائل کا تحفظ تھا جو کتاب وسنت میں منصوص ملے صحابہؓ کے فتاوی اور فیصلے بھی ان تمام ضرورات کو محیط نہ ہو سکتے تھے جو امت مسلمہ کو قیامت تک پیش آنے والی تھیں سوان سمندروں کی گہرائی میں اترنا اور بطریق استنباط غیر منصوص مسائل کا حل دریافت کرنا ان اصولوں کو منضبط اور منقح کرنا جن کے تحت قرآن وسنت سے ان نئے نئے مسائل کا استخراج کیا جا سکے بہت ضروری تھا تابعین کرام امام ابراہیم نخعیؒ (۹۲ھ) قاسم بن محمدؒ (۱۰۷ھ) سالم بن عبداللہؒ (۱۰۶ھ) حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) جیسے بہت سے مجتہدین ان گہرے

سمندروں میں اترے اور لاکھوں نئے مسائل ان پرانے ماخذوں سے دریافت کیے لیکن اسلام کو اس کے پورے اصول وفروع کے ساتھ منضبط کرنے کا کام اور اسے بطور ایک ابدی قانون زندگی مرتب کرنا ابھی باقی تھا۔

اس باب میں پہل حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کی پھر حضرت امام مالکؒ، حضرت امام سفیان ثوریؒ، حضرت امام زفرؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام لیث مصریؒ، حضرت امام محمدؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام احمدؒ اس میدان میں آگے بڑھے یہاں تک کہ فقہ اسلام کے کروڑوں نئے مسائل مرتب ہو گئے اور اسلامی لائبریریوں میں جب کتب فقہ کا اضافہ ہوا اور ان کی شروح در شروح ماہرین قانون کے سامنے آئیں تو یہی علوم اسلامی دنیا کی سب سے بڑی لائبریری بن گئے ازہر (مصر) بغداد، قرطبہ، دمشق، مشہد اور دہلی کے اسلامی کتب خانے اسی علم اسلام کا ایک تاریخی فطری پھیلاؤ تھے علم اصول نے ان سب کو ایک نظام میں مربط کر دیا تھا اور یہ ان کا ایک فکری پیرایہ تھا۔

## علماء کا علمی ذوق اور وسعت ظرفی

یہ وہ وجوہات ہیں جو علم اسلام کے وسیع پھیلاؤ کا موجب ہوئیں آیئے ہم ان بڑے بڑے علماء کی زندگیوں اور ان کے علمی کارناموں کا بھی ایک جائزہ لیں جو علم اسلام کے ان کے وسیع اور عمیق سمندروں کے کامیاب شناور رہے اور اس خوبی اور حسن تدبیر سے وہ سمندروں میں اترے کہ ان کا اختلاف انہیں آپس میں نہ لڑا سکا وہ اپنی پوری علمی کاوشوں کے باوجود دوسروں کی تضلیل وتفسیق سے پوری طرح بچے رہے جو اختلاف بھی سامنے آیا اسے ایک مجتہد کے اختلاف کا درجہ دیا جس میں مخطی بھی اللہ کے ہاں ایک اجر پاتا ہے وہ مختلف مسالک پر عمل پیرا ہونے کے باوجود فرقہ فرقہ نہ ہوئے اور بطور فرقہ ان سب کا ایک ہی (Tital) ٹائٹل رہا ہے اہل السنۃ والجماعۃ تہتر فرقوں میں یہ سب ایک فرقہ تھے جو حضورؐ کی سنت اور صحابہؓ کی جماعت کو ساتھ لے کر چلا ہے یہ روافض وخوارج معتزلہ اور کرامیہ اور مرجئہ کے خلاف تو بے شک ایک فرقہ تھے لیکن آپس میں بطور حنفی، شافعی مالکی اور حنبلی یہ چار فرقے نہ بنے چاروں ایک ہی رہے فروعات کی یہ چار راہیں انہیں چار فرقے نہ بنا سکیں۔

ان چاروں راہوں میں بڑے بڑے جبال العلم (علم کے پہاڑ) چلے اور ان گہرے سمندروں میں بڑے بڑے شناور اترے حدیث وفقہ کی ضخیم کتابوں کو اگر گہری نظر سے دیکھیں اور ان کو ان کے باہمی اختلافی مسائل میں اتر کر دیکھیں اگر انہیں ایک دوسرے کے خلاف استدلال کرتے ملاحظہ کریں تو انہیں کہیں ایک دوسرے کی تفسیق و تضلیل کرتا نہ پائیں گے بخلاف ان ہمارے دور کے غیر مقلدین کے کہ ان میں دوسرے مذاہب کو ساتھ لے کر نکلنے اور انہیں اختلاف اجتہاد کا حق دینے کی کوئی ہمت نہیں ہے اور ان میں مسائل میں تطبیق پیدا کرنے کا اسلاف کا سارنگ کہیں نظر نہ آئے گا بس یہی معلوم ہوگا کہ صحابہؓ اور تابعینؒ جس طرح ایک دوسرے کے اختلافات نہایت وسعت قلبی کے ساتھ برداشت کرتے تھے ان کے تنگ سینوں میں وہ وسعت ظرفی کسی درجے میں موجود نہیں ہے وہ فروعی مسائل کے امتیاز سے ایک علیحدہ فرقہ بنانا بھی جائز سمجھتے ہیں اور ایک فرقہ بننے کو اپنی انتہائی کامیابی جانتے ہیں۔

برین عقل و دانش بباید گریست

اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ سلف صالحین میں اس فرقے کا نام تک نہ تھا لوگ یا عالم اور مجتہد ہوئے تھے یا پھر ان کے مقلدین تھے غیر مقلدین کے نام پر کوئی تیسرا گروہ (جو نہ عالم لوگوں کا ہو نہ مقلدین کا) اس وقت موجود نہ تھا اس دور کے غیر مقلدین جو نہ عالم ہوتے ہیں نہ مقلد اپنے آپ کو محققین اور محدثین کہہ کر دن رات جھوٹ بولتے ہیں اور اہل سنت کہلاتے ہیں یہ گروہ قرون اولیٰ میں ہرگز موجود نہ تھا اس لیے ان لوگوں کا اس دور میں اہلحدیث کے نام سے اپنا فرقہ وارانہ امتیاز پیدا کرنا اور اپنی علیحدہ مسجدیں بنانا یہ صرف بیسویں صدی عیسوی کی ایجاد ہے اس سے قبل کہیں اس فرقے کی نہ علیحدہ کوئی جماعت تھی نہ کوئی مسجد اور نہ کہیں کچھ عوام دنیا کے کسی ملک میں اس نام سے منسوب ہوتے تھے۔

مسالک اربعہ کی آپس میں رواداری اور ان غیر مقلدین کے ہاں مقلدین بالخصوص حنفیوں کی دلآزاری یہ وہ جوہری فرق ہے جو اہلحدیث کہلانے والے غیر مقلدین کو مذاہب اربعہ سے جدا کرتا ہے یہ مسالک اربعہ آپس میں سے کسی کو گمراہ نہیں کہتے اور یہ غیر مقلد کھلے بندوں مقلدین کی تضلیل کرتے ہیں، انہیں اہل حق میں سے نہیں سمجھتے اور یہ محض اس لیے کہ یہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے کہتے ہیں کہ اس طرح حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی۔

مذاہب اربعہ کے ہزار سال کے ایسے اختلافات امت پر وہ بوجھ نہیں بنے جس قدر یہ لوگ اپنی ستر سالہ تاریخ میں پوری امت پر گرانبار ہوگئے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ (جو بلا تاریخ سابق اپنے لیے سلفی کا لقب اختیار کیے ہوئے ہیں) مولانا غلام اللہ خاں مرحوم مولانا محمد طاہر پنج پیری اور مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> مولوی حسین علی صاحب کے مریدوں میں توحید کی حمایت اور اہل توحید سے محبت تو ہے لیکن بعض کو سنت سے بہت زیادہ بغض ہے مدرسہ دیوبند میں اختلاف کے ساتھ جو چیز مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے وہ اہل حدیث سے بغض ہے۔ (منقول از تقریظات نتائج التقلید ص)

یہ علماء غیر مقلدین کی زبان ہے وما تخفی صدورھم اکبر ان کے دلوں میں مسالک اربعہ کے خلاف جو بوجھ ہے وہ خدا ہی جانتا ہے اب ان کے بالمقابل امام بخاریؒ کو دیکھئے آپ قرأت خلف الامام میں پوری امت میں متشدد سمجھے گئے ہیں (واشار الیہ الترمذی فی جامعہ) آپ کے جلیل القدر استاد امام احمد بن حنبلؒ (بیشتر سعودی مشائخ ان کے مقلد ہیں) فرماتے ہیں کہ حدیث لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اکیلے نمازی کے بارے میں ہے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے بارے میں نہیں ہے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے حضرت امام بخاری کے ایک دوسرے استاد سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) بھی یہی کہتے ہیں۔

اب آپ کو امام بخاریؒ کے ہاں یہ قول کہ امام احمدؒ کو سنت سے بغض تھا یا یہ کہ وہ یہ فتویٰ دے کر گمراہ ہو گئے ہیں کہیں نہ ملے گا اسی طرح امام شافعیؒ فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے تھے مگر ان کے استاد امام محمدؒ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کے قائل تھے انہوں نے بھی (امام شافعیؒ نے) اپنے استاد کے متعلق کبھی نہ کہا کہ انہیں سنت سے بغض تھا یا یہ کہ وہ دیدہ دانستہ حدیث کے خلاف پر تلے ہوئے ہیں امام فی الحدیث امام سفیان ثوریؒ جو محمد بن کثیر کے واسطہ سے حضرت امام بخاریؒ کے استاد ہیں رکوع جاتے وقت رفع یدین نہ کرتے کما نص علیہ الترمذی مگر امام بخاریؒ نے ان پر کہیں اس قسم کے ریمارک Remark نہ کسے کہ انہیں سنت

سے بغض تھا مگر انصاف دنیا سے رخصت نہیں ہوگیا تو کیا کوئی انصاف پسند یہ کہتا ہے کہ ہمارے کرم فرما مولانا محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) محدثین کے مذہب پر ہیں؟ اورانہیں دوسرے مسالک کو برداشت کرنا آتا ہے؟

شجر سے فرق آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے نکلواتا ہے جو آدم کو جنت سے

تحقیقات حدیث میں اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کے خلاف بغض کا یہ لاوا جو مولانا محمد اسماعیل اوران کے ہم خیال لوگ دن رات اگلتے ہیں امت کے لیے ہرگز کوئی اتحاد کا پلیٹ فارم مہیا نہیں کرسکتا اتحاد امت کی راہ آپ کواسی رواداری میں ملے گی جوسواداعظم اہل السنۃ والجماعۃ کے چاروں مذاہب نے آپس میں اختلاف کے باوجود قائم کررکھی ہے ایک دوسرے کے مسلک کواجتہاد کا اختلاف سمجھتے ہیں کتاب وسنت سے بغض نہیں گردانتے اورایک دوسرے کے اماموں کومجتہد کے درجے میں امام تسلیم کرتے رہے ہیں ان میں سے کسی نے کسی کے بارے میں نہ کہا کہ وہ تو مجتہد نہ تھا مقلدین کسی مسلک کے بھی ہوں وہ دوسرے ائمہ کے اقوال واجتہادات کوبرابر ذکر کرتے ہیں اورائمہ اربعہ کی علمی امامت سے ان حضرات میں سے کبھی کسی نے اختلاف نہیں کیا کسی مسلک کے کسی مقلد نے جوش بیان میں کبھی کسی کیخلاف کوئی بات لکھ بھی دی تو بعد کے آنے والے علماء نے اس پر تنقید کی تاہم اس بات سے کسی کوانکار نہ ہوگا کہ ایسی باتیں متاخرین کواپنے قدماء کے کلام میں دوچار سے زیادہ نہ ملیں گی۔

ہمارے ہاں یہ محدثین وفقہاء جو ہزار سال کے قریب پوری دنیائے اسلام پر چھائے رہے اپنے اپنے مسلک کے مقتدر عالم سمجھے جاتے ہیں اورانہی کے فتوؤں اورانہی کی کتابوں پراس راہ کے سالکین چلے ان کے باہمی ربط وتعلق ایک دوسرے کوبرداشت کرنے کی وسعت علمی عبقریت اورحضرت امام اعظمؒ کی زبردست قوت استدلال کوتسلیم کرنے میں آپ کو ان میں باہمی کوئی فرق یافاصلہ نہ ملے گا۔

عہد حاضر کے اہلحدیث کہلانے والوں میں سے اگر کسی میں مسالک اربعہ کے ربط وتعلق اورقوت برداشت کی جھلک ملے گی تو وہ امرتسر کے حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی تھے اوراب یہ رنگ اگرکسی میں باقی ہے تو وہ ان کے صاحبزادہ مولانا محمد داؤد غزنوی اوران کے

خاندان کے لوگ ہیں۔

## مقلدین کا نظریہ تقلید علمی تلاش میں کبھی رکاوٹ نہیں بنا

مقلدین کے ہاں پہلے علمی ماخذ ہمیشہ سے کتاب وسنت رہے ہیں کوئی فقہ اور کوئی اجتہاد کتاب وسنت کی برابری نہیں کرسکتا ہاں سنت میں اگر کہیں متعارض روایات ملیں اور ان میں تقدیم وتاخیر بھی قطعی درجے میں معلوم نہ ہو تو ان مسائل میں صحابہؓ میں بھی ہر عالم اعلم کی طرف رجوع کرتا نظر آتا ہے اور اسی طرح اسلام کی علمی تاریخ چلتی آرہی ہے۔

بایں ہمہ مقلدین میں سے کسی کے ہاں امام کا درجہ شارع کا نہیں سمجھا جاتا نہ کسی کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ مجھے آخرت میں یہ سوال ہوگا کہ تم نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ یا فلاں امام کی فلاں بات کیوں نہیں مانی یہ سب ائمہ علم ہیں جو محض اس لیے پیشوا مانے گئے ہیں کہ یہ ہمیں کتاب وسنت کے قریب کرنے والے اور کتاب وسنت کے سمندر میں اتر کر ان کے مسائل غیر منصوصہ کو دریافت کرنے والے تھے اور ہم ان مسائل میں ان کے پیرو ہیں اور حنفی فقہ تو ہے ہی ایک شورائی فقہ جس میں کسی کی شخصی پیروی کا کوئی گمان تک نہیں رہتا۔

ان سب کے باوجود مقلدین کے ہاں علمی تلاش میں کبھی کوئی کمی روا نہیں رکھی گئی اور نہ کسی پر مزید تحصیل علم اور تحقیق کا دروازہ بند کیا گیا ہے یہ علامہ عینیؒ مقلد ہیں جو صحیح بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور ایک ایک حدیث کی پڑتال کررہے ہیں ایک ایک حدیث کی مراد معلوم کررہے ہیں اسی طرح حافظ ابن حجر شافعیؒ مقلد ہیں مگر علم حدیث کے گہرے شناور ہیں اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا کہ امام شافعیؒ کی بات اعتماداً مان لینے کے بعد اب انہیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں تو آپ ہی بتلائیں انہوں نے فتح الباری کیوں لکھی؟

امام ابن ہمامؒ کو لیجیے اس قدر اونچے محدث ہیں کہ اجتہاد کے درجے پر سرفراز نظر آتے ہیں مگر علم حدیث کے کس پایہ کے محقق ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں۔ امام نوویؒ کو دیکھئے امام شافعیؒ کے پختہ مقلد ہیں مگر حدیث کے کتنے بڑے متبحر عالم ہیں۔

یہ صورت حال بتلا رہی ہے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید ان اعیان علم کو کتاب وسنت کی مزید تحقیقات سے کبھی روک نہیں سکی انہیں جب کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ائمہ کی بلا طلب دلیل

پیروی کرتے ہیں تو اس سے مراد وہ خاص دلیل ہے جس کی بنا پر اس امام نے وہ بات کہی اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس مسئلے پر اور دوسرے دلائل میں بھی کبھی نہیں اترتے یا ان دوسرے دلائل سے وہ اپنے تقلید کے موقف کی کہیں تائید نہیں کر پاتے تقلید کوئی مرتبہ جہل کا نام نہیں کہ اب مقلدین کے آگے مزید تحقیقات کے دروازے بند سمجھے جائیں اگر ایسا ہوتا تو حافظ ابن حجر شافعی، حافظ بدر الدین عینی حنفی، حافظ ابن ہمام حنفی اور حافظ جلال الدین سیوطی شافعی کبھی حدیث وفقہ کی اتنی گہرائیوں میں نہ اترتے جو ہمیں آج ان کی ضخیم کتابوں میں ملتی ہیں الحمدللہ آج اسلامی کتب خانے اگر آباد ہیں تو انہیں مقلدین کی علمی تحقیقات سے جنھوں نے اولاً تو اپنے امام پر اعتماد کر کے مسائل غیر منصوصہ اور مسائل منصوصہ متعارضہ غیر معلومۃ التقدیم والتاخیر میں اس کے فیصلوں اور فتووں کو بلا اعتماد طلب دلیل قبول کیا اور بعد ازاں حدیث وفقہ کے گہرے سمندروں سے علم وتحقیق کے مزید وہ جواہر جمع کیے جن سے انہیں اپنے تقلیدی مسائل پر مزید توثیق ملی اور صحابہؓ کے اختلاف کو برداشت کرنے اور ائمہ اربعہ کی تقلید میں وسعت عمل کی وہ راہیں ملیں جس نے امت کو ان اختلافات کے باوجود اہل السنۃ والجماعۃ کی ایک لڑی میں پروئے رکھا اور مسالک اربعہ کے مقلدین آپس میں ہزاروں اختلافات کے باوجود علیحدہ علیحدہ فرقے نہ بنے صحابہ اپنے بعض فقہی اختلاف کے باوجود حضور کی نظر میں سب ایک پلیٹ فارم پر تھے ورنہ حضور اکرمؐ کے ارشاد ما انا علیہ واصحابی میں کوئی رہنمائی رہی نہ ہوئی۔

اس پس منظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر دنیائے مذاہب میں اسلام کے کتب خانے باقی سب مذاہب کے مذہبی کتب خانوں سے بڑے ہیں تو اس کی وجہ علم اسلام کی استنباط واستخراج کی راہ سے فقہ کی وہ تحقیقات ہیں جن کی مثال دنیا کے اور کسی مذہب میں نہ ملے گی۔

اسلامی کتب خانوں کی یہ تاریخ اور تفصیل جو ہم نے لکھی ہے یہ ان کتابوں کے علاوہ سے جو اسلام کے دوسرے بڑے بڑے اہم عنوانات پر لکھی گئیں علم تاریخ علم ادب نقد النثر نقد الشعر اور لغت کے بڑے بڑے ذخیرے ان کے علاوہ ہیں سیرت کی کتابیں صحابہؓ کرام پر لکھی گئی کتب سیرت ائمہ محدثین اور فقہا پر لکھے گئے تذکرے پھر معتزلہ وکرامیہ روافض وخوارج قادیانیوں اور عیسائیوں بہائیوں اور اسماعیلیوں پر لکھی گئی کتابیں مختصر ومطول ان کے علاوہ ہیں ان سب علمی کاوشوں پر نظر کرتے ہوئے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ

مسالک اربعہ کے مقلدین صرف اپنے اپنے ابواب فقہیہ میں بند نہیں رہے مختلف علوم کی منجدھاروں میں انہوں نے وہ غوطے کھائے اور اتنی کامیابی اور سرخروئی سے یہ ان سمندروں پر تیرے کہ تقلید کسی مرتبہ جہل کا نام نہ رہا یہ اس سڑک کا نام ہوگیا جو عہد صحابہؓ سے علم کے انہی پیمانوں سے مسلسل چلی آرہی ہے جو علماء کے پاس پڑھنے اور پڑھانے کے ہیں اور ہم ہر نماز میں خدا سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ'' ہمیں انہی لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ صرف انبیاء نہیں ان میں کئی دوسرے بھی ہیں جو ہمہ تن اللہ کے آگے جھکے ہوئے اورانابت کی دولت پائے ہوئے تھے اور قرآن کریم کا حکم واتبع سبیل من اناب الی (پ۲۱،لقمان ۱۵) ان سب کو شامل ہے۔

جن حضرات کی مخلصانہ کوشش سے فقہ وحدیث کے یہ علمی چشمے امت میں جاری ہوئے اور ان میں ایک دوسرے کے لیے وسیع قوت برداشت تھی نامناسب نہ ہوگا کہ ہم ان کے کچھ اسماء گرامی بھی ذکر کردیں جو ہمارے ان کتب خانوں کی وسعت کا موجب ہوئے پہلی چار صدیوں کے اکابر تمام مسالک کا مشترکہ سرمایہ علمی ہیں اس لیے ہم ان کے بعد پانچویں صدی سے ہر مسلک کے کچھ اسماء کا ذکر کرتے ہیں اور ہماری طرف سے ان اکابر اہل اسلام کو بلاامتیاز مسلک ایک نیازمندانہ خراج تحسین ہے۔

## ا۔حضرات مالکیہ کے اکابر اہل علم

جو اس امت کی علمی کشتی گہرے سمندروں میں کھیلتے رہے اور باوجود اپنے ممتاز مسلک کے دیگر سب علماء کے ساتھ مل جل کر رہے اور انہیں اپنے ساتھ ایک دائرہ (اہل السنۃ والجماعۃ) میں رکھا اور سمجھا:۔

ا۔شیخ ابوالحسن علی ابن بطال البکری القرطبی (۴۴۹ھ)

۲۔حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ)

۳۔علامہ ابوالولید الباجی المالکی (۴۹۴ھ)

۴۔شیخ ابوالفضل قاضی عیاض بن موسی سبتی (۵۴۴ھ)

۵۔قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی (۵۴۶ھ)

۶۔علامہ ابوالولید محمد بن احمد المعروف بابن رشد (۵۹۵ھ)

۷۔امام عبداللہ محمد بن احمد انصاری القرطبی (۶۷۱ھ)

۸۔علامہ ابواسحٰق ابراہیم بن موسے الشاطبی (۷۹۰ھ)

۹۔علامہ ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون (۸۰۸ھ)

۱۰۔علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الرزقانی (۱۱۲۲ھ)

۱۱۔الشیخ العلامہ الشنقیطی (۱۳۹۳ھ)

## ۲۔حضرات شافعیہ کے اکابر اہل علم

۱۔امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ھ)

۲۔علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (۴۶۳ھ)

۳۔امام محمد بن محمد ابوحامد الغزالی (۵۰۵ھ)

۴۔امام محمد بن عمر بن الحسین المعروف فخر الدین الرازی (۶۰۶ھ)

۵۔حافظ ذکی الدین ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (۶۵۶ھ)

۶۔امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین النووی (۶۷۶ھ)

۷۔امام حافظ اسماعیل بن عمر المعروف بابن کثیر (۷۷۴ھ)

۸۔حافظ ابوزرعہ الدمشقی (۸۲۶ھ)

۹۔حافظ شہاب الدین احمد بن علی المعروف بابن حجر (۸۵۲ھ)

۱۰۔حافظ عبدالرحمٰن بن کمال ابوبکر المعروف بہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ)

## ۳۔حضرات حنابلہ کے اکابر اہل علم

۱۔قاضی ابویعلی حنبلی (۴۵۸ھ)

۲۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ)

۳۔حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکر (۵۷۱ھ)

۴۔حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی (۵۹۷)

۵۔حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (۶۰۰ھ)

۶۔حافظ امام موفق الدین ابن قدامہ (۶۲۰ھ)

۷۔حافظ تقی الدین ابو العباس احمد ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

۸۔حافظ ابو عبداللہ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ)

۹۔حافظ شمس الدین ابو عبداللہ بکر بن ایوب المعروف بابن القیم (۷۵۱ھ)

۱۰۔حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد المعروف بابن رجب (۷۹۵ھ)

## ۴۔حضرات حنفیہ کے اکابر اہل علم

۱۔حافظ ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی (۴۸۳ھ)

۲۔حافظ ابو بکر علاؤ الدین بن مسعود الکاشانی (۵۸۷ھ)

۳۔امام ابوالحسن علی بن ابی بکر برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ)

۴۔حافظ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن مسعود النسفی (۷۱۰ھ)

۵۔حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی (۷۶۲ھ)

۶۔علامہ الشیخ ابراہیم الحلبی (۷۸۹ھ)

۷۔حافظ امام بدرالدین محمود بن احمد العینی (۸۵۵ھ)

۸۔امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام (۸۶۱ھ)

۹۔حافظ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم (۹۷۰ھ)

۱۰۔مجدد مائۃ دہم امام علی بن سلطان القاری (۱۰۱۴ھ)

دنیا میں سب سے زیادہ تعداد حنفیہ کرام کی ہے اس لیے نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس صف میں کھڑے دس اور بزرگوں کی بھی نشاندہی کر دیں جو اس دور آخر میں اس سلسلہ کے علم کے امین سمجھے گئے ہیں گو ہم انہیں ان چالیس بزرگوں میں ذکر نہیں کر رہے

۱۔ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی (۱۰۶۹ھ)

۲۔علامہ علاؤ الدین صاحب درمختار (۱۰۸۸ھ)

۳۔الشیخ العلامہ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ)

۴۔حکیم الامت حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

۵۔علامہ السید المرتضی الحسن الزبیدی (۱۲۰۵ھ)

۶۔حضرت الشیخ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ)

۷۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۲۵۲ھ)

۸۔علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ)

۹۔حضرت علامہ طحطاوی (۱۲۳۳ھ)

۱۰۔علامہ ابن عابدین الشامی (۱۲۷۲ھ)

یہ وہ ائمہ علم ہیں جو اپنے فقہی مسلک میں ممتاز ہوتے ہوئے دوسرے ائمہ علم کو برداشت کر کے چلے ہیں ان کے دلائل پر رداً اور قبولاً بحثیں تو کیں لیکن ان پر ضلال وگمراہی کی کمان نہ تانی نہ یہ کبھی کہا کہ ان کی نماز نہیں ہوتی نہ یہ کسی کو کہا کہ انہیں کتاب وسنت سے بغض اور چڑ ہے جو اختلاف بھی سامنے آئے اسے اجتہادی اختلاف سمجھا اور اپنے صحیح ہونے کے دلائل ترجیحاً بیان کر دیئے۔

ہم نے پہلے جو چالیس بڑے مسلمان ذکر کیے ہیں یہ فقہ وحدیث کے گہرے سمندروں کے وہ کامیاب شناور ہیں جن کے بل بوتے اہل السنۃ والجماعۃ آج بھی آپس میں متحد اور ایک دائرہ میں منسلک سمجھے جاتے ہیں جب یہ فقہی اختلاف علیحدہ علیحدہ جماعت بندیوں پر آجاویں اور ان امتیازات پر مسجدیں علیحدہ علیحدہ بننے لگیں تو پھر یہ اختلاف رحمت نہیں رہتا زحمت بن جاتا ہے اور یہ اختلاف امتی رحمۃ کے سراسر خلاف ہے۔

حضرات سادات حنیفہ کے جو اگلے دس اکابر ہم نے ذکر کیے ہیں وہ پہلے دس بزرگوں سے بھی زیادہ اعتدال کے ساتھ چلے ہیں بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور زیادہ اعتدال کے ساتھ چلے اور ان کے گرد جو علماء تلامذہ جمع ہوئے انہوں نے مسالک اربعہ میں اور زیادہ برداشت اور رواداری کی فضا پیدا کی ہے وکفی بہم قدوۃ۔

## ہندوستان کے علماء احناف

ان کے بعد ہندوستان میں علماء دیوبند کی ایک ایسی صف نظر آتی ہے جو معارک قلم میں پورے برصغیر پاک وہند بنگلہ دیش اور برما میں اس اتحاد امت کے داعی رہے جوان

چالیس بڑے مسلمانوں کی ملی میراث اور علمی اساس دے گئے نامناسب نہ ہوگا کہ ان میں سے بھی یہاں دس اہل قلم کا ذکر کردیں جن پر دیوبند کی تاریخ بجا طور پر ناز کرتی ہے یوں تو ان میں اور بھی بہت سے بزرگ اہل قلم گزرے لیکن ان میں جو حضرات امت کو اس دور میں کثیر علمی سرمایہ دے گئے ان میں یہ حضرات بہت ممتاز ہیں:۔

۱۔عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)

۲۔مجدد مأتہ چہاردہم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ)

۳۔مفتی اقلیم ہند حجۃ الاسلام حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ)

۴۔شیخ الاسلام مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ)

۵۔محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی (۱۳۸۵ھ)

۶۔رئیس المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی (۱۳۹۴ھ)

۷۔شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۳۹۴ھ)

۸۔شیخ التفسیر والفقہ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی (۱۳۹۶ھ)

۹۔شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم المدنی (۱۴۰۲ھ)

۱۰۔حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی (۱۴۰۳ھ)

علماء دیوبند کے ہم خیال حلقوں میں فرنگی محل کے علماء حضرت مولانا عبدالحی لکھنوئی (۱۳۰۵ھ) حضرت مولانا عین القضاۃ (۱۳۴۳ھ) امام اہلسنّت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (۱۳۸۱ھ) اور ندوہ کے اکابر میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی (۱۳۷۳ھ) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور جمعیت علماء کے اکابر میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۱۳۸۲ھ) حضرت مولانا سید محمد میاں (۱۳۹۸ھ) اور علماء حیدر آباد دکن میں حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی (۱۳۸۰ھ) مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۳۷۵ھ) اور کئی دوسرے متعدد اہل علم ہوئے ہیں مگر ہم ان سب کا تذکرہ نہیں کرسکتے اگرچہ ان حضرات کی تالیفات پوری امت کے لیے یکساں اہمیت کی حامل رہی ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ سب ائمہ علم فقہ حنفی پر عمل کرنے والے تھے۔

یہاں ہمارا اصل موضوع حدیث وفقہ کے علمی معرکوں اور اختلافی موضوعات میں

اعتدال رواداری اورایک دوسرے کوبرداشت کرنے کے احساس کواجاگر کرنا ہے اس لیے ہم یہاں علماء دیوبند کے انہی مشہور اہل قلم کا ذکر کررہے ہیں جن کی حکیمانہ پالیسی کے تحت آج بھی برصغیر پاک وہند بنگلہ دیش اور برما اوران کے مضافات میں مسلکی اور فقہی رواداریاں اور بین الاقوامی اتحاد پایا جاتا ہے گذشتہ اجتہادات نے امت میں وسعت نظر پیدا کی اس کا انکارکسی پہلو سے بھی ہومفادامت کے خلاف ہے۔

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار مے کشم ناقہ بے زمام را

# اصطلاحات فقہ

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

لغت میں بعض الفاظ کئی کئی معانی کے حامل ہوتے ہیں لیکن جب وہ کسی فن میں کسی خاص معنی میں استعمال ہونے لگیں تو وہ اس فن کی اصطلاح بن جاتے ہیں فقہ میں جو الفاظ اصطلاح بنے ہیں ان کا معنی ومفہوم ہمیشہ ذہن میں رہے تو مسئلہ جاننے والا مسائل کا حکم معلوم کرنے میں خطاء فی الفکر سے بچا رہتا ہے اس لیے فقہ کے تعارف میں مصطلحات فقہیہ کو جاننا ازبس ضروری ہے سب اصطلاحات ہم یہاں بیان کرسکیں یہ بہت مشکل کام ہے تاہم بطور نمونہ کچھ اس پہلو سے بھی فقہ کا تعارف کرلیجیے واللّٰہ یھدی الی الصواب والیہ المرجع المآب

انسان اس بات کا مکلف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کو مانے انسانوں کے لیے اس دنیا کے بعد ایک آخرت ہے اگر وہ اس کے اتارے دین کو نہ مانے تو اس پر مرنے کے بعد آخرت میں پکڑ ہوگی یہ پکڑ جانوروں وغیرہ کے لیے نہیں کیونکہ وہ مکلف مخلوق نہیں ہیں نہ ان کے لیے بعث ہے نہ آخرت سو انسان کا مکلف ہونا شرائع کی اصل ہے اور اس پر تمام آسمانی مذاہب متفق ہیں اور اسی لیے ان سب کی معرکہ آرائی ہے اب ہم اسی سے اس موضوع کا آغاز کرتے ہیں۔ واللّٰہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

## تکلیف

بظاہر یہ لفظ بہت ناخوشگوار ہے لیکن دینی اعتبار سے یہ بہت لائق اعتبار ہے ایسے کام کا ذمہ دار ہونا جس کے کرنے میں کچھ مشقت ہو انسان اس کا مکلف ہے اللہ شارع حقیقی ہے اور اسی نے انسان کو مکلف کیا ہے کہ وہ اس کے حکموں پر چلے اس سے انسان دنیا کی زندگی بھی سنوارتا اور سدھارتا ہے اور آخرت کے لیے بھی اس پر خدا کی حجت پوری ہوتی ہے

انسان مکلف کب ہوتا ہے اس کے لیے اسلام میں کچھ شرائط ہیں۔

## شرائط تکلیف

انسان پاگل ہو یا حواس باختہ ہو فاتر العقل ہو تو وہ شریعت پر عمل پیرا ہونے کا مکلف نہیں انسان عقل رکھنے کے باعث ہی مکلف ہوا ہے اس کی یہ اہلیت تکلیف دو طرح سے ہے ۱۔اہلیت وجوب اور ۲۔اہلیت اداء۔شرائط وجوب اور ہوتے ہیں اور شرائط اداء اور۔

مثلاً جمعہ کی چھ شرائط وجوب کی ہیں اور چھ شرائط ادا کی۔شرائط تکلیف میں سے یہ بھی ہے کہ ۱۔جس چیز کا وہ مکلف ہوا ہے اس کا اسے علم ہو ۲۔وہ چیز نا قابل عمل نہ ہو اس کے بجالانے میں انتہائی مشقت نہ ہو لفظ تکلیف کی قرآنی اصل یہ آیت ہے:۔

لا یکلف اللّٰہ نفسا الاوسعھا لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت (پ۳:البقرہ:۲۸۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی جی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہر جی کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر ذمہ داری ہے جو اس نے کمایا۔

جن امور کے باعث انسان اپنی ذمہ داریوں پر عمل نہ کر سکے انہیں موانع تکلیف کہتے ہیں یہ دو قسم کے ہیں ۱۔اختیاری،۲۔غیر اختیاری اور غیر اختیاری موانع یہ ہیں:۔

۱۔جنون عقل کا جاتا رہنا (۲) بے ہوشی (۳) صغر سنی (۴) سخت مرض (۵) غلام ہونا (بااختیار نہ ہونا اسی میں محبوس ہونا بھی ہے) (۶) نسیان (۷) عورت کے ایام (۸) انفاس ولادت۔

## احکام تکلیف

انسان اس دنیا میں جن احکام کو عمل میں لانے کا مکلف ہوا ہے ثبوت اور پیرائیہ بیان کے اعتبار سے اس کی آٹھ قسمیں ہیں:۔

۱۔فرض ۲۔واجب ۳۔سنت ۴۔مستحب ۵۔حرام ۶۔مکروہ تحریمی ۷۔مکروہ تنزیہی ۸۔خلاف اولیٰ۔

نویں قسم مباح ہے جسے نہ عمل میں لانے کا مطالبہ ہے نہ اسے عمل میں لانے پر کوئی

مواخذہ ہے یہ وہ کام ہیں جو نیکی سمجھ کر نہیں کیے جاتے جیسے تقریر کے لیے لاوڈ سپیکر کا استعمال یا درجہ حرارت معلوم کرنے کے لیے تھرمامیٹر کا استعمال یا عینک کا استعمال یا ٹرین کا سفر یا جہاز سے پرواز یا کار سے سفر کرنا۔

مباح کوئی کار خیر نہیں ہوتا جس پر کوئی ثواب مرتب ہو نہ یہ کوئی کار شر ہے جس پر کسی مواخذہ کا اندیشہ ہو جو کام کار خیر سمجھ کر کیا جائے اس کا کم از کم درجہ مستحب ہونے کا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو اگر اس کی کوئی دلیل موجود نہیں اور کرنے والا اسے کار خیر (نیکی) سمجھ کر کر رہا ہے تو اسے بدعت کہیں گے اسے مباح نہ کہا جاسکے گا۔

گیارہویں شریف کے ختم کو اسی لیے بریلوی علماء مباح کے درجے میں رکھتے ہیں کہ اسے آخرت کے لیے کوئی کار خیر نہیں سمجھتے ورنہ وہ اسے مستحب میں جگہ دیتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ جواز کے درجہ میں رکھتے ہیں (ثواب کے درجہ میں نہیں) جو شخص حضور غوث اعظم کی روح مبارک کو ایصال ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو فرض یا واجب کر دینا گمراہی ہے۔ (ماہنامہ رضوان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر محمود احمد رضوی)

اب ہم پہلے ان آٹھ حکموں کی کچھ تفصیل کرتے ہیں پھر نویں قسم کے ضمن میں نظریہ اباحت پر کچھ علمی بحث کی جائے گی واللہ ھو الموفق۔

## ۱۔ فرض

فرض وہ عمل ہے جس کا عمل میں لانا شرعاً لازمی ہو اور اس کا ثبوت کسی دلیل قطعی سے ہوا ہو۔

۱۔ اس کا انکار کفر ہے اور اسے چھوڑنا (جیسے پنجگانہ نماز) بڑا گناہ ہے۔

۲۔ اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ فرض عین ۲۔ فرض کفایہ (جیسے نماز جنازہ)

## ۲۔ واجب

یہ وہ عمل ہے جس کا عمل میں لانا شرعاً لازمی ہو لیکن اس کے ثبوت میں کوئی ظنیت

ہو یا اس کی دلالت اپنے موضوع پر قطعی نہ ہو۔

ا۔قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ یا۲۔ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ سے جو حکم ثابت ہو وہ واجب ٹھہرتا ہے ثبوت کے گمان غالب کے ساتھ۔عملاً یہ فرض کی طرح لازم ہوتا ہے جیسے نماز وتر یا عیدالضحیٰ پر قربانی اس کا انکار کفر نہیں لیکن بڑی گمراہی ہے

(نوٹ) جن فقہاء کے نزدیک واجب کوئی شرعی اصطلاح نہیں وہ اسے نظر بر دلیل کبھی فرض میں داخل کر دیتے ہیں اور کبھی سنت میں لیکن ان احکام کی اہمیت سے اور ان کے قریب بہ فرضیت ہونے سے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا اسی طرح حدیث میں فرض کا لفظ کبھی واجب کے معنی میں بھی آجاتا ہے جیسے:۔

**فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر**

ترجمہ: صدقۃ الفطر ادا کرنا بشرط شرائط واجب ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

**ان الد لالۃ علی اربعۃ انواع الاول الدلیل قطعی الد لالۃ والثبوت ویفید الفرضیۃ فی جانب الامر والحرمۃ فی جانب النھی والثانی ظنی الثبوت والد لالۃ ویفید الکراھۃ تنزیھا فی جانب النھی والاستحباب فی جانب الامر و الثالث ظنی الثبوت وقطعی الدلالۃ والرابع بالعکس وکلا القسمان یفیدان الوجوب او السنیۃ فی جانب الامر والکراھۃ تحریما فی جانب النھی فعلی ھذا ظھر الفرق بین الفرض والواجب**

۳۔سنت

فرض اور واجب کے بعد تیسرا درجہ عمل سنت کا ہے سنت وہ عمل ہے جس کے کرنے کا مطالبہ لازمی پیرائے میں نہ ہو (کہ ایسا ضرور کرو) لیکن کرنے کی تاکید کی گئی ہو اور اس کی رغبت دلائی گئی ہو۔

سنت پر عمل کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور بلاوجہ نہ کرنے والا مستحق عتاب۔فرض چھوڑنے والا مستحق عذاب ہوتا ہے اور سنت چھوڑنے والا مستحق عتاب۔

اس درجہ کے جو امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں وہ سب سنن ہیں اور امت کو انہیں اپنانے کا حکم ہے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین

ترجمہ: میری سنت کو اور خلفاء راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑو۔

پھر سنت کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔سنت عبادت جیسے فجر کی دو سنتیں اور ظہر کی چھ سنتیں ان سنتوں میں آگے پھر دو قسمیں ہیں:۔

ا۔سنت مؤکدہ اور ۲۔سنت غیر مؤکدہ

۲۔سنت عادت جیسے ا۔دائیں ہاتھ سے کھانا پینا ۲۔قضائے حاجت کے وقت استقبال کعبہ سے بچنا استنجا میں بائیں ہاتھ کا استعمال ان پر عمل کرنا رضائے الٰہی کا موجب ہے اور اس جہت سے یہ بھی عبادت ہے۔

سنت عبادت کو سنن ہدیٰ بھی کہا جاتا ہے اور آپ اور صحابہؓ کے جو اعمال بطور عادت ہم تک پہنچیں انہیں سنن زوائد بھی کہا گیا ہے سو سنت وہ راستہ ہے جسے دین میں اپنایا گیا ہو وہ عبادات کی ادا میں ہو یا عام عادات کی ادا میں۔اسلام میں یہ ایک ایک عمل رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے سنن ہدیٰ کا قصداً ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جن چیزوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح لفظوں سے روکا گو یہ روکنا خبر واحد سے معلوم ہوا ہو ان کا کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔

## سنت مؤکدہ کی دو قسمیں

ا۔سنت عین جیسے ا۔پنج وقتہ نماز کی جماعت ۲۔فجر کی نماز سے پہلے دو سنتیں ۳۔خطبہ نکاح ۴۔نماز کے لیے اذان

۲۔سنت کفایہ جیسے ا۔نماز تراویح کی جماعت ۲۔رمضان شریف کا اعتکاف

## وجوب حرمت کراہت ضرورت استحباب

یہ اعمال کے وہ اوصاف ہیں جو دلائل سے ثابت ہوتے ہیں یہ احکام فقہ کی کتابوں

میں ملتے ہیں اصولیوں کے نزدیک ہر وہ خطاب جس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا کہا جائے وہ لازمی درجے میں ہو یا غیر لازمی درجے میں اسے حکم کہتے ہیں یہ امر و نہی دونوں کو شامل ہے

(نوٹ ۱) انسان کسی عمل کا مکلف ہو اس کی شرائط انسان کے اعتقادا مکلف ہونے سے مختلف ہیں اعمال شرع کے لیے تو بالغ ہونے کی شرط ہے لیکن عقائد اسلام کے لیے بالغ ہونے کی کوئی شرط نہیں بچہ کسی درجے میں سمجھدار ہو جائے تو وہ صحیح عقائد حاصل کرنے کا مکلف ہو جاتا ہے اس کے والدین یا بڑوں کے ذمہ ہے کہ وہ اسے صحیح عقائد بتائیں۔

(نوٹ ۲) انسان جب عملاً کسی چیز کا مکلف ہو تو ضروری ہے کہ:۔

۱۔ اسے مکلف بہ کا علم ہو اسے پتہ ہو کہ اس سے کس چیز کا مطالبہ ہے

۲۔ جس چیز کا اسے مکلف بتلایا جائے وہ چیز عادتاً محال نہ ہو امکان سے باہر نہ ہو۔

۳۔ بے حد مشکل نہ ہو کہ برداشت سے باہر ہو۔

۴۔ ضروری نہیں کہ وہ اس کی دلیل علمی سے واقف ہو بس اتنا علم کافی ہے کہ وہ اس پر عمل کرتا ہے گو کسی کی تقلید سے یا کسی کے بتلانے سے ہاں یہ ضروری ہے کہ بتلانے والا اسے جانتا ہو اور اس کے لئے اس کی عام شہرت کافی ہے۔

## سنت اور مستحب میں فرق

وہ دینی کام جس کے کرنے کا مطالبہ شریعت میں غیر لازمی طور پر ہو اور کرنے کی تاکید ہو اسے سنت سمجھا جائے گا اور وہ دینی کام جس کے کرنے کی تاکید نہ ہو مگر اس پر شریعت میں پسندیدگی بتلائی گئی ہو اسے مستحب کہتے ہیں۔

مستحب کو کبھی مندوب بھی کہہ دیتے ہیں کسی چیز کو اپنے خیال سے مستحب نہیں کہا جاسکتا اس کے لیے اصل شرعی ہونی چاہیے اس کی کچھ شرائط ہیں:۔

۱۔ یہ کام لازمی نہ ہو ورنہ وہ واجب ہوگا

۲۔ اس کی تاکید و ترغیب نہ ہو ورنہ وہ سنت ہوگا

۳۔ اس پر پسندیدگی کا اظہار ہوا ہو ورنہ اسے مباح سمجھا جائے گا

مباح وہ کام ہے جو نہ نیکی ہے اور نہ اس پر کوئی مواخذہ ہے مباح کا اگر التزام کیا جائے یا اسے کار ثواب سمجھ کر عمل میں لایا جائے تو وہ بدعت ہو جائے گا مباح نہ رہے گا۔

(نوٹ) مستحب کو کبھی نفل اور فضیلت بھی کہہ دیتے ہیں تطوع کا لفظ مستحب اور نفل دونوں پر آتا ہے کبھی اسے سنت پر بھی لے آتے ہیں قرآن پاک میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔

ومن تطوع خیر افھو خیر لہ (پ۲، البقرہ:۱۸۴)

مستحب کے لیے ضروری نہیں کہ اس کا ثبوت کسی ظنی دلیل سے ہو قرآن کریم بعض صورتوں میں دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنانے کا حکم ہے:۔

واشھد واذوی عدل منکم

ترجمہ: اور اپنے میں سے دو معتبر گواہ کر لیا کرو۔

اس حکم پر عمل کرنا مستحب ہے واذا حللتم فاصطا دوا (پ۶، المائدہ آیت۲) میں بھی امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔

## سنت مؤکدہ اور سنت غیر مؤکدہ

وہ عمل جس کا مطالبہ شریعت میں لازمی درجے کا نہ ہو مگر اس پر تاکید موجود ہو اور اسے کبھی بلاوجہ ترک نہ کیا گیا ہو یہ سنت موکدہ ہے اور اگر اسے کبھی بلاوجہ ترک بھی کیا گیا تو یہ سنت غیر مؤکدہ ہے۔

(نوٹ) نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے لیکن اسے باالجماعۃ ادا کرنا مستحب ہے آنحضرتؐ نے اس کی جماعت ایک عذر سے ترک فرمادی تھی مگر چونکہ صحابہؓ نے اسے قائم رکھا اس لیے یہ عمل متروک نہیں مستحب سمجھا جائے گا آنحضرت کا بھی اسے ترک فرمانا ایک مصلحت کے لیے تھا اسے ناپسندیدہ سمجھنے کے لیے نہ تھا۔

## مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی

وہ عمل جس کے نہ کرنے کا مطالبہ ہو۔ اس کے لیے دو شرطیں ہیں:۔

۱۔ غیر لازمی طور پر ہو۔

۲۔ تاکید کے ساتھ ہو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

وہ عمل جس کے نہ کرنے کا مطالبہ ہو یہ مطالبہ لازمی پیرائے میں ہو لیکن دلیل میں

کسی اعتبار سے شبہ پیدا ہو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

مکروہ تنزیہی کی مثال بلا تکبر و تجر ازار کا ٹخنوں سے نیچے ہونا ہے اور بالارادہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے بے وضو اذان کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

مکروہ تنزیہی کا مرتکب مستوجب ملامت و عتاب اور مکروہ تحریمی کا مرتکب مستوجب مذمت و عتاب ہے مکروہ تحریمی حرام کے قریب قریب ہے لیکن اس کا منکر کافر نہیں ہوتا جب کہ حرام کا منکر کافر ہو جاتا ہے جو شخص شراب یا جوئے کو حرام نہیں سمجھتا وہ کافر ہے اور شراب کو حرام سمجھ کر پینے والا سخت گنہگار سمجھا جائیگا شریعت میں اس کے لیے کوڑوں کی سزا ہے۔

## خلاف اولیٰ

مکروہ تنزیہی سے بھی کم ایک درجہ خلاف اولی کا ہے یہ وہ ہے جس کے کرنے میں قباحت ہو مگر اس کے کرنے پر کوئی ملامت اور عتاب نہ ہو خلاف اولی کے لیے لفظ لا بأس به (اس میں حرج نہیں) بھی استعمال ہوتا ہے سو جب کہا جائے کہ اس میں حرج کیا ہے تو ان باتوں سے بچنا ہی چاہیے۔

## عوارض اور حالات کے سبب حکم میں تبدیلی

موانع تکلیف لاحق نہ ہونے کی صورت میں بھی بعض عوارض اور حالات میں احکام شرعیہ میں کچھ تبدیلی آجاتی ہے داخلی امور میں ان کے درجات بدلتے ہیں فرض و واجب اور سنت و مستحب کے درجات ان اعمال کے داخلی احکام ہیں خارجی حالات اور عوارض ان میں جو تبدیلی لاتے ہیں اس کے پیش نظر ان میں جو نرمی اور سہولت آتی ہے اسے رخصت کہتے ہیں کام اپنی اصل صورت میں رہے یہ عزیمت ہے اور حالات کے دھارے میں نرم پڑ جائے تو رخصت ہے۔

## اقسام رخصت

رخصت کبھی حقیقی ہوتی ہے جیسے مریض کے لیے روزہ نہ رکھنا رخصت ہے اور اگر نقصان دہ نہ ہو تو سفر میں روزہ رکھنا عزیمت ہے اور نہ رکھنا رخصت۔

پھر رخصت کبھی مجازی بھی ہوتی ہے جیسے مسجدوں کے علاوہ عام سطح زمین پر نماز پڑھ لینا اس کی اس امت کو رخصت دی گئی ہے لیکن یہ نہیں کہ اب عزیمت مشروع نہ رہی نہ یہ

کہنا درست ہے کہ اصل عبادت کی جگہیں مسجدیں نہیں ہیں ہر جگہ برابر ہے مسجدوں اور جماعت کا حکم شرعی برابر قائم ہے سو رخصت کے چار درجے ہوئے:۔

## ا۔رخصت حقیقی اولیٰ

کسی کو مجبور کر کے (اکراہ میں ڈال کر) کلمہ کفر کہنے کا کہا جائے تو اس کے لیے کلمہ کفر کہنا مباح ہے قرآن کریم میں ہے:۔الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان

مگر عزیمت پھر بھی یہ ہے کہ نہ کہے گو جان چلی جائے اور رخصت بھی صرف عوام کے حق میں ہے ان ائمہ واشراف کے لیے نہیں جن کے اظہار کفر سے دوسروں کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہو۔

## ۲۔رخصت حقیقی غیر اولیٰ

مسافر اور مریض کے حق میں روزہ رکھنا بشرطیکہ اس کی وجہ سے ہلاکت اور مرض میں زیادتی کا اندیشہ نہ ہو عزیمت ہے اور نہ رکھنا رخصت لیکن اس رخصت سے جہاں تک بچے یہ اولی ہے تاہم اس میں شک نہیں کہ یہ رخصت حقیقی ہے گو غیر اولی سہی۔

## ۳۔رخصت مجازی اتم

پہلی شریعتوں میں یہ اونچے درجے کا حکم تھا کہ نماز مقرر عبادت گاہوں میں ہی ہو سکے ہماری شریعت میں یہ رخصت ہے کہ جہاں پڑھی جا سکے تم پڑھ سکتے ہو لیکن اب ہم اپنی شریعت میں اسے عزیمت ور خصت کا درجہ نہیں دے سکتے کیونکہ وہ شریعتیں منسوخ ہو چکیں اب اگر اسے رخصت کہا جا سکتا ہے تو یہ رخصت مجازی شمار ہوگی۔

## ۴۔رخصت مجازی غیر اتم

قصر نماز مسافر کے لیے ایک رخصت اور رعایت ہے مگر یہ ایسی رخصت ہے کہ اس کا مقابل (سفر میں نماز پوری پڑھنا) نہ صرف یہ کہ عزیمت نہیں بلکہ حنفیہ کے ہاں جائز ہی نہیں یہاں قصر واجب ہے لیکن یہ رعایت ہر مسافر کے لیے نہیں اس کے اپنے احکام ہیں اس لیے اسے رخصت مجازی غیر اتم کہا گیا ہے رخصت مجازی اتم سب کے لیے ہے۔

(نوٹ) رخصت مجازی ان دونوں صورتوں میں عزیمت کا کوئی پہلو لائق عمل نہیں رہ جاتا خدا کی دی گئی رخصتوں کو قبول کرنا اپنے حق میں ایک اقرار عاجزی اور احساس درماندگی

ہے اور انہیں قبول نہ کرنا حساس کبر ہے لیکن یہ صرف اعمال کی بات ہے عقائد میں اسے عمل میں نہ لانا ایک احساس کبر نہیں ایک قربانی ہے جیسے حضرت خبیب بن عدیؓ نے جان دے دی مگر کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔

## شرائط تکلیف

یہ احکام تکلیف کا بیان تھا اب شرائط برائے مکلف بھی جان لیجئے کہ وہ کون سے امور ہیں جن سے انسان تکلیف کا اہل ہوتا ہے اہلیت تکلیف کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔اہلیت وجوب اور ۲۔اہلیت ادا

### ا۔اہلیت وجوب

اہلیت وجوب سے مراد انسان میں حقوق کے وجوب کی صلاحیت کا پایا جانا ہے اس کے پھر دو درجے ہیں (الف) ناقص اور (ب) کامل۔

ناقص سے مراد اپنے حق میں وجوب کی صلاحیت کا ہونا ہے جیسے وہ بچہ جو ابھی رحم مادر میں ہو دوسروں پر اس کے حقوق واجب ہیں وہ اپنے باپ کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہو تو بھی وہ میراث میں حصہ رکھتا ہے اس کے حق میں کسی کی وصیت ہو وہ اس کا بھی حقدار ہے مگر خود اس جنین پر (جو رحم مادر میں ہے) کسی کا حق ثابت نہیں ہوتا وہ وارث تو ہوتا ہے مورث نہیں بنتا۔

کامل وہ ہے جس پر دونوں طرف سے حقوق ثابت ہوں اس میں دوسروں پر اپنے حقوق واجب ہونے کی بھی صلاحیت ہو اور اس پر بھی دوسروں کے کچھ حقوق واجب ہوں یہ صلاحیت انسان میں پیدائش کے بعد آتی ہے اور موت تک رہتی ہے یہ انسان وارث بھی ہوتا ہے اور مورث بھی۔

### ۲۔اہلیت ادا

اہلیت وجوب کے بعد اہلیت ادا کا ہونا ہے اگر انسان کے اعمال کا شریعت اعتبار کرتی ہے اور ان پر احکام مرتب ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس انسان میں اہلیت ادا پائی گئی ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ا۔ناقص اور ۲۔کامل۔

ا۔سمجھ دار بچے کے مالی معاملات کا شریعت اعتبار کرتی ہے مگر اس کے بعض امور

ولی کی اجازت پر موقوف ہوتے ہیں سو یہ صحیح ہے کہ اس میں اہلیت ادا پائی جاتی ہے مگر یہ کسی درجہ میں ناقص ہے۔

۲۔ کسی دوسرے کی رائے اور اجازت کے بغیر اپنے کاموں کی صلاحیت رکھنا کہ شریعت میں ان کا اعتبار کیا جاسکے۔

شریعت میں ناقص اور کامل کا یہ فرق صرف عقل اور سمجھ کے باعث ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین کے احکام کس قدر فطرت کے مطابق ہیں کہ ان میں عقل کے ہونے نہ ہونے کو کس باریکی سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

## تکلیفات شرعیہ کی بنیادی شرائط

### ا۔ حکم شرعی کا علم ہو

اگر کوئی شخص ابھی مسلمان ہوا اور اس کو پتہ نہیں کہ نماز دن میں پانچ دفعہ فرض ہے تو وہ حکم جب تک کہ اسے بتایا نہ جائے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ پانچ وقت نماز کا مکلف نہ ہوگا اسے یہ علم دلیل کے ساتھ ہو یہ ضروری نہیں۔ عام لوگوں کے بتلانے سے بھی اسے علم ہو جائے گا کہ نماز ہر بالغ مسلمان پر دن میں پانچ دفعہ فرض ہے دلیل جاننا اس کے لیے ضروری نہیں۔

جن لوگوں نے مکلف ہونے کے لیے یہ بات بنا رکھی ہے کہ ہر بات کا علم دلیل کے ساتھ ہو تقلید نہ ہو یہ شرعی ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے ایک غلط صورت ہے۔

### ۲۔ اس عمل پر قدرت ہو

اگر کوئی شخص قید میں ہے اور بوجہ قید وہ حج کا فریضہ ادا نہیں کرسکتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا مکلف نہ رہے گا۔

### ۳۔ یہ حکم شرعی اس کے لیے ناقابل برداشت نہ ہو

اگر کوئی نادار بوڑھا شخص بیمار ہے کہ روزے نہیں رکھ سکتا اور نہ اس کی اسے آئندہ امید ہے اور اس کے لیے روزے رکھنا برداشت سے باہر ہے اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا مکلف نہ رہے گا۔

### ۴۔ وہ حکم عملاً محال نہ ہو

جیسے پانی کے بغیر اسے وضوء کا مکلف ٹھہرانا یا کسی ایک بازو والے کو دونوں ہاتھ

دھونے کا مکلف کرنا نہ صرف یہ کہ قابل برداشت نہیں حیطہ امکان سے بھی باہر ہیں۔

## موانع تکلیف

اس سے مراد وہ عوارض ہیں جن کے لاحق ہونے سے انسان ان کاموں کا مکلف نہیں رہتا یہ دو قسم کے ہیں ۱۔اختیاری اور ۲۔غیر اختیاری۔

نشہ (جس سے ہوش نہ رہے) جہل، اکراہ (مجبور کر دیا جانا) اور سفر وغیرہ وہ عوارض ہیں جن سے احکام میں کچھ تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

غیر اختیاری موانع میں صغر سنی (چھوٹی عمر کا ہونا) جنون بے ہوشی نسیان عورت کے لیے ایام شروع ہو جانا یہ وہ امور ہیں جن سے اس کے حق میں احکام بدل جاتے ہیں۔

مکلف ہونے کے اعتبار سے یہ احکام کی تقسیم تھی اب کچھ ان امور کا بھی جائزہ لیں جن کے باعث احکام تکلیفیہ کا اثبات ہوتا ہے یا ان کی نفی ہوتی ہے انہیں احکام وضعیہ کہتے ہیں حکم وضعی اسے کہتے ہیں جس کے باعث کوئی حکم تکلیفی ثابت ہوتا ہو اس کی چار قسمیں ہیں:۔

۱۔علت ۲۔سبب ۳۔شرط ۴۔علامت

جس سے کسی حکم تکلیفی کی نفی ہو اسے مانع کہتے ہیں جیسے سورج جب نکل رہا ہو تو اس وقت نماز نہ پڑھنا۔اب ہم ان چار امور پر کچھ مختصر بحث کرتے ہیں:۔

### ۱۔علت

کسی شخص کو کسی چیز کے بیچنے کا حق تبھی ہے کہ وہ اس کا مالک ومختار ہو سو بیع ملکیت کی علت ہے بیع سے پتہ چلا کہ یہ شخص واقعی اس چیز کا مالک ومختار تھا۔ہاں وہ نہ بھی بیچتا تو بھی وہ اس کا مالک تھا اس کا بیچنا وہ وصف خارجی ہے جو اس کے وجود میں مؤثر ہوا یہ وہ وصف ہے کہ جب وہ پایا جائے گا تو وہ حکم ضرور پایا جائے گا جہاں وہ علت پائی گئی (جیسے بیع) وہاں حکم (ملکیت) ضرور لاحق ہوگا اگر وہ اس چیز کا مالک ومختار نہیں پھر اس نے وہ چیز بیچی تو اس علت (بیع) کا مرتکب لائق گرفت ہوگا۔

اسی طرح قصاص کی وجہ قتل تھی قتل ہوا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ نہیں تو قتل قصاص کی علت ہوا۔قصاص کے لیے قاتل قابل گرفت ٹھہرے گا۔

جہاں جہاں علت پائی جائے گی اس کے احکام ثابت ہوتے جائیں گے۔قیاس و

استنباط میں اس کا بڑا دخل ہے لیکن اس کی پہچان ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس پر پوری نظر مجتہد کی ہو سکتی ہے۔ ذات کے اعتبار سے اس کی سات قسمیں ہیں جن کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔

## ۲۔ سبب

یہ وہ وصف خارجی ہے جو اس حکم تک لے جانے کا ذریعہ بنے جیسے:۔

ا۔ رمضان کا ہونا روزوں کا سبب ہے۔ سورج کا غروب ہو جانا نماز مغرب کا سبب ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو ان اعمال کا سبب بنتے ہی۔

۲۔ نصاب کا مالک ہونا اور اس پر سال گزرنا دونوں مل کر وجوب زکوۃ کے لیے سبب ہے جب یہ سبب پایا جائے گا تو زکوۃ فرض ہو جائے گی۔

پہلی صورت میں سبب کی ذات کے اعتبار سے حکم ثابت ہوتا ہے دوسری صورت میں اوصاف کے اعتبار سے پہلے کو سبب وقتی کہتے ہیں اور دوسرے کو سبب معنوی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو چیز سبب بنے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

مثلاً کسی شخص نے کسی کو کسی کے مال کا پتہ دیا اس دوسرے نے اس مال کی چوری کی تو پہلا خبر دینے والا جو اس چوری کا سبب بنا ہرگز قابل گرفت نہ ٹھہرے گا۔

ہاں جو سبب قائم مقام علت ہو تو اس کا مرتکب بے شک لائق مؤاخذہ ٹھہرے گا باعتبار اوصاف سبب کی چار قسمیں ہیں:۔

ا۔ سبب حقیقی ۲۔ سبب مجازی ۳۔ سبب اور حکم علت ۴۔ سبب قائم مقام علت

(نوٹ) حکم کا وجود اس کی علت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن سبب صرف اس حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

## ۳۔ شرط

شرط وہ وصف خارجی ہے جس پر اس حکم کا وجود موقوف ہو، سال گزرنا وجوب زکوۃ کے لیے شرط ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ سبب (سال کا گزرنا) بھی ہو زکوۃ اسی صورت میں فرض ہوگی کہ مال بقدر نصاب ہو۔

ا۔ شرط ذات کے اعتبار سے

۲۔ متعلق شرط کے اعتبار سے
۳۔ اوصاف شرط کے اعتبار سے۔ یہ تین قسمیں کی گئی ہیں:۔

ا۔ وہ شرط فطری اور لازمی ہو اور انسان کا اس میں کوئی اختیار نہ ہو جیسے علم کے لیے زندگی شرط ہے ایک وہ شرط ہے جو فطری نہیں۔ مگر شریعت نے اسے شرط ٹھہرایا وہ نکاح کے گواہ ہیں۔ نکاح کے لیے گواہوں کا ہونا شرط ہے یہ شرط شریعت کی اپنی ٹھہرائی ہوئی ہے۔

۲۔ متعلق شرط کے اعتبار سے:۔
ا۔ شرط مکمل سبب (مال پر سال کا گزرنا)
۲۔ شرط مکمل مسبب (جیسے نماز کے لیے طہارت)
اوصاف شرط کے اعتبار سے شرط کی چار قسمیں ہیں:۔

ا۔ شرط محض ۲۔ شرط در معنی علت ۳۔ شرط در معنی سبب ۴۔ شرط بطور نام (جیسے کسی چیز میں دو شرطیں لگا دی جائیں)

۴۔ علامت

وہ وصف خارجی جس سے کوئی حکم مانا جائے نماز پنجگانہ کے لیے اوقات کی علامات ہیں جوں جوں علامات ہوتی جائیں، ان سے متعلق نمازیں فرض ہوتی جائیں گی۔

(نوٹ) حکم الٰہی اقیموا الصلوٰۃ (نماز قائم کرو) نماز کی علت ہے وقت اس کا سبب ہے طہارت اس کی شرط ہے اور اس کی صورت عمل اس کی علامت ہے۔ ایمان کی حقیقت حضور خاتم النبیینؐ کی ان کی تعلیمات میں تصدیق ہے، توحید آخرت قرآن فرشتوںؑ آسمانی کتابوں اور اس کے سب پیغمبروں پر اور اس کی قضاء و قدر پر ایمان لانا ایمان کے ارکان ہیں۔ مسلمانوں کا ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا ایمان کی علامت ہے اور نماز وغیرہ اس کے اعمال ہیں علامات اور اعمال کا صرف اس وقت اعتبار کیا جاسکے گا جب اصل حقیقت معلوم نہ ہو کسی عیسائی یا قادیانی کے السلام علیکم کہنے سے اسے مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا یہ علامات اس وقت مؤثر ہو سکیں گی کہ جب اصل حقیقت ہم نے نہ جانی ہو یہ محض ایک ضمنی بات تھی جو سامنے آ گئی اس کا ان فقہی اصطلاحات سے تعلق نہیں۔

# احکام کی صورت وضعی

احکام اپنی وضعی صورت میں کسی حکم تکلیفی (جس کا انسان خدا کی طرف سے مکلف ٹھہرایا گیا) کے لیے کسی چیز کا موجب ہوئے، یہ ان کی صورت وضعی ہے کبھی یہ اس حکم تکلیفی کے لیے علت کے درجے میں ہوتے ہیں، کبھی سبب کے درجے میں اور کبھی علامت کے درجے میں اسی طرح بعض اوقات یہ کسی حکم تکلیفی کے لیے نفی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس صورت میں انہیں موانع کہتے ہیں۔

اس منع کی کئی صورتیں ہیں کبھی یہ حکم اس درجہ میں مانع ہوتا ہے کہ حکم کی علت قائم نہیں ہونے پاتی مثلاً کسی آزاد شخص کو بیچ دینا۔ اس کی آزادی بیع کے انعقاد سے مانع ہے ملکیت بیع کی علت ہے جب وہ مالک ہی نہیں تو بیع کیسی سو اس کا آزاد ہونا اس کی بیع میں مانع رہا۔

کبھی علت قائم اور موجود ہوتی ہے مگر وہ پوری نہیں ہو پاتی جیسے کوئی ایسی چیز بیچنا جو لائق بیع ہے مگر یہ اس کا مالک نہیں اس کا مالک نہ ہونا تمام علت سے مانع رہا اس صورت میں بیع منعقد تو ہو جاتی ہے لیکن تمام اور مکمل نہیں ہو پاتی۔

کبھی کوئی ایسی صورت ہوتی ہے کہ سبب کو نتیجہ خیزی سے روکتی ہے جیسے کسی شخص کے پاس نصاب کے مطابق مال موجود ہو اس پر سال بھی گزرا ہو مگر اس شخص پر کچھ قرض بھی ہے جسے ادا کرنے سے وہ صاحب نصاب نہیں رہتا اب یہ صورت اس پر زکوۃ فرض ہونے سے مانع ہو گی اسے تحقیق سبب سے مانع کہتے ہیں۔

اور اگر وہ صاحب مال صاحب نصاب تو تھا لیکن سال پورا ہونے سے کچھ پہلے اس کا کچھ مال ضائع ہو گیا کہ اب وہ صاحب نصاب نہ رہا یہ صورت سبب زکوۃ کے پورا ہونے سے مانع رہی۔ اسے تمام سبب سے مانع کہتے ہیں۔

سو وہ مانع جو کسی حکم وضعی کو روکے اس کی چار صورتیں ہیں:۔

۱۔ انعقاد کو علت سے روکے

۲۔ تمام علت سے روکے

۳۔ تحقق سبب سے روکے

۴۔تمام سبب (سبب کے پورا ہونے) سے روکے
اسی طرح وہ موانع بھی ہیں جن سے کسی حکم تکلیفی کا وجود قائم نہیں ہو پاتا:۔
ا۔مانع از ابتدائے حکم ۲۔مانع از تمام حکم ۳۔مانع از دوام حکم
مثال: بیع کے ساتھ اپنے اختیار کی شرط رکھی جس سے لینے والے کی اس چیز پر ملکیت مرتب نہ ہو سکی سو خیار شرط کے ساتھ بیع مانع از ابتدائے حکم ہے البتہ بیع اگر خیار شرط سے نہیں خیار رؤیت سے کی تو اس پر اس دوسرے کی ملکیت تو مرتب ہو جائے گی لیکن یہ صورت تمام بیع میں مانع رہے گی پھر ایک صورت خیار عیب کی ہے اس صورت میں بیع تو تمام ہو جاتی ہے مگر اس صورت میں اس کا اس بیع کو ختم کر دینے کا حق باقی رہتا ہے اسے مانع از دوام حکم کہتے ہیں۔

نوٹ (۱) حکم وضعی بندے کے اختیار میں ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً زوال آفتاب بندہ کے زیر قدرت نہیں لیکن ابتداء ظہر کے لیے سبب ضرور ہے بخلاف اس کے کہ حکم تکلیفی وہی ہو سکتا ہے جو بندوں کے اختیار میں ہو۔

(۲) حکم تکلیفی کے لیے کسی حکم وضعی کا ہونا ضروری ہے مگر کسی حکم وضعی کے لیے مکلف ہونا ضروری نہیں جیسے بچے کی حرکات حکم تکلیفی سے تو خالی ہیں مگر حکم وضعی سے خالی نہیں ان پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔

(۳) حکم وضعی فعل سے باہر ہوتا ہے اس کا جزء نہیں ہوتا جیسے وقت ہونا نماز کا سبب ہے مگر یہ خود اعمال نماز میں داخل نہیں احکام وضعیہ میں صرف سبب و مسبب، علت و معلول، شرط و مشروط کے ربط و تعلق اور کچھ علامات کے اعتبار کا بیان ہوتا ہے اس سے کوئی امر تکلیفی قائم نہیں ہوتا۔

فقہ کی کتابوں میں تکلیف اور انسان کے مکلف ہونے اور احکام کی وضعی صورتوں کا بیان صرف دو لفظوں سے سمجھا جا سکتا ہے ا۔تکلیف ۲۔وضع لیکن اس کے پیچھے اس تمام پس منظر اور ان مثالوں کا علم ہونا ضروری ہے۔آپ محسوس کریں گے کہ فقہ نے مسائل کے احوال و ظروف کو اس قدر کھولا ہے کہ اب مسائل کے سمجھنے میں شاید ہی کوئی کوئی غلطی واقع ہو۔

## کلام کی مختلف صورتیں

آیئے اب ہم آپ کو کلام کی مختلف صورتوں سے کچھ آشنا کریں کہ کلام کے اپنے درجات کیا ہیں؟ اور اس میں کن کن امور پر نظر ہونی ضروری ہے۔

۱۔امرونہی ۲۔مطلق ومقید ۳۔عام وخاص ۴۔مشترک اور مؤول ۵۔محکم و متشابہ ۶۔مفسرومجمل ۷۔کلام میں مراد متکلم کی تلاش ۸۔حقیقت ومجاز ۹۔نص کے مختلف پیرائے ۱۰۔اداً اور قضاً ۱۱۔لذاتہ اور لغیر کا فرق ۱۲۔ظاہر ونادر ۱۳۔صریح اور کنایہ ۱۴۔منطوق ومفہوم۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کے ارشادات میں صحیح بات معلوم کرنے کے لیے اور اصل حکم تک پہنچنے کے لیے ان تمام مراتب کلام کو سمجھنا ازبس ضروری ہے ان عنوانوں کی پوری تفصیل تو اصول فقہ کی کتابوں میں ملے گی ہم یہاں طلبہ کو صرف ان عنوانوں سے آشنا کیے دیتے ہیں۔ واللہ ولی امرہ وبیدہ ازمۃ التوفیق۔

# امرونہی

برتری کی بنیاد پر دوسروں سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کرنا امرونہی کے تحت آتا ہے۔ اسلام میں جس چیز کا امر ہے وہ معروف ہے اور جس چیز سے نہی کی گئی وہ منکر ہے۔ مومنین کی شان ہے یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر وہ معروف کا امر کرتے ہیں اور منکرات سے منع کرتے ہیں۔

۱۔امر عام طور پر وجوب کے لیے آتا ہے لیکن کبھی استحباب اور اباحت کے لیے بھی آتا ہے جیسے فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا (النور: آیت ۳۳) میں استحباب کے لیے اور کلوا واشربوا (اعراف آیت ۳۱) میں اباحت کے لیے ہے۔ غیر وجوب کے معنی کے لیے قرائن کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔کبھی یہ امر کے صیغے سے ہوتا ہے اور کبھی غیر فعل امر کے صیغے سے۔ جیسے والوالدات یرضعن اولادھن (البقرہ آیت ۲۳۳) یرضعن مضارع ہے مگر یہاں طلب کے مفہوم میں ہے کبھی مصدر بھی بطور امر استعمال ہوتا ہے جیسے فضرب الرقاب (محمد: ۴) میں ضرب اضربوا کے معنی میں ہے۔

۳۔امر کبھی مطلق ہوتا ہے جس میں وقت کی پابندی نہ ہو جیسے زکوۃ مال نصاب پر

سال گزرنے سے زکوۃ فرض ہو جاتی ہے لیکن اس کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت معین نہیں اور جب امر مقید ہو تو اسے اپنے وقت پر عمل میں لایا جائے گا جیسے دن کی پانچ نمازیں اور تراویح صرف رمضان میں ادا کی جاتی ہے مقید میں وقت اس کا سبب وجوب ہوتا ہے رمضان ہوگا تو روزے فرض ہوں گے اور رمضان میں تراویح ہوگی۔

۴۔وقت پر احکام بجالائے جائیں تو اس کا نام ادا ہے وقت گزر جانے کے بعد حکم باقی رہے اور اسے بجالایا جائے تو یہ اس کی قضا ہے۔

نہی کبھی فعل ماضی کی صورت میں بھی ہوتی ہے جیسے حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم (النساء آیت ۲۳) اور کبھی نفی اور انکار سے بھی حکم دیا جاتا ہے جیسے: لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (النساء آیت ۱۹)

اسلام میں جس چیز سے روکا گیا ہو وہ منھی عنہ ایک قبیح چیز ہوگی لیکن یہ قباحت کبھی لذاتہ ہوتی ہے اور کبھی لغیرہ شراب بیچنا قبیح لذاتہ ہے اور اذان جمعہ سے لے کر اختتام جمعہ تک خرید وفروخت کرنا وذروا البیع (جمعہ:۹) کے خلاف ہے اور یہ کاروبار حرام لغیرہ ہوگا یہ قبیح لغیرہ ہے قباحت اسکی ذات میں نہیں ایک خارجی سبب سے وجود میں آئی ہے۔

## مطلق اور مقید

مطلق وہ خاص ہے جو اپنے حقیقی معنی پر بغیر کسی قید کے دلالت کرے مثلاً انسان، طائر، امرأۃ ان سے ان کے حقیقی معنی بدوں کسی قید کے مراد ہوتے ہیں مقید سے مراد کچھ ایسی صورتیں ہیں جن کے باعث مطلق اپنے حال پر باقی نہ رہے صفت شرط زمان مکان عدد اور حال کی اس میں قید آجائے سو مقید وہ خاص ہے جو اپنے افراد میں سے کسی پر کسی قید کے ساتھ دلالت کرے۔ مطلق کو اس کے اطلاق پر رکھنا اور مقید پر قید کی رعایت سے حکم لگانا ضروری ہے۔ قسم اور قتل دونوں کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے قسم کے کفارے کے لیے محض غلام کو آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قتل کے کفارے میں غلام کے ساتھ مومن کی قید لگی ہے۔ قسم کے کفارے میں کسی بھی غلام کو آزاد کیا جاسکتا ہے لیکن قتل کے کفارے میں مطلق غلام نہیں غلام بقید ایمان مطلوب ہے اس کفارہ میں اسے آزاد کیا جائے گا یہ مقید کا بیان ہوا۔

## مطلق اور مقید کی دونوں صورتیں

بعض نصوص مختلف مواقع میں مذکورہ ہیں کسی جگہ مطلق اور کسی جگہ مقید مثلاً فرمایا یغفر مادون ذلک اللہ تعالیٰ شرک کے سوا سب گناہ بخش دیں گے پھر دوسری جگہ اس میں قید ذکر فرمائی یغفر مادون ذلک لمن یشآء اب آیت جہاں جہاں مطلق ہے اسے مقید پر محمول کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں خون کو مطلقا حرام فرمایا حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر (المائدہ) اور دوسری جگہ سورۃ الانعام میں مسفوح کی قید لگادی یعنی بہتا ہوا خون سو یہاں بھی مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

اسباب ساتھ مذکور ہوں تو پھر مطلق کو مقید پر محمول نہ کیا جائے گا بعض روایات کی رو سے صدقۃ الفطر دوسروں کی طرف سے دینا کفالت اور پرورش کی بنیاد پر ہے اس صورت میں کافر غلام کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر دیا جائے گا گو بعض دوسری روایات میں غلام کے ساتھ مسلمان ہونے کی قید بھی لگی ہے یہاں مطلق کو مقید نہ کریں گے اور غلام خواہ مسلمان ہو یا کافر دونوں کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کیا جائے گا یہ قید اتفاقی سمجھی جائے گی۔

# عام و خاص

## عام کا بیان

لفظ جس معنی کے لیے بنا ہے اس ایک معنی کے ساتھ وہ لا تعداد افراد کے لیے استعمال ہو تو اسے عام کہیں گے کئی لوگ عام اور مطلق میں فرق نہیں کر پاتے مطلق کا اطلاق اپنے افراد میں سے کسی ایک غیر معین پر ہوگا جیسے تحریر رقبہ (کوئی ایک گردن آزاد کرنا) رقبہ گو غیر معین ہے مگر اس سے مراد ایک فرد واحد ہے عام اپنی وضع میں ابتداء سے ہی غیر محصور افراد پر وارد ہوتا ہے۔

پھر عام کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ عام محمول بر عموم ۲۔ عام مطلق

قرآن پاک کی آیت وجعلنا من الماء کل شیء حیی (الانبیاء) میں ایک عام ضابطے کا بیان ہے اور یہ مقام ہر تخصیص سے مانع ہے یہ عام قطعی طور پر اپنے عموم پر محمول ہوگا۔

قرآن پاک کی آیت فاقرء و امائیسر من القران یہ عموم پر اس لیے محمول ہے کہ اس کے لیے تخصیص کی کوئی دلیل نہیں پائی گئی اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن میں سے جو کچھ ہو سکے نماز میں پڑھا کرو (یہاں کوئی تخصیص نہیں کی گئی) نماز ہو جائے گی۔

پھر ایسے عام بھی ہیں جو کسی قرینہ کی وجہ سے خاص ہو گئے اور ایسے بھی ہیں جنہیں کسی دلیل نے خاص کر دیا قرآن کریم میں ہے وللہ علی الناس حج البیت (آل عمران) کہ تمام لوگوں پر حج فرض ہے مگر ظاہر ہے کہ بچے، غلام اور دیوانے ان لوگوں میں نہیں سو لفظ الناس عام ہونے کے باوجود (قرینہ عقلیہ سے) محمول بر خصوص ہوگا حج اسی پر فرض ہے جو مکلف ہو۔

اسی طرح قرآن کریم میں ان رشتوں کے بعد جو حرام ٹھہرائے گئے فرمایا:۔

واحل لکم ماوراء ذلکم (پ۵ النساء)

ترجمہ: اور ان کے علاوہ جو رشتے بھی ہیں وہ تمہارے لیے حلال کیے گئے۔

اس آیت میں لفظ ما (جو بھی ہو) عام ہے مگر یہ بھی خصوص پر محمول ہوگا کیوں کہ ان عورتوں کے سوا اور بھی کچھ عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنا ناجائز رکھا گیا جیسے غیر کتابی کافرہ سے مسلمان کا نکاح یا مرتدہ سے نکاح۔

## خاص کا بیان

۱۔ عام کو اس کے بعض افراد میں منحصر کرنا تخصیص کہلاتا ہے یہ تخصیص کسی قرینہ عقلیہ سے ہو تو اس کا حکم قطعی ہی رہے گا اور اگر اسے کسی مستقل دلیل کی بناء پر خاص کیا جائے تو اس کا حکم قطعی نہیں ظنی درجے میں ہوگا۔

۲۔ تخصیص کا عمل اس وقت تک جاری رہ سکتا ہے جب کہ عام کے تحت افراد باقی ہوں اگر اس عام کا کوئی فرد باقی نہ رہے سب خصوص میں آجائیں تو وہ عام مخصوص نہیں، متروک کہلائے گا اب وہ عام کسی درجے میں نہیں رہا۔

۳۔ اگر کسی عام میں بالاتفاق کوئی تخصیص ہو جائے جیسے مسافر پر بالاتفاق جمعہ فرض نہیں تو اب اس عام سے اور تخصیصات کے لیے تخصیص کی عام شرطیں عام نہ ہوں گی خبر واحد سے بھی یہ دوسری تخصیص ہو سکے گی۔

۴۔ بعض عام قطعی ہوتے ہیں اور بعض ظنی (جس عام میں کوئی تخصیص ہو چکی ہو) عام قطعی کی تخصیص کے لیے مخصص کا بھی قطعی ہونا ضروری ہے کسی خبر واحد سے قرآن کریم کے عام قطعی کی تخصیص نہیں ہو سکتی البتہ عام مخصوص منہ البعض کی ہو سکتی ہے۔

## تخصیص اور تقیید میں فرق

تخصیص عام میں ہوتی ہے (اس لفظ میں جو ایک معنی کے ساتھ کئی افراد پر بولا جائے) اور تقیید مطلق کی ہوتی ہے (جو اپنے افراد میں سے کسی ایک معین فرد پر بولا جائے) تخصیص سے مفہوم میں تصرف ہوتا ہے اور تقیید سے اس کے لغوی مفہوم میں کسی قید کا اضافہ کیا جاتا ہے الرجل کا ایک لغوی مفہوم ہے جب آپ نے کہا الرجل الفقیر تو اس مفہوم میں ایک اضافہ ہوا ہے اس میں تصرف نہیں ہوا سو تقیید آئندہ کے کلام سے ہوگی مگر تخصیص بغیر کلام قرائن سے بھی ہو سکتی ہے

## مخصصات

جن امور سے حسب موقع تخصیص کی جا سکتی ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ قرآن وحدیث کی دوسری نصوص سے۔

۲۔ حدیث متواتر جو علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔

۳۔ اجماع متواتر۔

۴۔ حدیث مشہور۔

۵۔ اجماع مشہور۔

۶۔ عقل اور قیاس (حس اور عرف بھی ان میں داخل ہیں)

ان میں سے کس عام میں کس مخصص سے تخصیص ہو سکے گی اس کے لیے اصول فقہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے ہر خواندہ ناخواندہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی رائے سے عمومات کی تخصیص کرنے لگے اس کے لیے مجتہدانہ علم کی ضرورت ہے غیر مجتہد ان کے پیچھے نہ لگیں۔

# مشترک اور مؤول

## مشترک اور عام فرق

۱۔ عام کا معنی (جس کے لیے وہ لفظ بنا) ایک ہوتا ہے گو وہ اس معنی کی رو سے ہزاروں افراد پر بولا جائے لیکن مشترک وہ لفظ ہے جو ایک سے زائد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ مشترک کئی معانی پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ عام سے اس کے تمام افراد بیک وقت مراد لیے جاسکتے ہیں لیکن مشترک سے اس کا کوئی ایک ہی معنی مراد لیا جاسکتا ہے بیک وقت اس کے تمام معانی مراد نہیں لیے جاسکتے۔

## مؤول

وہ لفظ مشترک جو اپنے معنی موضوع لہ کے اعتبار سے کئی معنوں پر مشتمل تھا اس کے کسی ایک معنی کو قرائن کی رو سے کسی دوسرے سے معنی پر راجح کر دیا جائے۔

مثلاً لفظ قرء دو معنوں میں مشترک تھا (۱۔حیض، ۲۔طہر) جب اس کو حنفیہ نے ایک معنی میں متعین کر دیا اور اس کے ان کے پاس قرائن تھے تو اب یہ لفظ مؤول قرار پائے گا کہ اس کی مراد واضح کی جاچکی ہے یہ تعیین اگر قطعیت کے ساتھ کی جائے تو اسے مفسر کہیں گے اگر گمان غالب سے کی گئی ہے تو وہ مؤول ہی کہلائے گا۔

## ظہور و خفاء کے پہلو سے لفظ کی مختلف قسمیں

### ۱۔ظاہر

جس کو سننے والا سنتے ہی بغیر کسی غور و فکر کے اس کے معنی سمجھ لے جیسے قرآن کریم کا بیان ہے:۔

واحل اللّٰہ البیع وحرم الربٰو (پ۳، البقرہ آیت ۲۷۵)

ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ اس میں بیع کی حلت اور سود کی حرمت کا بیان ہے۔

### ۲۔نص

صریح عبارت کلام جس میں بات معرض خفا میں نہ رہے۔ نص کی عبارت از خود واضح ہوتی ہے اس کی دلالت اور کس کس مضمون پر ہے اس پر غور کرنا پڑتا ہے۔

۳۔مفسر

بات اس قدر واضح ہو کہ تاویل وتخصیص کا کوئی احتمال راہ نہ پائے جیسے:۔

قاتلوا المشرکین کافة

کافۃ کی قید کی وجہ سے کسی تخصیص کا احتمال نہ رہا۔

اقیموا الصلوٰة واٰتو الزکوٰة

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور آپ کے عمل کی وجہ سے مفسر ہے اور نماز سے بھی متوارث نماز مراد ہے۔

۴۔محکم

وہ بات جو نہایت پختہ ہو اور اس میں کسی تاویل وتخصیص کا احتمال نہ رہے اس کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔محکم لذاتہ ۲۔محکم لغیرہ

## خفا کے پہلو سے لفظ کی مختلف قسمیں

۱۔خفی یہ ظاہر کا مقابل ہے۔

سارق کا مفہوم ظاہر تھا جیب کترے پر یا کفن چور پر یہ لفظ صادق آتا ہے یہ بات وجہ خفی میں ہے کفن کا چونکہ کوئی محافظ نہیں اس لیے کفن چور سارق کی حد میں نہ آئے گا بخلاف جیب کترے کے کہ وہ مال کو اس کے مالک سے نکالتا ہے۔

۲۔مشکل یہ نص کا مقابل ہے۔

لفظ مشترک ہے معنی مراد کیا ہے اس میں اشکال ہے پھر مجازی معنی کی اصل سے زیادہ شہرت ہو تو یہ بھی ایک وجہ اشکال رہے گی یا کوئی اور دوسری نص اس کے مقابل نظر آتی ہے۔

۳۔مجمل یہ مفسر کا مقابل ہے

۱۔غرابت (لفظ غیر معروف ہو)

۲۔صرفی اعتبار سے اشتباہ جیسے لفظ مختار (اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں صورتیں رکھتا ہے)

۳۔اشتراک (کسی ایک معنی کا تعین مشکل ہو) یا ضمیر کا مرجع آسانی سے طے نہ ہو سکے۔

۴۔متشابہ یہ محکم کا مقابل ہے۔

نہ متکلم نے مراد واضح کی ہو اور نہ کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے مراد واضح کی جا سکے۔

الفاظ جو اور مرادات کے حامل ہیں اس سے ملتے جلتے ہوں متشابہ لگتا ہو۔

(نوٹ) ظہور و خفا کے لحاظ سے ان اقسام کے الفاظ قرآن کریم میں بھی ہیں اور احادیث میں بھی ملتے ہیں اپنے ظہور و خفا کے اعتبار سے پھر ان کے اپنے اپنے احکام ہیں۔

## معنی مراد معلوم کرنے میں مشکلات کی مثالیں

۱۔قرآن کریم کی آیت نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم (البقرہ آیت ۲۲۳) میں لفظ انی مشترک ہے کیف متی اور این کے معنی میں شیعوں نے اسے این کے معنی میں لیا ہے۔

۲۔ جنت کے برتنوں کے بارے میں فرمایا اس کے شیشے چاندی کے ہوں گے عربی میں قارورہ شیشے کا ہوتا ہے چاندی کا نہیں یہ استعارہ بہت گہرا ہے۔

۳۔آیت وضو میں فرمایا وامسحوا برؤسکم اپنے سروں کا مسح کرو مگر سر کی مقدار بیان نہیں کی جس پر مسح کرنا ضروری ہے یہ آیت مجمل شمار ہوگی اور اسے حدیث کی روشنی میں مفصل سمجھا جائے گا۔

۴۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے بل یداہ مبسوطتان (المائدہ) اس کے (اللہ تعالیٰ کے) دونوں ہاتھ کھلے ہیں ید (ہاتھ کے)۔ معنی لغت میں واضح ہیں لیکن کلام خداوندی میں لیس کمثلہ شیء (پ۲۵، شوریٰ آیت ۱۱) سے ان معنی کا انکار کر دیا گیا ہے اب اس کے معنی مراد کیا ہیں قرآن کریم میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی اور حضورؐ نے بھی ان کی تعیین و وضاحت نہیں کی۔ اب ہمارے لیے لغت کے سہارے ان کی تفصیل جائز نہ ہوگی، یہ متقدمین کا مذہب ہے۔ بعض متاخرین نے غیر قوموں کے اعتراضات اٹھانے کے لیے اسلام کے اصولی عقائد کی رعایت کے ساتھ ان کی کچھ تفصیل کی ہے لیکن وہ بھی اپنی اس رائے کو حتمی نہیں کہتے غیر قوموں کو مطمئن کرنے کی ایک وقتی مصلحت کہتے ہیں اس کے اصل معنی

مراد اللہ ہی جانتا ہے۔

حق یہ ہے کہ مرادات قرآن کو واضح کرنے کے لیے لغت وادب اصل نہیں ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اصل ہے جب آپ نے اور صحابہ نے ان کی تفصیل نہیں فرمائی تو اب ان کی تفصیل کرنا ایک بدعت کی راہ ہوگی محدثین کا مذہب یہی ہے۔ وھو الحق عند

## حقیقت ومجاز کے تین مختلف تخاطب

یہ الفاظ کا پیرایہ بیان ہے اگر ان کا حقیقت یا مجاز ہونا بالکل واضح ہو تو انہیں صریح حقیقت اور صریح مجاز کہا جائے گا بصورت دیگر اسے پیرایہ کنایہ کہیں گے اس اعتبار سے الفاظ کی چار قسمیں ہوئیں۔ حقیقت اور مجاز کی اس معرکہ آرائی میں تخاطب ساتھ ملحوظ ہوگا کہ الفاظ ابتدائی سطح میں وضع لغوی میں ہیں یا وضع شرعی میں یا وضعی عرفی میں پھر جو بھی تخاطب ہوگا اس پہلو سے حقیقت اور مجاز اپنی ان چار صورتوں میں چلیں گے۔

اسلام میں نماز کی حقیقت وہ عمل ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچا اور پوری امت نماز سے وہی مراد لیتی ہے یہ نماز کی حقیقت ہے تخاطب شرعی میں گو لغوی تخاطب میں صلوۃ کے معنی کو لہے مٹکانا کے ہوں۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے تو وہ اس دوران نماز میں سمجھا جائے گا مگر نماز کا یہ معنی تخاطب شرعی میں حقیقت نہیں مجاز شرعی قرار دیا جائے گا۔

اس مختصر بیان سے ہم صرف یہ بتلا رہے ہیں کہ اصول فقہ میں حقیقت ومجاز کے ان تمام پیرایوں کو ملحوظ رکھا جائے گا اور انہی کے مناسب ان پر احکام مرتب ہوں گے۔

## نص کے مختلف پیرائے

فقہ کی اصل کتاب وسنت ہیں قرآن کریم میں یا احادیث میں جو احکام وارد ہوئے ہیں وہ صریح عبارت میں ہوں تو اسے عبارت النص کہیں گے اور اگر ان میں علت کے اشتراک سے کوئی اور مسئلہ بھی کھلے تو اس پر اس نص کی راہنمائی دلالۃ النص کہلائے گی قرآن کریم میں ہے شہداء زندہ ہیں یہ عبارۃ النص ہے مگر اس آیت سے حیات انبیاء کا استدلال دلالۃ النص کے طور پر ہوگا کہ انبیاء کا درجہ شہداء سے بہت آگے کا ہے۔

## اشارۃ النص

کسی کلام کے وہ معنی جو ذرا سے غور وفکر سے ذہن میں آجائیں مگر کلام اس کے لیے صادر نہ ہوا ہو۔ اسے اشارۃ النص کہتے ہیں۔

مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ جس کا بچہ ہے اس بچے کو دودھ پلانے والیوں کا کھانا، کپڑا، نان اور نفقہ اس بچے والے کے ذمہ ہے یہ بات اس طرح عبارۃ النص میں ہے:۔

وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن (پ۲، البقرہ:۲۳۳)

مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بچے کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور اسی سے اس کا نسب چلتا ہے۔ یہ مسئلہ اس آیت میں اشارۃ النص کے طور پر پایا جاتا ہے تاہم یہ کلام اس لیے نہیں کیا گیا کہ اس میں یہ بات بتلانی مقصود تھی۔ یہ بطور اشارہ معلوم ہوگئی۔

## اقتضاء النص

عبارت سے باہر وہ معنی ومفہوم جس کا اعتبار اس کلام کی صحت کے لیے ضروری ہو عبارت اپنے اصل الفاظ سے زائد کسی ایسی بات کا تقاضا کرے جس کے بغیر کلام درست نہ ٹھہرے۔

قرآن کریم میں مختلف تقاضوں پر گردن آزاد کرنے تحریر رقبہ کا بیان ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس سے کسی غلام کو آزاد کرنا مقصود ہے آزاد شخص کی رہائی مراد نہیں قرآن پاک میں اس کا غلام ہونا مذکور نہیں لیکن کلام کی صحت کا تقاضا ہے کہ غلام کی گردن آزاد کی جائے پھر یہ مراد بھی نہیں کہ کوئی غلام ہو بلکہ اپنا غلام مراد ہے یہ نہیں کہ کسی کے غلام کو پکڑ کر آزاد کردے۔ سو مراد آیت یوں واضح ہوگئی تحریر رقبۃ لمملوکۃ یہ خارج لفظ اس نص کا تقاضا تھا جسے ہم نے واضح کردیا ہے اسے اقتضاء النص کہتے ہیں۔

## دلالۃ النص اور قیاس میں فرق

دونوں میں قدر مشترک ایک ہے اسی کی بنا پر ایک حکم لگتا ہے یہ وہ علت ہے جو دونوں میں مشترک ہے لیکن دلالۃ النص کی بنیاد عبارت ہے اور قیاس کی بنیاد اجتہاد واستنباط۔ دلالۃ النص تک انسان عبارت سے پہنچ جاتا ہے مگر قیاس ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس کے

لیے مجتہد کا اجتہاد چاہیے دلالۃ النص سے جو بات سمجھ میں آئے اس میں عام قطعیت ہوتی ہے اور اجتہاد کی راہ سے جو بات ملے اس میں ظنیت رہے گی اور صواب وخطا دونوں کا احتمال رہے گا دلالۃ النص کا مصداق عبارت کا مفہوم موافق ہوتا ہے۔

## عبارۃ النص اور اشارۃ النص کا فرق

دونوں کا تعلق الفاظ سے ہے عبارۃ النص مقصود کلام ہے جس کی خاطر بات کی گئی اور اشارۃ النص مقصود کلام نہیں ہوتا اس کی طرف ذہن کو متوجہ کریں تو بات مکمل کر سامنے آجاتی ہے یہ اشارہ اسی عبارت سے ہمیں ملا ہے۔

## دلالۃ النص اور اقتضاء النص میں فرق

دونوں کا تعلق عبارت کے لازم معنی ہے مگر اقتضاء کا مصداق عبارت مدلول نہیں ہوتا۔ عبارت کے صحت وصدق کے لیے اس مدلول کو عبارت کے منطوق کے ساتھ لازم کیا جاتا ہے کلام کی صحت کے لیے اقتضاء کی نوبت آتی ہے جیسے ان اللّٰہ مجاوزعن امتی الخطاء والنسیان کا دور ہونا مراد نہیں اس کے گناہ کا دور ہونا مراد ہے کہ میری امت سے جو گناہ بطور خطا اور نسیان صادر ہوں ان پر مواخذہ ہوگا اسے اللہ نے اٹھا دیا ہے۔ خطاء ونسیان کا اقتضاء وزر الخطاء والنسیان ہے۔ قرآن کریم کی آیت واسئل القریۃ میں بستی سے پوچھنا مراد نہیں اقتضاء اہل القریہ ہے سوال لوگوں سے ہوسکتا ہے زمین سے نہیں۔

نوٹ: عبارۃ النص کا مدلول قطعی ہوتا ہے دلالۃ النص اور اشارۃ النص کا مدلول کبھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتا ہے اور اقتضاء النص تعین کے بعد قطعی ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم سے لے کر دور تک رشتے حرام کیے گئے ہیں۔ ان کی حرمت عبارۃ النص سے اور رضاعی رشتوں سے جو خالہ بنی یا بھانجی اور بھتیجی بنی اس کی حرمت اشارۃ النص سے ثابت ہوئی دادیوں اور نانیوں کی حرمت علت کے اشتراک کے باعث دلالۃ النص سے ثابت ہوئی اور حرمت علیکم میں ان سے ملنا حرام نہیں کیا گیا ان سے نکاح کرنا حرام کیا گیا ہے یعنی ان سے تزوج حرام ہے یہ اقتضاء النص ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص

چاروں پیرائے ظاہر ہیں۔

## حقیقت اور مجاز

الفاظ کی اپنے معنی پر دلالت جب لغت کے اعتبار سے ہو تو یہ حقیقت ہے اور جب کسی مناسبت سے لفظ ان معنوں میں لایا جائے جن کے لیے وہ بنا نہیں تو یہ مجاز ہو گا ہر زمان میں حقیقت و مجاز کی یہ معرکہ آرائی قائم ہے اور علم معانی اور بیان میں الفاظ کی انہی قدروں سے بحث ہوتی ہے فقہ میں الفاظ سے احکام ثابت کیے جاتے ہیں اس لیے فقہ میں حقیقت اور مجاز دونوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے تاکہ واقعات اور بیانات پر صحیح احکام مرتب ہو سکیں۔

## حقیقت اور مجاز کے استعمال کا لحاظ

جب تک کسی لفظ کا حقیقی معنی لینا موقع استعمال کے پیش نظر متعذر نہ ہو اس کے مجازی معنی مراد نہ لیے جائیں گے ہر لفظ میں اصل حقیقت ہے مجاز موقع کی مناسبت سے بعد میں بنتا ہے اور اگر کوئی اپنی بیوی کو کہے جا میں نے تجھے آزاد کیا تو یہاں حقیقی معنی مراد نہ ہوں گے کیونکہ آزاد غلاموں اور باندیوں کو کیا جاتا ہے اور بیوی آزاد تھی باندی نہ تھی پھر آگے دو معنوں کا احتمال ہے کہ اس کی مراد اسے کام کاج سے آزاد کرنا ہے یا مراد طلاق تھی اس کی نیت پر فیصلہ ہو گا۔

## حقیقت اور مجاز دونوں کا جمع کرنا

کسی ایک لفظ کو اس کے ایک موقع استعمال پر دونوں معنوں میں نہیں لے سکتے یا حقیقی معنی مراد ہوں گے یا مجازی یہ نہیں ہو سکتا کہ شیر سے جنگل کا شیر بھی مراد لے رہے ہوں اور اس کا معنی بہادر بھی کیا جا رہا ہو۔ ہاں عموم مجاز میں کبھی حقیقت کو بھی داخل کیا جا سکتا ہے ایک شخص کہتا ہے میں فلاں شخص کے گھر پاؤں نہیں رکھوں گا۔

۱۔ پاؤں بغیر جوتے کے رکھنا اس کے حقیقی معنی ہیں۔

۲۔ اور جوتے کے ذریعہ یا کسی سواری کے ذریعہ رکھا جائے یہ اس کے مجازی معنی ہیں عموم مجاز میں حقیقی معنی کو بھی ساتھ رکھا جا سکتا ہے۔

## مجاز مرسل کی مختلف صورتیں

۱۔سبب کا اطلاق مسبب پر اور مسبب کا سبب پر۔

۲۔کل کا بعض پر اور بعض کا کل پر۔

۳۔عام کا خاص پر اور خاص کا عام پر۔

۴۔مطلق کا مقید پر اور مقید کا مطلق پر۔

۵۔حال کا محل پر اور محل کا حال پر۔

۶۔مضاف کا مضاف الیہ پر اور مضاف الیہ کا مضاف پر۔

۷۔لازم ملزوم کے معنی میں اور ملزوم لازم کے معنی میں۔

اس طرح مجاز مرسل کی کچھ اور صورتیں بھی ہیں۔

## صریح اور کنایہ

لفظ کے سننے سے بات سمجھ میں آجائے یہ صریح بات ہے اور کنایہ میں بات اشارۃ کہی جاتی ہے لفظ کنیت کنایہ سے ہے۔

کسی شخص نے اپنی بیوی کو انت طالق کہہ کر طلاق دے دی یہ صریح طلاق ہے اور اسے کہا کہ تو عدت شمار کر یہ کنایہ میں طلاق دینا ہے یہ لفظ لغت میں طلاق کے لیے نہیں بنا اس لیے یہاں اس کا استعمال کرنا کنایہ بھی ہے اور مجاز بھی طلاق کا کنایہ تخاطب شرعی میں ہے اور مجاز تخاطب لغوی میں ہے۔

## منطوق اور مفہوم

### منطوق

لفظ کے وہ معنی جن کے لیے وہ لفظ بنا، اس کے مقابل لفظ مسکوت عنہ ہے (یعنی اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی گئی) اور جو بات منطوق میں عبارۃً نہیں کہی گئی مگر اس سے صاف سمجھ آرہی ہے وہ منطوق ہے

منطوق کی اپنے معنی مراد پہ دلالت کبھی صریح ہوتی ہے کبھی غیر صریح اسے عبارۃ النص بھی کہتے ہیں اور کبھی یہ دلالت غیر صریح ہوتی ہے اسے اقتضاء النص بھی کہہ دیتے ہیں

غیر صریح اگر مقصود نہ ہو تو احناف کے ہاں وہ اشارۃ النص ہے۔

## مفہوم موافق

لفظ کسی ایسے معنی پر دلالت کرے جسے منطوق شامل ہو احناف اسے دلالۃ النص بھی کہتے ہیں اسے مفہوم الخطاب بھی کہتے ہیں۔

## مفہوم مخالف

منطوق کا جو حکم ہے اس میں کوئی ایسی قید نہیں پائی گئی جس کے باعث اس حکم کے خلاف اس کے مسکوت عنہا کے حق میں نہ دیا جا سکے اسے مفہوم مخالف کہتے ہیں۔

بات کے جس پہلو کا ذکر منطوق میں نہیں ہے اس کے لیے منطوق کے حکم کی ضد ثابت کرنا یہ مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا ہے مفہوم مخالف کا مدار کلام میں ذکر کردہ قیود کے نہ پائے جانے پر ہے۔

## مثالیں

۱۔ حدیث میں **انما الطاعة فی المعروف** اس کا مفہوم یہ ہے کہ امیر کی اطاعت معروف کاموں میں ہی ہے اس میں مفہوم مخالف یہ ہے کہ منکر (معروف کی ضد) کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں اس صورت میں مفہوم مخالف کا اعتبار بالاتفاق درست ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں ہے:۔

تم میں سے جو طاقت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو تمہاری مومن باندیوں سے جو تمہاری ملک میں ہیں نکاح کرلیوے (پ۵، النساء)

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو شخص آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو اسے مومن باندیوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ مسئلہ یوں نہیں ہے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

۳۔ ایک گری عمارت میں داخل ہوئے ایک شخص نے آواز دی **القارورة مکسورة** (شیشہ ٹوٹا ہوا ہے) اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دروازہ ٹوٹا ہوا نہیں ہے یہ مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا ہے۔ (جو کہ بالاتفاق جائز نہیں)

۴۔ حدیث میں ہے لا یبولن

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا اور پھر اس سے غسل کرنا ایسا ہرگز نہ کرے اس کا مفہوم مخالف وصف سے یوں لیا جائے گا کہ جس ٹھہرے پانی میں پیشاب نہیں کیا اس سے ضرور غسل کریں۔

۵۔ تین طلاق ہوئی عورت جب تک کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے اور اسے طلاق نہ ملے اس کا پہلے مرد سے نکاح حلال نہیں۔ اب جب وہ دوسرا مرد طلاق دے دے تو وہ پہلی حرمت جاتی رہی۔ اب وہ دوسرا نکاح کرے یا نہ کرے وہ حرمت جاتی رہی۔

یہ مفہوم مخالف کی مختلف قسمیں ہیں پہلی مثال مفہوم حصر کی ہے۔ دوسری مفہوم شرط کی۔ تیسری مفہوم لقب کی۔ چوتھی مفہوم وصف کی ہے اور پانچویں مثال مفہوم غایت کی ہے۔

## اجماع

### اسلام میں اجماع کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے اس امت (حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت) کو مجموعی طور پر برباد ہونے اور باطل پر جمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے اس امت کا کسی چیز پر متفق ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بات صحیح ہے اسلام میں امت محمدیہ کا اجماع معصوم تسلیم کیا گیا ہے اس امت کا پہلا طبقہ صحابہ کرامؓ تھے یہ سب حضورؐ سے تزکیہ قلب کی دولت پائے ہوئے تھے اس لیے ان کا کسی بات پر متفق ہو جانا (جیسے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت اور خلافت پر جمع ہو گئے یا جمع قرآن کی مہم میں قرآن کریم کو ایک کتاب کی صورت میں لانے پر سب متفق ہو گئے کسی ایک نے بھی وہ قریب ہو یا دور کوئی اختلاف نہ کیا یا مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں وہ سب انکار ختم نبوت کے کفر ہونے اور لائق جہاد ہونے پر یہ جمع ہو گئے تھے) اس کے حق ہونے کا نشان ہے۔

صحابہؓ کے بعد امت میں ہر طرح کے اچھے برے لوگ پائے گئے (گو تابعین کے دور میں برے بہت کم لوگ ہوں گے) اس لیے اب ان ادوار میں ہر کہ و مہ کی رائے کا اعتبار نہ ہوگا اب اجماع کی اصطلاحی تعریف یہ کی جائے گی:۔

کسی زمانے کے تمام معتمد علمائے مجتہدین کا کسی امر پر متفق ہونا۔

یہ امت کسی ایک دور میں بھی باطل پر جمع نہیں ہو سکتی اس لیے علمائے مجتہدین کسی

ایک دور میں بھی کسی بات پر جمع ہو جائیں تو اجماع امت منعقد ہو جاتا ہے جسے بعد کا کوئی اختلاف (گو کسی بڑے سے بڑے آدمی کا ہو) نہیں توڑ سکتا۔

جیسے ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں پر تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے کہ یہ تینوں ہی واقع ہوتی ہیں اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں اس پر کسی مجتہد کا اختلاف نہیں ملتا سو بعد میں حافظ ابن تیمیہ کا اس سے اختلاف اس پہلے اجماع کو نہ توڑ سکے گا اس لیے اب تک اجماع امت وہی شمار ہوتا ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

اجماع کے لیے ضروری نہیں کہ سب اہل علم کسی ایک مجلس میں شریک ہوں یا اس میں تمام بلاد کی نمائندگی ہو یا ایک ہی دن میں سب اہل علم نے اس پر اتفاق کیا ہو۔ اگر کسی جگہ عامہ اہل علم کسی بات پر متفق ہو جائیں اور وہ بات جوں جوں دیگر اہل علم تک پہنچے سب اس پر متفق ہوتے جائیں یہاں تک کہ تمام بلاد اسلامیہ اسے امت کا فیصلہ تسلیم کرلیں اور پھر یہی نہیں کہ اس پر کوئی مختصر لحہ اوقات گزرے سالوں تک اس پر کوئی نقد نہ ہو پھر صدہا سال مسلمانوں کا یہی موقف سمجھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنے سے چارہ نہ رہے گا کہ یہ اجماع امت ہے اور امت کے معتمد علمائے مجتہدین سب اسی رائے پر جمع ہیں۔

مجتہدین کی انفرادی آراء میں خطاء کا احتمال رہتا ہے لیکن مجتہدین کے اجماع میں احتمال خطاء نہیں رہتا اجماع کی وجہ سے اس رائے میں اللہ تعالی کی رضا سامنے آجاتی ہے اب یہ جو فیصلہ ہے اس سے اللہ راضی ہے اس لیے کہ اب یہ سبیل المومنین ہو چکی ہے۔

## سبیل المومنین کا خلاف جہنم کی راہ ہے

ومن یشاق الرسول من بعد ماتبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم وساءت مصیرا

(پ۵، النساء ۱۱۵)

ترجمہ: جو شخص اس رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ ہدایت کی راہ اس کے سامنے کھل گئی تھی اور وہ چلا سبیل مومنین کے خلاف تو ہم اسے ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ خود پھرا اور اسے جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

اس سے سبیل المومنین کی شرعی قوت اکبر سامنے آتی ہے۔

امام طحاوی ایک مقام پر اجماع کی قوت اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

فدل اجماعهم علی نسخ ماقد تقدمه من قول رسول الله صلی الله علیه وسلم لان الله عزوجل لم یکن لیجمعهم علی ضلال. (طحاوی شریف جلد۱،ص۱۴۲)

ترجمہ: پس ان کا اجماع اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس سے پہلے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گزری ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی دوسرے عمل سے وہ منسوخ ہوگئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں (امت کو) گمراہی پر جمع نہیں ہونے دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امت کے خیر اور حق پر ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ محدثین نے ان کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں سبیل المومنین سے مراد اجماع ہے۔

مولانا عبدالحلیم لکھنوی نورالانوار کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:۔

وفائده الاجماع بعدوجود السند مسقط البحث وصيرورة الحكم قطعيا. (نورالانوار ص۲۲۲)

ترجمہ: جب کوئی بات سند سے پائی گئی اور اس پر اجماع ہوگیا تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آئندہ اس پر بحث نہ ہو سکے گی اور وہ حکم (جو اجماع سے پہلے قطعی نہ تھا) اب قطعی ہو جائے گا۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں ائمہ اربعہ اور ان کے پائے کے دوسرے علماء (جیسے حضرت امام سفیان ثوری امام اوزاعی وغیرہ) کے اتفاق کے باعث اب یہ ایک قطعی مسئلہ شمار ہوگا اور اس اجماع کے بعد کے کسی عالم کا کوئی اختلاف اس اجماع کو توڑ نہ سکے گا طلاق ثلاثہ کے بارے میں ساتویں صدی کے ایک شافعی المذہب محدث کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامراته انت طالق ثلثا فقال الشافعي ومالک وابوحنيفة واحمد وجماهيرا العلماء من

السلف والخلف يقع الثلاث. (شرح صحیح مسلم جلد ص ۴۷۸)

ترجمہ: جس نے اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاق دیں تو اسکے بارے میں امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور تمام اگلے پچھلے علماء سب کا فیصلہ ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔

علامہ عینی کی عبارت اس سے بھی زیادہ واضح ہے جسے ہم آئندہ امام اسحٰق کے تذکرہ میں دے رہے ہیں دیکھیے عمدۃ القاری جلد ۲۰ ص ۲۲۳

## اجماع کی مختلف قسمیں

### ۱۔صریح

سب اہل علم مل کر کسی قول یا فعل کو اختیار کریں۔

### ۲۔سکوتی

کچھ اہل علم کسی بات کو اختیار کریں اور دوسرے اہل علم اس پر کسی قسم کا انکار نہ کریں۔

اس سکوت کے حجت ہونے کے لیے کچھ شرطیں ہیں:۔

۱۔سکوت کرنے والوں سے موافقت یا مخالفت کسی چیز کا صدور نہ ہو۔

۲۔ جب انہیں پہلے طبقہ کی فیصلہ کی اطلاع ملے انہیں اس پر غور کرنے کے لیے مناسب وقت ملے۔

۳۔مسئلہ زیر غور وہ ہو جس میں کتاب وسنت کی صراحت نہ ہو اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔

۴۔اسے سکوت سے تسلیم کرنے والے علماء مجتہدین ہوں۔

تاریخی لحاظ سے اجماع کے دو درجے ہیں:۔

۱۔اجماع صحابہؓ ۲۔اجماع علماء مابعد الصحابہ

اگر کسی مسئلے میں صحابہؓ کا اختلاف ہو (جیسے مسئلہ وتر میں اکثر صحابہؓ ایک طرف اور حضرت امیر معاویہؓ دوسری طرف) اور بعد از دور صحابہؓ تمام مجتہدوں کا اس میں کسی بات پر اجماع ہو جائے تو پہلا اختلاف اس اجماع کو نہ توڑ سکے اب امت کا تین رکعات وتر پر اکٹھا ہونا اجماع شمار ہوگیا۔

نوٹ: دین کے وہ مسائل یا عقائد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے تواتر کے ساتھ منقول ہوں اور ادوار مابعد میں ان میں اہل علم کا کسی قسم کا اختلاف نہ ہو تو یہ متواترات دین اجماع سے زیادہ قوت رکھتے ہیں

نواب صدیق حسن خان کی یہ بات بھی بہت مفید ہے حضرت عمرؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعت کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے (عون الباری جلد۴ ص ۳۰۷)

۱۔ اجماع ان مسائل میں ہوتا ہے جو مجتہد فیہ ہوں ان میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور متواتر وہ امور بھی ہو سکتے ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہوں ختم نبوت اور نزول مسیح کا عقیدہ اسلام میں متواتر چلا آرہا ہے۔

۲۔ حضورؐ کے بعد کا ہر مدعی نبوت کافر یا مرتد ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد صحابی ہیں، یہ مسئلہ متواترات میں سے ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت اجماعی منصوص نہیں محسوس ہے۔

## اجتہاد

جس مسئلے کا حکم کتاب وسنت اور اجماع صحابہ میں نہ ملے کتاب وسنت کے اصولوں میں غور وفکر کر کے اس مسئلے کا حکم دریافت کرنا یہ اجتہاد ہے مسئلہ پیش آمدہ کی نظیر کتاب وسنت میں مل جائے تو اس مسئلے کو اپنی نظیر کی طرف لوٹانا اور اس کا حکم معلوم کرنا یہ بھی اجتہاد ہے اس رد النظیر الی النظیر کو استنباط بھی کہہ دیتے ہیں۔

## اجتہاد کے تین مرحلے

اجتہاد سے اصل کو فرع تک لانے کے لیے علت کو تین مرحلوں سے گزرنا پڑے گا۔

۱۔ پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ کتاب وسنت کے اس حکم میں کون کون سے وصف علت بن سکتے ہیں۔

۲۔ پھر ان اوصاف کی تنقیح جو علت نہیں بن سکتے۔ اس سے وہ وصف جو علت بن سکتا ہے متعین ہو جائے گا۔

۳۔ پھر اس متعین وصف کو اس صورت حال میں تلاش کرنا جس کے لیے اجتہاد عمل میں لایا جارہا ہے پہلی صورت کو تخریج المناط دوسری کو تنقیح المناط اور تیسری کو تحقیق المناط کہتے ہیں۔

مثال: ایک بدو روزے کی حالت میں اپنی بیوی کے پاس گیا حضورؐ نے فرمایا روزہ ٹوٹ گیا قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں اس صورت حال میں یہ اوصاف قابل غور ہیں۔

۱۔ غلطی کرنے والا بدو ہے جو مسئلہ نہیں جانتا۔

۲۔ اپنی بیوی کے پاس گیا ہے جو روزے سے نہ تھی۔

۳۔ ارتکاب صحبت جس کی روزے میں ممانعت ہے۔

۴۔ اس بدو کو اپنے روزے کا پتہ تھا مسئلے کا پتہ نہ تھا۔

ان سب امور کو جاننا تخریج المناط ہے

ان اوصاف میں وہ وصف متعین جس پر روزہ ٹوٹا صرف صحبت ہے یہ اس حکم کی علت ہے باقی اوصاف چھانٹ دیئے گئے یہ تنقیح المناط ہے۔

اب اگر کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اس شخص نے روزے کی حالت میں صرف عمداً پانی پیا تو اس واقعہ کا حکم اس واقعہ کے لیے ایک نظیر ہوگا اور وہ علت اس نئے پیش آمدہ مسئلے میں تحقیقاً اترے گی اسے تحقیق المناط کہتے ہیں۔

مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تین مراحل سے گزرے پھر اسے ایک صورت کو دوسری پر قیاس کرنے کا حق ہوگا۔

## شرائط اجتہاد

اجتہاد کرنے کا حق ہر کسی کو نہیں دیا جا سکتا اہل اجتہاد ہی ہیں جن میں اجتہاد کی مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں۔

۱۔ عربی زبان کا پورا علم کیونکہ قرآن و حدیث کی اصل زبان یہی ہے۔

۲۔ قرآن و حدیث کا پورا پورا علم۔

۳۔ آیات احکام اور احادیث احکام پر خصوصی نظر۔

۴۔ پہلے جو اجتہاد (مثلاً خلفائے راشدینؓ اور دیگر فقہاء صحابہ کے) ہو چکے ہیں ان پر پوری نظر۔

۵۔ اجتہاد کے اصول و قواعد کا پورا علم۔

## مراتب اجتہاد

۱۔ اجتہاد مطلق ۲۔ اجتہاد در مذہب ۳۔ اجتہاد در مسائل

۴۔اجتہاد در تخریج ۵۔اجتہاد در ترجیح

فقہ حنفی میں تیسرے درجے کے مجتہد شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی اور قاضی خاں تھے۔ چوتھے درجے کے مجتہد حافظ ابوبکر الجصاص الرازی اور ابوالحسن کرخی اور پانچویں درجے کے مجتہد علامہ قدوری اور علامہ برہان الدین صاحب ہدایہ معروف ہستیاں گزری ہیں۔

## اجتہاد کی چار معروف راہیں

۱۔قیاس ۲۔استحسان ۳۔استصلاح ۴۔استصحاب

ان میں سے مجتہد جس راہ سے مسئلہ پیش آمدہ کا حکم پالے وہ مسئلہ شریعت ہی کی دریافت سمجھا جائے گا مجتہدین مسائل کے موجد نہیں ہوتے صرف مظہر (انہیں دریافت کرنے والے) ہوتے ہیں۔

مجتہد کے لیے سب سے اہم مرحلہ کتاب وسنت میں اس علت کو تلاش کرنا ہے جو کسی حکم میں موجود ہو اور نئے پیش آمدہ مسئلہ میں وہ وصف خارجی اس کے حکم میں مؤثر ہو سکے اس علت کو پالینے کے بعد ایسے بیسیوں مسائل کا حکم دریافت ہو سکے گا جن میں وہ علت مؤثر ہو اور اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ قیاس کی صحت کی تمام شرائط پائے جائیں۔

## قیاس

قیاس اصول فقہ کی اصطلاح ہے اور یہ لفظ اس عام معنی میں نہیں جس میں عوام اسے استعمال کرتے ہیں عوام کے خیال میں قیاس اپنے تجربات اور مشاہدات کی رو سے کوئی خیال قائم کرنا ہے اس رائے کی اساس محض اپنے خیالات اور ضرورات ہیں اصول فقہ میں قیاس کی بنیاد اپنے خیالات وتجربات نہیں کتاب وسنت ہیں مسئلہ پیش آمدہ کا حکم کتاب وسنت میں اور اقوال صحابہؓ میں نہ ہو تو اسے ایسے کسی دوسرے منصوص مسئلے پر قیاس کرنا بشرطیکہ اس قیاس کی صحت کی تمام شرطیں پائی جائیں۔

سو جو لوگ قیاس سے نفرت کرتے ہیں وہ عوام میں سے ہوتے ہیں اور قیاس کو وہ اس طرح سوچتے ہیں جو عوام کا ذہن ہوتا ہے اور جو لوگ اصول فقہ پڑھے ہوتے ہیں ان کے ہاں قیاس مجتہد کوئی معمولی بات نہیں۔ مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کرنے کی ایک اصل عظیم ہے۔

## قرآن کریم میں قیاس کرنے کا حکم

قرآن کریم میں حکم ہوا کہ اگر تم کسی امر میں باہم اختلاف میں پڑ جاؤ تو اس امر کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ یہ اس کے لیے بہترین راہ دریافت ہوگی

فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تومنون باللّٰہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا

(پ۵، النساء ۵۹)

ترجمہ: سو اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اس معاملے کو لوٹاؤ اللہ اور رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور انجام کار اچھی بات ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے آنحضرتؐ کی اس دنیوی زندگی میں تو نئے پیش آمدہ مسئلہ کو حضورؐ کی طرف لوٹایا جاسکتا تھا اب اس پر کیسے عمل کیا جائے؟

اب اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا اسے کتاب وسنت کی طرف لوٹانا ہوگا کہ نئے پیش آمدہ مسئلہ کی نظیر کتاب وسنت میں معلوم کی جائے اور پھر نئے پیش آمدہ مسائل کو ان کی نظائر کی طرف لوٹا کر ان کا حکم شرعی دریافت کیا جائے یہ ردالنظیر الی النظیر ہے اور یہی قیاس ہے جو مجتہد کی ذمہ داری ہے۔

جس آیت یا سنت سے اسے قیاس کیا جائے اسے اصل کہتے ہیں اور جو چیز بذریعہ قیاس معلوم کی جائے اسے فرع کہتے ہیں اصل اور فرع میں ایک علت جامعہ ہوتی ہے جو دونوں کو جمع کرتی ہے اور پھر دونوں میں جو حکم ملتا ہے اسے جامع کہتے ہیں حکم جامع وہ حکم ہے جو علت جامع کے سبب اصل میں موجود ہوتا ہے اگر وہ حکم اصل کے ساتھ خاص ہو تو پھر اسے آگے نہیں پھیلایا جاتا۔

مثال: کوئی چیز جو نشہ آور ہوگی وہ شراب نہ ہو اسے نشہ کی علت جامعہ کے سبب شراب پر قیاس کیا جائے گا اور اسے حرام سمجھا جائے گا ۲۔ قرآن کریم میں ہے:۔

فاعتبروا یااولی الابصار (پ:۲۸، الحشر:۲)

ترجمہ: اے آنکھوں والو! تم عبرت حاصل کرو۔

کسی واقعہ سے اپنے لیے عبرت حاصل کرنا اس واقعہ کو اپنی طرف لوٹانا ہے قبر کسی دوسرے کی ہے اسے دیکھ کر اپنی قبر کا دھیان آنا اور اپنی آخرت کو یاد کرنا یہ وہ سبق ہے جو ہمیں اس کی قبر سے ملا اور حضورؐ نے بھی یہی فرمایا۔

عبرت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی سابق چیز کو اس جیسے اور واقعہ کی طرف لوٹایا جائے اور یہی قیاس ہے۔ لیکن قیاس ہر کسی کا معتبر نہیں یہ حق مجتہد کا ہے اور وہی قیاس کی ساری شرطوں پر نظر رکھے ہوتا ہے۔

ہاں قیاس کی علت حضورؐ سے منصوص ہو جیسا کہ مذکورہ حدیث میں مذکور ہوئی تو اسے ہم بھی علت کہہ سکتے ہیں اور جو علت مستنبط ہو تو وہ اسی صورت میں حجت ہو سکے گی کہ اس کا استنباط کرنے والا وہ مجتہد ہو جس کے مجتہد ہونے پر اکثر علمائے امت کا اجماع ہو جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

علت تین راہوں میں سے کسی راہ سے بھی معلوم ہو وہ علت جامعہ ہو سکتی ہے خواہ

۱۔نص سے معلوم ہو ۲۔اجماع سے معلوم ہو ۳۔استنباط سے معلوم ہو

جس قیاس کی طرف ذہن جلدی منتقل ہو جائے اسے قیاس جلی کہتے ہیں اور جس پر ذہن اول وہلہ میں نہ آئے وہ قیاس خفی ہے جو لوگ جلی اور خفی میں فرق نہ کر سکیں وہ دین کو کیا سمجھیں گے۔

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

(جو پیغمبر کے ساتھ ہر وقت کھلے طور پر ہے اسے بھی جان اور جو ہجرت کی رات بستر رسالت پر پردے میں ہے اسے بھی جان جلی اور خفی کے احکام پہچاننا ہر کسی کا کام نہیں یہ کامل مجتہدین اور راسخین فی العلم پر کھلتے ہیں کسی ایک کے تمسک میں نہ رہ جانا دونوں سے تمسک ضروری ہے)

نوٹ:۔ قیاس اور دلالۃ النص بظاہر ایک سے معلوم ہوتے ہیں لیکن بات یوں نہیں قیاس میں علت جامعہ کی تلاش ہوتی ہے جس کے لیے کتاب وسنت کے پورے علم کے سا[illegible] عقل وفکر کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس پیش آمدہ مسئلے کا حکم دریافت ہو سکے مگر دلا النص کی بنیاد لغت پر ہوتی ہے:۔

۱۔ قیاس کا حق صرف مجتہد کو ہوتا ہے اور دلالۃ النص کو ہر صاحب لغت جان سکتا ہے۔

۲۔ قیاس میں صواب وخطا دونوں کا احتمال رہتا ہے مگر دلالۃ النص قطعی اور اس کا اعتبار متفق علیہ ہوتا ہے۔

## استحسان

کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کو اس کے نظائر میں تلاش کرنے کی بجائے اسے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے کسی ایسی دلیل سے معلوم کرنا جو پوری طرح اس کی متقاضی ہو اسے استحسان کہتے ہیں۔

۱۔ کسی شخص نے زمین وقف کی اب اس وقف شدہ زمین سے رستے کی جگہ دینا اسے قیاس سے نہ حل کر سکیں گے استحساناً یہ راہ دینی پڑے گی کیوں کہ بدوں راہ کے اس زمین سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے گا یہ استحسان بالعقل ہے۔

## ۲۔ حکم عام کا ترک

چور کی سزا نصاب سرقہ اور شہادت ہونے پر ہاتھ کاٹنا ہے لیکن قحط کے دنوں میں اس ہاتھ کاٹنے کی سزا میں تخفیف کی جائے گی لوگوں کے مضطر ہونے کے حالات استحساناً سامنے رکھے جائیں گے یہ استحسان بالاجماع ہے۔

۳۔ تشخیص مرض کے لیے ڈاکٹر کے سامنے ستر کھولنا اس کے لیے اس کی نظیر نہ تلاش کی جائے گی۔ استحساناً اسے جائز سمجھا جائے گا۔ نہ صرف دکھانے والے کے لیے بلکہ دیکھنے والے کے لیے بھی۔ اس میں جواز کا مدار ضرورت پر ہوگا اگر اس کے بغیر علاج ہو سکے تو پھر اسے جائز نہ سمجھا جائے گا یہ استحسان بالضرورت ہے۔

۴۔ اس چیز کا سودا کرنا جو ابھی موجود نہیں یہ اصولاً جائز نہ تھا مگر یہ صورت برابر عمل میں چلی آرہی ہے، جوتا بنوانے کے لیے سائز دینا، آرڈر دینا، معیار بتلانا اور قیمت طے کرنا یہ سب امور استحساناً جائز سمجھے جائیں گے یہ سب استحسان بالاجماع ہے کسی نے آج تک اس پر نکیر نہیں کی۔

## استصلاح

اسلام میں قانون عوامی مصالح پر مشتمل ہے شریعت کے تمام احکام میں انہی مصالح

کی رعایت برتی گئی ہے۔ مفتی کی نظر میں جب تک حالات عوامی سطح پر نہ ہوں وہ صحیح فتویٰ نہیں دے سکتا۔ خلفاء راشدینؓ پہلے عرب ہیں جنہوں نے باقاعدہ حکومتیں کیں عوام کے تقاضوں اور مصالح کو سمجھا اور ان کے مطابق ہی قانون سازی کی۔

## قیاس اور استصلاح میں فرق

قیاس کی بنیاد کسی نہ کسی اصل شرعی پر ہوتی ہے مگر استصلاح کی بنیاد عوامی بہتری اور مصالح پر ہوتی ہے استصلاح کا حق اونچے درجے کے اہل علم اور اہل تقوے کو دیا جاسکتا ہے مگر قیاس کا اہل ہر مجتہد تسلیم کیا جاتا ہے صحابہؓ سب کے سب علم وتقویٰ سے مالا مال تھے اس لیے خلفاء راشدینؓ کے عہد میں استصلاح سے بہت کام لیا گیا مگر بعد ازایشاں قیاس کو زیادہ پسند کیا گیا۔

## مصلحتوں کی قسمیں

۱۔ بعض مصلحتیں ضرورت کے درجے میں ہوتی ہیں

۲۔ بعض حاجات کے درجے میں اور بعض تعمیر کے درجے میں

۳۔ جن میں آگے بڑھنا اور ترقی پانا مقصود ہو انہیں تحسینات کہتے ہیں

ضرورات دین کی حفاظت کے لیے جہاد

جان کی حفاظت کے لیے قصاص

نسل کی حفاظت کے لیے زنا کی حرمت

عقل کی حفاظت کے لیے شراب کی حرمت

اور مال کی حفاظت کے لیے چوری کو حرام قرار دیا جانا ضروری ہے۔

شریعت کے ان احکام کی بنا عوامی صالح پر ہے ان کی روشنی میں عہد صحابہؓ میں اور کئی مصالح طے کی گئیں۔

## حاجات

خرید وفروخت، نکاح وطلاق یہ وہ امور میں جن سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے مگر ان کے بغیر انسان زندگی میں سہولتیں پیدا نہیں ہوتیں نہ مشقتیں دور ہوتی ہیں۔ اب جو قانون عوامی مصالح پر مبنی ہوگا اس میں استصلا حاان تمام حاجات کو پورا کرنے کی راہیں موجود ہوں گی۔

## تحسینات

ان میں طہارت پردے میں کرنا، نماز میں ایسے لباس سے بچنا جس میں ستر کی جسامت کا پتہ چلے وغیرہما جیسی مصالح شامل ہیں۔

## مصالح مرسلہ

اس سے مراد وہ مصلحتیں ہیں جن کی مجتہد اپنے اجتہاد میں اس لیے رعایت کرتا ہے کہ ان میں اسے عوام کا نفع نظر آتا ہے اجتہاد میں ان کا بھی لحاظ کیا جانا ضروری ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ نصوص کتاب وسنت میں نہ ان کا اعتبار منقول ہو نہ رد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک یکجا کرنے کا جو مشورہ دیا تھا وہ انہی مصالح میں سے تھا۔

## مثالیں

۱۔دفع المضرۃ اولی من جلب المنفعۃ

(فائدہ ہو نہ ہو لیکن نقصان نہ ہونا چاہیے)

۲۔المشقۃ تجلب التیسیر

(جب کوئی مشقت کی جائے تو اس کے باعث آسانیاں پیدا ہونی چاہئیں)

۳۔الضرورات تبیح المحظورات

(ضرورت کے باعث کئی ممنوع اقدام بھی جائز ہو جاتے ہیں)

اس طرح اور بھی کئی قواعد ہیں جن میں عوامی مصالح لپٹے ہیں مجتہد اپنے اجتہاد میں ان کا بھی اعتبار کرتا ہے علماء اسلام نے اس قسم کے مباحث پر مستقل کتابیں لکھی ہیں علامہ شاطبی کی الموافقات اور علامہ ابن نجیم کی کتاب الاشباہ والنظائر اس موضوع پر مشہور کتابیں ہیں۔

## استصحاب

کسی چیز کو اپنی مصاحبت میں لینا اور ساتھ رکھنا یہ اس کے لفظی معنی ہیں لیکن اصول فقہ میں کسی چیز کے سابق حکم کو بغیر کسی مستقل دلیل کے برقرار رکھنا اور اسے حجت بنانا استصحاب کہلاتا ہے۔ یہ پہلے حکم کو اپنے اندازے اور خیال سے آئندہ صورت حال پر لاتا ہے یہ

ماضی کی کسی بات کو حال کے لیے بغیر کسی مستقل دلیل کے محض اپنے قیاس سے ثابت نہ کرنا ہے

مثلاً ایک صحابی نے حضورؐ کو نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کرتے دیکھا اب اس بات کو بغیر کسی مستقل دلیل کے آگے نلے جانا کہ آپ آئندہ بھی یہ رفع یدین کرتے رہے ہوں گے یہ استصحاب ہے جو قیاس کی طرح اجتہاد کی ایک راہ ہے اس کے مقابل اگر کسی ضعیف حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہو جائے کہ آپ نے کبھی رفع یدین نہ بھی کیا تو پہلی روایت سے دوام رفع یدین پر استدلال کرنا درست نہ رہے گا یہ بغیر کسی دلیل کے پہلے حال کا آئندہ زمانے میں بقایا ثابت کرنا ہے۔

جن مسائل میں خود صحابہؓ میں اختلاف رہا انہیں استصحاباً ثابت کرنا درست نہیں لیکن استصحاب کے ایک فطری دلیل ہونے سے ہمیں انکار نہیں جب تک کوئی اختلافی صورت سامنے نہ آئے دنیا اس سے کام لیتی آئی ہے۔

استصحاب کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔عدم اصلی سے استدلال

۲۔عقد شرعی سے استدلال

کسی انسان پر دوسرے کا کوئی حق لازم نہیں یہ عدم اصلی ہے اگر کوئی اس پر اپنے حق کا مدعی ہے تو اسے دلیل لانی ہوگی۔ نہ بات اپنی اصل پر باقی رہے گی عدالتوں میں اسی لیے دعویٰ کافی نہیں ہوتا مدعی کو اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرنے پڑتے ہیں۔

استصحاب حکم شرعی کی مثال نکاح کے بعد زوجیت باقی رکھنا ہے حالانکہ یہ ضروری نہیں۔ طلاق سے نکاح باقی نہیں رہتا، ارتداد سے بھی نکاح باقی نہیں رہتا مگر جب تک ان امور میں سے کوئی بات سامنے نہ آئے نکاح کی بقا استصحاباً تسلیم کی جائے گی تاہم یہ صحیح ہے کہ اس کے ذریعہ دوسرے کے دعوے کو رد کیا جاسکتا ہے مگر خود اس سے کوئی حق ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

مثالیں

۱۔ایک شخص نے استصحاباً دعویٰ کیا کہ یہ چیز ایک میری ہے اور وہ چیز مدت سے اس کے قبضے میں ہے تو اب کسی دوسرے شخص کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ یہ چیز میری ہے جب تک اس

کے پاس اس کی شہادت نہ ہو۔ اس صورت میں ہم استصحاب کا اعتبار کر رہے ہیں لیکن اگر وہ چیز پہلے بالاتفاق اس دوسرے شخص کے قبضہ میں تھی اور پھر مدت سے اس پہلے شخص کے قبضہ میں ہے تو اب اسے استصحاباً اس کا مالک قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۲۔ کوئی شخص مدت سے لاپتہ ہے ہم استصحاباً سمجھتے ہیں کہ وہ زندہ ہے اس کی میراث تقسیم نہ کی جائے گی لیکن اگر اس کا والد فوت ہوا تو اس کا حصہ میراث میں نہ ہوگا کیونکہ محض استصحاب سے کوئی حق ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

## استصحاب پر مبنی فقہ کے بعض کلی قواعد

۱۔ بقاء ما کان علی ما کان

جو پہلی حالت تھی اس کی بقا اصل ہے جب تک کوئی دوسری دلیل اس کے خلاف نہ آئے۔

۲۔ براۃ الذمہ

کسی کی ذمہ داری سے ہر شخص بری ہے جب تک کسی ذمہ کا کوئی ثبوت سامنے نہ آئے۔

۳۔ الیقین لایزول بالشک

کوئی شخص پہلے یقیناً وضو پر تھا پھر اسے شک ہوگیا کہ وضو رہا یا نہیں اس کے لیے پہلا حال استصحاباً باقی مانا جائے گا۔

۴۔ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

ہر چیز کا استعمال جائز ہے جب تک کہ اس کے خلاف دلیل نہ آئے خلق لکم مافی الارض جمیعا یاد رہے کہ اصل میں ہر چیز کی اباحت اشیاء میں ہے مسائل میں نہیں مسائل اباحت سے ترتیب نہیں پاتے ان کے لیے اصل نقل ہے۔

## عبادات اور عادات

عادات اور معاملات انسانوں کے اپنے ماحول اور تجربات سے بنتے ہیں عبادات تدریجاً نہیں بنتیں یہ توفیقی ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر سے ملتا ہے۔ فرائض وواجبات اور سنن و مستحبات انہیں شریعت مقرر کرتی ہے اس میں یہ اصل قائم نہیں کیا جاتا کہ شریعت نے کہیں اس سے منع تو نہیں کیا بلکہ ہر ہر بات میں نقل اور روایت کی تلاش ہوتی ہے۔

یہ عادات ہیں جنہیں انسان خود ترتیب دیتے ہیں ان میں دیکھنا ہوتا ہے کہ شریعت نے کسی بات سے منع تو نہیں کیا اصل ہر چیز میں اطلاق اور اباحت ہے یہ مباح اصلی کی بات ہے مباح شرعی کی نہیں۔

عادات اور معاملات میں بھی اصل اطلاق واباحت ہے یا اصل منع وخطر ہے اس میں معتزلہ اور اہلسنت میں کچھ اختلاف ہے لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ عبادات میں صرف نقل درکار ہے یہ انسان کی اپنی رائے کے سپرد نہیں اور شرعی رائے جسے استنباط بھی کہتے ہیں وہ نقل کی ہی ایک تفصیل ہے اس کا غیر نہیں۔

## انسانی تصرفات کی دو قسمیں

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

ان تصرفات العباد من الاقوال والافعال نوعان عبادات يصلح بها دينهم وعبادات يحتاجون اليها فى دنياهم فباستقرا ء اصول الشريعة نعلم ان العبادات التى اوجبها الله اواحبها لايثبت الامربها الابالشرع ...... لهذا كان احمدوغيره من فقهاء اهل الحديث يقولون ان الا صل فى العبادات التوقيف فلايشرع منها الاماشرعه الله والا دخلنا فى معنى قوله تعالى ام لهم شركاء شرعوالهم من الدين مالم ياذن به الله. (فتاوے ابن تیمیہ جلد)

ترجمہ: قول وفعل میں انسان کے تصرفات دو قسم کے ہیں عبادات جن سے ان کی آخرت کی اصلاح ہوتی ہیں اور عادات جن کی انہیں دنیا میں ضرورت پڑتی ہے اصول شریعت کا استقراء کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات واجب درجے کی ہوں یا مستحب درجے کی ان کا کوئی امر بدوں شریعت ثابت نہیں ہوسکتا اور اسی لیے امام احمد اور دوسرے فقہاء محدثین کہتے ہیں عبادات سب توقیفی ہیں شرع وہی ہے جسے اللہ رب العزت نے شریعت بنایا ورنہ (اگر ہم اپنی طرف سے مسئلے

بنائیں کہ شریعت نے منع تو نہیں کیا) ہم قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جائیں گے۔

ام لهم شر كآء شرعوا لهم من الدين مالم ياذن به الله

(پ۲۵: الشوریٰ:۲۱)

ترجمہ: کیا کہ انہوں نے (اللہ کے) شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی اور راہ ڈال دی ہے جو اللہ نے نہیں بتائی۔

معلوم ہوا اپنی طرف سے دین کی کوئی راہ تجویز کرنا (اور صرف یہ دیکھنا کہ کہیں اس سے منع تو نہیں کیا گیا) دراصل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے طاعات اور نیکی کے کام سب توقیفی ہیں کار خیر وہی ہے جس کے خیر ہونے کا پتہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سے ملے ہم اپنی خواہشات اور اپنی صوابدید سے کوئی مسئلہ نہیں بنا سکتے گو وہ درجہ مستحب کا ہی کیوں نہ ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کے سب نام توقیفی ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی راہ عبادت اختیار کرنے یا مقرر کرنے کا حق حاصل نہیں ہے

شیخ یوسف قرضاویؒ اصل اشیاء ومنافع میں حلت اور اباحت کے قائل ہیں ان کا موقف توقف کا نہیں اپنے اس موقف پر انہوں نے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے ہیں وہ کہتے ہیں اصل اشیاء میں اباحت اشیاء تک محدود نہیں یہ ان افعال وتصرفات کو بھی شامل ہے جو بطور عادت عمل میں آتی ہیں آپ اس اباحت کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

بل يشمل الافعال والتصرفات التي ليست من امور العبادة وهي التي نسميها العادات والمعاملات فالاصل فيها عدم التحريم وعدم التقليد الاماحرمه الشارع والزم به وقوله تعالى وقد فصل لكم ماحرم عليكم عام في الاشياء والافعال. (الحلال والحرام للقرضاوی ص۲۱ طبع چہارم ۱۳۸۶ھ)

ترجمہ: بلکہ یہ اباحت افعال وتصرفات جو تعبدی امور میں سے نہیں اور یہ وہ ہیں جنہیں ہم عادات اور معاملات کہتے ہیں کو بھی شامل ہے سو ان کی اصل حرام نہ ہونا ہے حرام وہی ہے جسے شارع نے حرام قرار دیا ہو اور لازم ٹھہرایا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وقد فصل لکم ما حرم علیکم افعال

اور اشیاء دونوں کو حرام ہے۔

آپ پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

وهذا بخلاف العبادة فانها من امر الدين المحض الذى لايؤخذ الامن طريق الوحى وفيها جاء الحديث الصحيح ومن احدث فى امر نا ماليس منه فهورد. (ایضاً)

ترجمہ: اور عبادات (جنھیں نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے) میں ایسا نہیں (کہ اصل اباحت ہو) کیونکہ یہ خالص دینی موضوع ہے جو وحی سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اور اس موضوع پر صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی بات نئی نکالی جو اصلا اس میں سے نہ ہو تو اس کا یہ عمل مردود ہوگا۔

اور عادات و معاملات کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

واما العادات والمعاملات فليس الشارع منشىء لهابل الناس هم الذين انشاء وهاو تعاملوا بها والشارع جاء مصححا لهاومعدلا ومهذبا ومقرا فى بعض الاحيان ماخلا عن الفساد والضر رمنها. (الحلال والحرام)

ترجمہ: عادات اور معاملات سو ان کا موجد شارع نہیں لوگوں نے خود ان کی ایجاد کی ہے اور اپنے طریقے قائم کیے ہیں اور شارع نے آکر انہی طریقوں کی اصلاح و تہذیب کی ہے اور کئی دفعہ انہی امور کو جو فساد اور ضرر سے خالی تھے قائم رکھا ہے۔

صحیح مسلک یہ ہے کہ ایسے امور جن میں کوئی حکم وارد نہیں ان میں توقف کیا جائے اور عام اباحت کا اعلان یہ معتزلہ کی رائے ہے درمختار میں ہے الاصل فی الاشیاء التوقف اور یہ بھی لکھا ہے۔

ان الصحيح من مذهب اهل السنة ان الاصل فى الاشياء التوقف والاباحة راى المعتزلة.

(درمختار مع شرح الطحاوی جلد۲، ص۲۵۵)

## تقلید

یہ بلا دلیل پیروی کا نام ہے انبیاء کی پیروی تقلید نہیں کہلاتی کیونکہ ان کی نبوت ان کی پیروی پر ایک کھلی دلیل ہے ائمہ دین میں کوئی خدا کا فرستادہ نہیں وہ صرف ایک علمی مرتبہ رکھتے ہیں ان کی پیروی اس اعتماد پر کی جاتی ہے کہ وہ کتاب وسنت کی دلیل سے آشنا ہیں سو تقلید کتاب وسنت کی اتباع کی نیت سے کسی مجتہد کی بات اس سے دلیل طلب کیے بغیر ماننا ہے۔

## تقلید کے مقابل کا لفظ

تقلید کے مقابل لفظ اجتہاد ہے انسان یا مقلد ہوگا یا مجتہد غیر مقلد ہونا اسلام میں کسی مرتبہ کا نام نہیں اسلاف میں جو لوگ بھی تقلید نہ کرتے تھے سب مجتہد تھے تقلید کے مقابل ترک تقلید نہیں نہ اس سے کوئی مفہوم پیدا ہوگا ہاں دین میں کھلی آزادی کو ترک تقلید کہ سکتے ہیں۔

## غیر منصوص مسائل میں دو ہی راہیں ہیں

کتاب وسنت میں جو مسائل منصوص ہیں اور ان میں کسی دوسری نص سے ظاہرا کوئی تعارض نہیں ان میں کسی امام کی پیروی ضرورت نہیں رہتی۔ ہاں مسائل غیر منصوصہ میں اور مسائل منصوصہ متعارضہ میں استنباط یا رفع تعارض کی راہ سے کسی امام مجتہد کی پیروی کی ضرورت پڑتی ہے سو ایسے مسائل میں دو ہی راہیں ہیں ا۔ آدمی مجتہد کے درجے کو پہنچے ۲۔ ورنہ کسی مجتہد کی پیروی کرے وہ شخص جو نہ مجتہد ہے نہ مقلد وہ کسی وقت بھی خطرہ سے خالی نہیں رہتا۔

پھر ضروری ہے کہ وہ مجتہد بھی ایسا ہو جس کے مسائل مدون ہوں اور ہر فقہی باب میں اس کی رہنمائی موجود ہو مجتہدین نے فقہ کے استخراج کے لیے اپنے اصول وضع کیے ہیں اور وہ مسائل پیش آمدہ میں استخراج انہی اصولوں کی روشنی میں کرتے ہیں سو ان کی پیروی اس متفرق پیروی سے کہیں بہتر ہوگی کہ ہم مختلف صحابہؓ سے جزئیات لیں ان مختلف جزئیات سے ہم شریعت کا کوئی ایسا فریم ورک تیار نہ کرسکیں گے جو اصولا ہر باب میں متوازن ہو۔

امام الحرمین کی شہادت

امام الحرمینؒ (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں:۔

من وجد فی زمانه مفتیا تعین علیه تقلیده ولیس له ان یرقی الی مذاهب الصحابة وبیان ذلک انه اذا ثبت مذهب ابی بکر الصدیق فی واقعه وفتوی مفتی الزمان خالفت مذهبه فلیس للعامی المقلد ان یوثر تقدیم مذهب ابی بکر الصدیق من حیث انه عقیدتنا انه افضل الخلیفة بعد المرسلین علیهم السلام وان الصحابة وان کانو اصدور الدین واعلام المسلمین ومفاتیح الهدی ومصابیح الدجی فماکانوایقدمون تمهید الابواب وتقدیم الاسباب قبل وقوعها. (الغیاثی ص ۳۱۱)

ترجمہ: جو اپنے زمانہ میں کسی مفتی کو پالے اس پر اس کی تقلید طے ہو جاتی ہے اسے یہ حق نہیں کہ وہ اس سے ہٹ کر مذاہب صحابہؓ کی طرف سبقت کرے اسے یوں سمجھیے کہ جب کسی واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا موقف اس کے ہاں ثابت ہوا اور مفتی وقت کا فتویٰ اس کے خلاف ہے تو اس عامی مقلد کو یہ حق نہیں کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مذہب کو اس لیے کہ وہ پیغمبروں کے بعد افضل الخلائق ہیں اپنے وقت کے اس مفتی کے فتویٰ پر ترجیح دے صحابہؓ بے شک دین کے سربراہ ہیں اور مسلمانوں میں سب سے بڑے ہیں وہ ہدایت کی چابیاں ہیں اور اندھیروں کے چراغ لیکن وہ مسائل کے بیان میں پہلے اصول نہ باندھتے تھے اور واقعات کے پیش آنے سے پہلے تقدیم اسباب نہ کرتے تھے (سو ان کی جزئیات اس طرح مدون نہ ہو پائیں جس طرح مجتہدین نے فقہ کو اصول بیان کر کے مدون کیا ہے)

یہ بات کوئی حنفی فقیہ نہیں کہہ رہا کہ اس پر الزام لگایا جائے کہ دیکھو امام ابوحنیفہؒ کی بات کو وہ مذاہب صحابہؓ پر ترجیح دے رہا ہے لیکن یہ بات امام غزالیؒ کے استاد امام الحرمینؒ کہہ رہے ہیں جن کی بات دونوں حرم (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) میں چلتی تھی وہ شافعی المذہب تھے وہ یہاں تقلید کی اہمیت بیان کر رہے ہیں کہ یہ ان ائمہ مجتہدین کی جائے جن کے مسائل

باقاعدہ اصول فقہ سے چھن کر ہمارے پاس پہنچے ہیں۔

ہم اس پر جلداول میں بھی کچھ بحث کر آئے ہیں۔

کیا ائمہ کے مذاہب میں کہیں غلطی کا احتمال نہیں؟

فقہی مسائل میں صواب کی راہ صرف ایک ہے ہاں جن مسائل میں شریعت نے خود وسعت رکھی وہاں پر ہر موقف ثواب ہے ائمہ مجتہدین کے مذاہب میں خطا بے شک ممکن ہے لیکن یہ صواب اور خطا کا دائرہ ہے حق اور باطل کا دائرہ نہیں صواب اور خطا کے دائرہ میں کسی مجتہد یا اس کے پیرو پر مواخذے کا ڈر نہیں اس میں خطا والا بھی ایک اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے فقہی مسائل میں اختلاف کو اسی لیے رحمت کہا گیا ہے قسمت نہیں۔

## حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ کی شہادت

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) حنفی نہیں حنبلی المذہب ہیں آپ لکھتے ہیں:۔

واما بالنسبة الى امام فى فروع الدين كالطوائف الاربع فليس بمذموم فان الاختلاف فى الفروع رحمة والمختلفون فيه محمودون فى اختلافهم مثابون فى اجتهادهم واختلافهم رحمة واسعة واتفاقهم حجة قاطعة. (المغنی ص ۹۴)

ترجمہ: فروعات میں جو اختلافات ائمہ کے ملتے ہیں جو مذاہب اربعہ میں پائے جاتے ہیں تو یہ اختلاف مذموم نہیں لائق مذمت نہیں اختلاف فروع میں رحمت ہے اور اس میں اختلاف کرنے والے لائق تعریف ہیں انہیں اپنے اپنے اجتہاد میں ثواب ملے گا ان کا اختلاف رحمۃ واسعہ ہے اور جس پر ان چاروں کا اتفاق ہو جائے وہ مسئلہ قطعی حجت ٹھہرے گا۔

## اجماع کے بعد مسئلہ فروعی نہیں رہتا

فروعی مسائل بے شک اجتہادیات میں سے ہیں ہر مجتہد اپنے اجتہاد میں صواب اور خطا دونوں صورتوں سے دو چار ہو سکتا ہے لیکن کسی مسئلے پر وقت کے تمام مجتہد درجے کے علماء اگر ایک فیصلہ کر لیں تو اس اجماع کے بعد کسی مجتہد کو اس میں اجتہاد کرنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ کوئی ظنی چیز قطعی چیز کو کاٹ نہیں سکتی اجماع نے مسئلے کو قطعی بنا دیا اب اسے کسی مجتہد

کا اجتہاد کاٹ نہ سکے گا وہ نیا مجتہد وقت کا ابن تیمیہ ؒ ہی کیوں نہ ہو۔

## شیخ محمد بن صالح العثیمین ؒ کی شہادت

اتفاق العلماء المجتهدين من امة محمد صلى الله عليه وسلم على حكم شرعي بعد النبي صلى الله عليه وسلم وهو حجة لقوله تعالى فان تنازعتم فى شئ فردوه الى الله والرسول وقول النبى صلى الله عليه وسلم لاتجتمع امتى على ضلا له رواه الترمذى. (شرح لمعۃ الاعتقاد ص ۱۶۵)

ترجمہ: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام مجتہدین کسی حکم شرعی پر اتفاق کرلیں تو وہ حکم حجت شرعی ٹھہرے گا اور اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہی شمار ہوگا اور نبی پاک ؐ نے فرمادیا کہ میری امت کبھی کسی غلط بات پر جمع نہ ہوگی۔

وللحديث شواهد كثيرة منها حديث ابن عباس مرفوعا اخرجه الحاكم (جلد ۱، ص ۱۱۶) وقال الهيثمى فى مجمع الزوائد رجاله ثقات (جلد ۵، ص ۲۱۹) وقال الحافظ فى التلخيص واسناده صحيح ومثله لايقال من قبل الراى. (ردالمحتار ص ۷۵)

## تقلید کے بعد تلفیق

عامی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس امام پر اس نے اپنے فروعی مسائل میں اعتماد کیا ہے اس کی تقلید سے نکلے یہ نکلنا اپنی کسی غرض نفسانی پر ہی ہوسکتا ہے کسی اصولی اختلاف کے باعث نہیں کیونکہ عامی بے چارہ اصول میں کوئی رائے قائم نہیں کیے ہوئے امام کرخیؒ اور امام طحاویؒ، امام ابوحنیفہؒ کی کوئی بات چھوڑ دیں تو یہ تلفیق نہیں ہے یہ حضرات ائمہ اصول ہیں اور اصول فقہ میں ایک رائے رکھنے کے اہل ہیں انہیں کسی مسئلے میں اپنے امام سے اختلاف کرنا جائز ہے لیکن عامی کو یہ جائز نہیں وہ اپنے فقہی مذہب کو چھوڑے کسی غرض اور سہولت کے لیے ایسا کرے گا اس کے پیچھے کوئی علمی جذبہ کارفرما نہ ہوگا دینی مسائل میں ایسا کرنا شریعت کو کھیل بنانا ہے اور یہ جائز نہیں۔

تلفیق کا لفظ لفق سے نکلا ہے لفق کا معنی ایک کنارے کو کسی دوسرے کنارہ سے ملانا ہے اصطلاحاً یہ ایک امام کی پیروی دوسرے امام سے جوڑنا ہے مثلاً ایک شخص نے وضو کیا اس کے بعد اسے کوئی کانٹا لگا اور خون بہ نکلا وہ حنفی مسلک پر تھے اور حنفی فقہ کی رو سے اس کا وضو جاتا رہا اس نے سہولت کے لیے شافعی مسلک اختیار کرلیا پھر کسی عورت سے اس کا ہاتھ مس ہو گیا اور شافعی مذہب کی رو سے اس کا وضو ٹوٹ گیا اب پھر وہ حنفی ہو گیا اور کہا حنفی مذہب کی رو سے اس میں میرا وضو نہیں ٹوٹا۔

اس نے اسی حالت میں نماز پڑھی اس کی وہ نماز کسی کے ہاں نہ ہوئی حنفیوں کے ہاں اس لیے نہیں کہ خون بہنے سے اس کا وضو جاتا رہا تھا اور شافعیوں کے ہاں اس لیے نہیں کہ عورت کے چھونے سے اس کا ضو جاتا رہا تھا۔

اس کا ایک عمل میں مختلف اماموں کے مذہب پر آنا جانا ایک عمل تلفیق ہے یہ خواہشات نفسانی کی اتباع میں رخصتوں کو تلاش کرنے کا نام ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:۔

ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الوجوع عن التقلید
بعد العمل باطل اتفاقا

ترجمہ: بے شک اس طرح کا ملا عمل بالاتفاق باطل ہے ایک مذہب کو اختیار کرکے (محض اپنی سہولت کے لیے) اس سے نکلنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

یوں سمجھیے تقلید میں دو پہلو ہیں ایک افراط کا اور دوسرا تفریط کا اماموں کی اس طرح پیروی کرو کہ کسی کی بھی ہو جائے یہ پہلو افراط کا ہے اور یہ تلفیق ہے دوسرا پہلو تفریط کا ہے اور یہ غیر مقلدیت ہے۔

## مفتی بہ قول

بعض مسائل میں اپنے ائمہ کے ہاں بھی مختلف اقوال ملتے ہیں ان میں صرف تقدیم وتاخیر (کہ پہلا قول کون سا ہے اور دوسرا کون سا) فیصلہ نہیں کرتی اس فقہ کے مجتہدین فی المذاہب فیصلہ کرتے ہیں کہ فتوی کس قول پر جاری ہوا اسے مفتی بہ قول کہتے ہیں فقہ حنفی صرف امام ابوحنیفہؒ کے قول سے ہی نہیں بنی اس میں امام زفرؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال بھی

داخل ہیں اگلے فقہاء جس قول کو اختیار کرتے ہیں وہ مفتی بہ قول سمجھا جائے گا۔

مفتی بہ قول میں ترجیح صرف علم کی بناء پر ہو سکتی ہے اپنی ضرورت اور سہولت پر کسی قول کو اختیار کرنا یہ جائز نہیں۔

## تطبیق و ترجیح

جب کسی مسئلے میں دو حدیثیں ملیں جو ظاہرا دو مختلف صورتیں پیش کرتی ہیں تو ان میں کسی ایک کو اختیار کرنا ترجیح کہلاتا ہے ترجیح کے مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں مثلاً یہ کہ ایک قوت سند میں زیادہ مضبوط ہے یا یہ کہ دونوں میں سے آخری عمل کون سا ہے اس کے مطابق اسے اختیار کیا جائے گا۔

ظاہری تعارض کو دور کرنے میں ایک طریق تطبیق کا ہے کہ دونوں عملوں کو جائز سمجھا جائے اور ان میں وسعت کی راہ اختیار کی جائے یہ بھی دیکھا جائے کہ ان میں تقیید مطلق یا تخصیص عام کی صورت بھی نکلتی ہے یا نہیں اسے تطبیق کہیں گے کہ دونوں کو ایک دوسرے کے مطابق کر دیا کسی عمل میں اگر وہ مختلف طریقے ملیں تو انہیں ایک دوسرے کے معارض نہ سمجھا جائے گا کیونکہ یہ دونوں روایتیں کسی ایک وقت کی نہیں۔ اور تعارض میں جو وحدتیں شرط ہیں ان میں ایک شرط وحدت زمان بھی ہے مثلاً ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع جاتے وقت رفع یدین کیا اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رکوع کے رفع یدین کے بغیر ہوتی تھی تو ان دونوں روایتوں کو ایک دوسرے کے معارض نہ سمجھا جائے گا بلکہ یہ جانا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریقے مروی ہیں۔

## تملیک

تملیک کا معنی ہے کسی دوسرے کو مالک بنانا جو انسان خود کسی چیز کا مالک ہو اور وہ اسے کسی دوسرے کو دے بایں طور کہ وہ مالک ہو جائے اسے تملیک کہتے ہیں اس طرح دینا کہ دینے والا تو اس چیز کا مالک تھا مگر لینے والا اس کا مالک نہ بنے گا تو یہاں تملیک نہ ہوگی مثلاً کسی شخص نے مسجد کے متولی یا منتظمین کو کوئی رقم مسجد میں لگانے کے لیے دی تو یہ رقم ان منتظمین کی تملیک نہ ہوگی وہ اسے مسجد پر خرچ کرنے کے امین ہوں گے۔ زکوۃ اسی لیے مسجد پر نہیں لگتی کہ اس میں تملیک نہیں ہوتی اور زکوۃ کے لیے تملیک شرط ہے کہ یہ رقم کسی مستحق کی

ملکیت میں جائے۔

## حیلہ تملیک

اگر کوئی شخص کسی مستحق صدقہ کو کوئی ایسی رقم دیتا ہے اور وہ اسے مسجد پر یا غیر مستحقین زکوۃ پر خرچ کر دے تو یہ حیلہ تملیک ہے حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص صدقہ کی کچھ کھجوریں حضورؐ کے پاس لایا حضورؐ نے اسے قبول نہ کیا اس نے پھر یہ کسی مستحق کو دے دیں اور اس مسکین نے پھر انہیں حضورؐ کے سامنے بھی پیش کیا تو آپ نے یہ کہہ کر کھجوریں لے لیں کہ یہ تیرے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے اس سے پتہ چلا کہ بعض صورتوں میں ہاتھ بدلنے سے مسئلے کا حکم بدل جاتا ہے۔

## عزیمت اور رخصت

دین اسلام فطرت کی پوری رعایت کرتا ہے اسے دین فطرت اسی لیے کہتے ہیں دین فطرت حالات بدلنے پر رعایت کا تقاضا کرتا ہے اصل حکم عزیمت کہلاتا ہے مومن اگر صبر وتقویٰ سے اس سے چمٹا رہے تو اس کی بڑی شان ہے

وان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور

(پ۴، آل عمران:۱۸۶)

بعض بدلے حالات میں شریعت میں جو رعایت ملتی ہے اسے رخصت کہتے ہیں مومن بیمار ہے مگر ایسا بیمار نہیں کہ روزہ نہ رکھ سکے وہ روزہ رکھے یہ اس کے حق میں عزیمت سے اور نہ رکھے بعد میں کسی دن رکھ لے۔ یہ اس کے لیے رخصت ہے ہمت کرے اور وضو کرے یہ عزیمت ہے تیمم کر لے تو یہ رخصت ہے۔

کسی جابر وظالم نے کسی مومن کو کلمہ کفر پر مجبور کیا اور اس نے وہ کلمہ کفر کہہ دیا لیکن اس کے دل میں ایمان تھا اس حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ دینا اس کے حق میں رخصت ہے لیکن اگر وہ حق پر ڈٹا رہا اور اس نے اس کے لیے جان بھی دے دی تو اس کا یہ عمل عزیمت شمار ہوگا حضرت عمار بن یاسرؓ اور ان کے والدین ایسی ہی صورت سے دوچار ہوئے حضرت عمارؓ کے والدین نے عزیمت پر عمل کیا اور اللہ کی راہ میں جان دے دی یہ اسلام کے پہلے وہ شہید تھے۔ حضرت عمارؓ نے رخصت پر عمل کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ایسا کرنا جائز ٹھہرایا یہ

قرآن کریم میں ہے:۔

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (پ۱۴، النحل۱۰۶)

نوٹ: عزیمت اور رخصت دونوں کا ثبوت شرع سے ملتا ہے کسی امتی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی مرضی سے شریعت کے کسی حکم کو رخصت سے بدل لے اور اپنی طرف سے اسے رخصت ٹھہرا لے یہ وہ نازک موڑ ہے کہ اس کا تعین مجتہدین ہی کر سکتے ہیں۔

## ایک لفظ کئی مختلف جگہوں میں

بعض اوقات لفظ ایک ہوتا ہے مگر اس کے محل استعمال جدا جدا ہوتے ہیں ان صورتوں میں مختلف اصطلاحات سامنے آتی ہیں مثلاً کسی انسان کو پاک کہا جائے تو اس کا مطلب جنابت سے پاک ہونا سمجھا جائے گا کہ اس پر اس وقت غسل فرض نہیں ہے وہ مسجد میں آسکتا ہے لیکن اگر کسی کپڑے یا جگہ کو پاک کہا جائے تو اس سے مراد نجاست سے پاک ہونا ہے۔

اسلامی عقائد میں سے ہے کہ پیغمبر گناہوں سے پاک ہوتے ہیں گناہ ان کے قریب نہیں بھٹکتا وہ بے شک انسان ہے لیکن خدا کی حفاظت ہر وقت ان کے شامل حال ہوتی ہے ذرا سی خطا بھی صادر ہو تو اللہ رب العزت اس پر انہیں رہنے نہیں دیتے۔

لیکن یہی لفظ جب اللہ رب العزت کے لیے بولا جائے تو اس کا یہ معنی نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ سے پاک ہے بلکہ یہاں پاک کا معنی ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہونا لیا جائے گا اللہ پاک ہے یعنی ہر کمزوری سے پاک ہے۔ کھانا پینا اور سونا اور سردی اور گرمی لگنا یہ انسانی زندگی کے تقاضے ہیں انسان کی یہ کمزوریاں ہیں کہ وہ ان کے تقاضے پورے کیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہر کمزوری سے پاک ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند لاتاخذہ سنة ولا نوم یہ کمزوریاں ہیں مگر عیب نہیں کھانا پینا اور سونا اگر عیب ہوتا تو یہ حالتیں کبھی پیغمبروں پر نہ ڈالی جاتیں نہ کبھی وہ بھوک اور پیاس محسوس کرتے اور نہ کبھی تھکتے نہ کبھی سوتے۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ سے الوہیت کی نفی اس طرح بھی کی گئی:۔

کانا یاکلان الطعام (پ۶، مائدہ۷۵) حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کھانا

کھاتے تھے۔

جو کھانا کھائے پھر اسے پیشاب وغیرہ کا تقاضا بھی ہوتا ہے ظاہر ہے کہ یہ صورت خدا کی نہیں ہوسکتی وہ ان کمزوریوں سے پاک ہے۔ اس کے پاک ہونے سے مراد اس کا ہر کمزوری سے پاک ہونا ہے۔

## عام استعمال کی متفرق اصطلاحیں

### ا۔ حدث اصغر اور حدث اکبر

جب انسان پاک نہ ہو اور اس پر غسل فرض ہو اس کی اس حالت کو حدث اکبر کہتے ہیں اور بے وضو انسان حدث اصغر میں شمار ہوتا ہے پانی ملے تو دونوں کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے ا۔ غسل اور ۲۔ وضو، اور پانی نہ ملے تو دونوں ایک جیسے تیمم سے دور ہوتے ہیں غسل والا بھی اس تیمم سے حدث اکبر سے نکل آتا ہے

### ۲۔ نجاست کی مختلف قسمیں

(۱) حقیقی اور حکمی

جو نجاست علیحدہ نظر آسکے وہ حقیقی ہے اور جو نجاست محسوس نہ ہوسکے جیسے غسل والے مرد کے بازو حکماً ناپاک ہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کرلے یہ حکمی نجاست ہے عورت ایام میں ہو تو وہ حکماً ناپاک ہے گو ہاتھ دھو کر وہ آٹا گوندھ سکے۔

(۲) نجاست غلیظہ اور خفیفہ

بہتا ہوا خون، شراب، بول و براز، درندوں کا بول و براز، کتے کا لعاب دہن، مرغی اور بطخ کا براز یہ سب نجاست غلیظہ ہیں۔ گھوڑے اور حلال جانوروں کا پیشاب اور پرندوں کی بیٹیں یہ سب نجاست خفیفہ ہیں فقہاء کے ہاں ان لفظوں کا استعمال کبھی اختصار سے ہوتا ہے اس لیے ان کی تفصیل کر دی گئی ہے۔

### ۳۔ حرام لذاتہ اور حرام لغیرہ

جو حرمت کسی چیز میں نہ ہو اس کے عوارض میں ہو وہ حرام لغیرہ ہے یہ حرمت اس پیش آمدہ صورت کے عارض ہونے سے عائد ہوتی ہے۔

مثلاً پکی قبریں بنانا فی نفسہ کوئی حرام کام نہ تھا لیکن یہ تعمیر جاہل لوگوں میں ان مقابر کی تعظیم کا سبب بنی اور پھر یہ تعظیم سجدوں تک جا پہنچی پھر یہی قبر پرستی بت پرستی کا پیش خیمہ بنی۔ اب پکی قبریں بنانا اوران کی آرائش وغیرہ کرنا حرام ٹھہرایا لیکن کون سی حرمت؟ حرمت لغیرہ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد

تصویر کشی خصوصاً جب معظم ہستیوں کی ہو انجام کار ان کی تعظیم کا سبب بنی ہے کئی لوگ ان تصویروں پر ہار ڈالتے بھی دیکھتے گئے سو اس شریعت میں جاندار کی تصویر حرام کی گئی یہ حرام لغیرہ ہے پہلی شریعتوں میں یہ حرام نہ تھی جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں بیت المقدس کی دیواروں پر تصویریں نقش کرتے تھے:۔

یعملون له مایشاء من محاریب وتماثیل (پ۲۲، السبا ۱۳)

عورتوں کے لیے پہلے پردہ کا حکم نہ تھا لیکن یہ اظہار زینت آئندہ کئی برائیوں کا سبب بنا۔ اب حکم ہو گیا کہ عورت پردے میں رہے۔ حرام لذاتہ وہ نظر بد جس نے یہ حالات پیدا کیے اب غیر محرم پر نظر (اگر نظر بد کے طور پر نہ ہو) حرام لغیرہ ٹھہرے گی۔

اب شراب کی حرمت اس کی ذات میں ہے گو کسی وقت شراب حرام نہ تھی مگر اب اسے حرام لغیرہ نہ کہا جائے گا کیونکہ ناپاکی اس کی ذات میں ہے خمر نجاست غلیظ ہے اب حرمت صرف اس کے عوارض میں ہے۔

سود کے مال میں حرمت لذاتہ ہے مگر یہ حرمت حکمی ہے حقیقی نہیں سود کا مال اگر کسی محتاج پر صدقہ کیا گیا اور اس پر ثواب کی امید نہ رکھی تو وہ مال اب اس غریب کے ہاتھ میں ناپاک نہیں ہے کیونکہ اس کی حرمت حکمی تھی حالات بدلنے پر اس کا حکم بھی بدل گیا۔

سورج کے طلوع وغروب کے وقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا فی ذاتہ حرام نہیں لیکن چونکہ بعض مشرک قومیں اس وقت سورج کی پرستش کرتی ہیں اس لیے ان کے تشبہ سے بچنے کے لیے ہماری شریعت میں اسے حرام کیا گیا ہے۔ حدیث متواتر میں اس کی ممانعت ہے سو یہ حرمت لغیرہ ہے۔

مسجد کی قبلہ والی دیوار پر نقش ونگار بنانا فی نفسہ ناجائز نہ تھا لیکن یہ چونکہ نمازی کی توجہ اور دلچسپی کا موجب بنا اس لیے ہماری شریعت میں اسے مکروہ کہا گیا ویسے بھی خرچ عبث

ہے حضرت عمرؓ آنحضرتؐ سے نقل کرتے ہیں:۔

ماساء عمل قوم قط الازخرفوا مساجدھم. (سنن ابن ماجہ ص ۵۴)

ترجمہ: کسی قوم کا عمل اس وقت برا ہوتا ہے جب وہ اپنی عبادت گاہوں کے نقش ونگار میں لگ جائے۔

## ۴۔ادا اور قضا کی فقہی اصطلاحیں

حق اپنے وقت پر دیا جائے یہ ادا ہے اور اپنے وقت سے بعد دیا جائے یہ قضا ہے نمازیں اپنے وقت پر ادا کرنا ان کی ادا ہے اور رہ جائیں اور وقت گزر جائے تو پھر ان کی قضا ہے اب جو پڑھی جائیں گی قضا سمجھی جائیں گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم امت کے لیے بعض اوقات نمازیں قضا ہوئیں اور آپ نے انہیں پھر قضا پڑھا بعض لوگ قضا کے قائل نہیں یہ حدیث کا کھلا انکار ہے ادا کے لیے یہ قرآنی حکم ہے:۔

ان الصلوۃ کانت علی المؤ منین کتابا موقوتا

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر بہ قید وقت فرض کی گئی ہے۔

جو عبادت ابھی فرض نہیں ہوئی اس کا پہلے سے ادا کرنا حقوق العباد میں تو سمجھ میں آجاتا ہے کہ صدقۃ الفطر عید کا چاند نظر آنے سے قبل دیا جاسکتا ہے مگر حقوق اللہ میں اس کی ادائیگی وقت سے پہلے نہیں ہوسکتی۔ عشاء کی نماز کے بعد متصلا اگلے دن کی فجر کی نماز پڑھ لینا درست نہیں نماز بہ قید وقت فرض کی گئی ہے کسی خبر واحد سے نماز کے اس بنیادی اصول کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

## ۵۔ظاہر اور نادر میں فرق

فقہ حنفی میں جو مسائل حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس فقہ میں مشاورت سے طے ہوئے اور امام محمدؒ نے انہیں اپنی چھ کتابوں میں قلمبند فرمایا انہیں فقہ حنفی کی ظاہر الروایۃ کہتے ہیں اور ائمہ ثلثہ کی جو روایات اور تحقیقات اپنی اپنی رہیں وہ نوادر کہلاتی ہیں فقہ حنفی میں نوادر سے اختلاف کیا جاسکتا ہے ظاہر الروایات سے نہیں امام محمدؒ کی چھ کتابیں ہیں جو ظاہر الروایۃ کہلاتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔جامع صغیر ۲۔جامع کبیر ۳۔سیر کبیر ۴۔سیر صغیر

۵۔ مبسوط، اسے کتاب الاصل بھی کہتے ہیں۔ ۶۔ زیادات

امام محمدؒ کی کتابیں کتاب الآثار، الحجۃ علی اہل المدینہ اور موطا امام محمد وغیرہ ظاہر الروایات میں داخل نہیں ان ائمہ کی اپنی روایات کا اگر کہیں ظاہر الروایہ سے تصادم ہو تو ترجیح ظاہر الروایہ کو ہوگی فقہ حنفی کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ شخصی فقہ نہیں زیادہ تر فقہاء کرام کی اجتماعی علمی تحقیقات کا حاصل ہے مگر چونکہ اس اجتماعی بورڈ کے سربراہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تھے اور تمام مباحث کے بعد وہی طے شدہ عبارت لکھواتے تھے اس لیے فقہ حنفی انہیں کی طرف منسوب کی گئی ورنہ یہ محمدی فقہ ہے جسے کتاب وسنت سے ہی کشید کیا گیا ہے جس طرح حدیث قرآن کا غیر نہیں فقہ بھی قرآن وحدیث کا غیر نہیں ہے فقہاء احکام کے موجد نہیں صرف مظہر ہیں ہاں فقہ حنفی کو اس اعتبار سے فقہ محمدی بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسے بیشتر حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے ترتیب دیا ہے۔

## فقہ حنفی شخصی فقہ نہیں شورائی فقہ ہے

امام ابوحنیفہؒ نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ اسلام کا قانونی مجموعہ ان کی شخصی آراء پر مبنی ہو آپ نے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس نے اس پر ایک ماہ یا چند ماہ نہیں برسوں اس پر محنت کی تب کہیں یہ شورائی فقہ مرتب ہوئی پھر اس پر اور تحقیق وتنقیح ہوتی رہی حضرت امام کے اصولوں پر امام کرخی اور امام بزدوی جیسے ائمہ اصول نے اور محنت کی یہاں تک کہ ائمہ ترجیح آئے اور فقہ حنفی میں ہدایہ البدائع اور فتاویٰ قاضی خاں جیسے فقہی مجموعے مرتب ہوئے فقہ حنفی کی اس تاریخ سے اسکی پیروی میں شرک فی الرسالہ کا کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔

## ایک اہم سوال اور اس کا جواب

فقہ کی تحقیق وترتیب میں یہ کی گئی کوششیں کتنی مخلصانہ کیوں نہ ہوں اسکے سرانجام دینے والے آخر معصوم تو نہ تھے ہوسکتا ہے کہ پھر بھی ان سے کئی باتوں میں کمی رہ گئی ہو پھر ہر بات میں ایک فقہ کی پیروی کیونکر کی جائے؟ اسطرح تو آپ جمع قرآن کی محنت کرنے والوں کے بارے میں بھی کہیں گے کہ اس میں کتنی ہی احتیاط کیوں عمل میں نہ لائی گئی ہو آخر یہ کاتبین وحی اور ان مسودوں کو اکٹھے کرنے والے معصوم تو نہ تھے ہوسکتا ہے کہ پھر کوئی بات رہ گئی ہو؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قرآن کریم ہر طرح سے الٰہی حفاظت میں ہے اور وہ حضورؐ کی زندگی میں سینوں میں جمع ہو چکا تھا اب اس کا ایک کتابی صورت میں آنا یہ ایک دوسری محنت تھی اور اس پر بھی خدا کی حفاظت کا سایہ تھا اور پھر اس پر پوری امت کا اجماع بھی ہو گیا اور ظاہر ہے کہ مختلف افراد امت گو علی الانفراد معصوم نہیں مگر اس امت کا اجماع یقیناً معصوم ہے اور قرآن اس اعتبار سے معصوم کوششوں سے یکجا ہوا ہے۔

فقہ بھی اسی طرح کتاب وسنت کی عملی صورت کی ایک دوسری ترتیب ہے۔

# ائمہ فقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خیر امت اور امت وسط بنایا ہے خیر امت وہ ہے جو اپنے قول وعمل سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور منکرات سے روکے اور امت وسط وہ ہے جو اپنے علم وعمل سے دوسری قوموں کے لیے رضا الٰہی کا نشان ہو اور خود ان کے لیے رضاء الٰہی کا نشان اللہ کا رسول ہو۔

یہ امت خیر امت تبھی ہو سکتی ہے کہ زندگی کے کسی مرحلے میں یہ اپنے حال پر بے راہ نہ رہے (کہ اس کے لیے کوئی راہ عمل نہ ہو نہ قرآن وسنت میں وہ مسئلہ ملے اور نہ اس کے لیے کوئی اور راہ کھلی ہو) کیا یہ ہو سکتا ہے کہ انسان یونہی خالی چھوڑ دیا جائے؟ ایحسب الانسان ان یترک سدی ہرگز نہیں، بلکہ اس کے پاس قرآن وسنت کی کوئی ایسی اصولی روشنی موجود ہو جس سے وہ ان تمام نئی راہوں میں بھی اسلام کے چراغ جلا سکے۔ یہ کتاب وسنت کی نصوص کو استدلال واستخراج سے نئے پیش آمدہ مسائل میں لانا ہے۔ یہی فقہ اسلام ہے جس سے اسلام کا یہ دعویٰ پورا ہوتا ہے کہ یہ ایک کامل نظام زندگی ہے جس میں ہر پیش آمدہ مشکل کا حل موجود ہے اجتہاد میں مجتہد کسی نئی چیز کا موجد نہیں ہوتا وہ گہرے حقائق شریعت کا مظہر ہوتا ہے اس کے استنباط کردہ مسائل میں کتاب وسنت کی روشنی ہی جلوہ گر ہوتی ہے۔ فقہ فقیہ کی اپنی اختراع نہیں ہوتی یہ نبی کی اپنی شریعت کا ہی ایک علمی پھیلاؤ ہے۔

امت کی خیر اسی میں ہے کہ اس امت میں فقیہ پیدا ہوں جو کتاب وسنت کے اصولوں سے زندگی کی ہر تاریک راہ کو منور کر سکیں اور فقہ کے پیرایہ میں کھلے بندوں کہا جا سکے کہ اسلام میں ہر ضرورت کا حل موجود ہے اور یہ ایک کامل نظام حیات ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون

عن المنكر وتؤمنون باللّٰہ (پ۴،آل عمران:۱۱۰)

ترجمہ: تم امت کا خیر ہو جو لوگوں (کو نفع پہنچانے) کے لیے سامنے لائے گئے ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آگے تمہیں سے چلے گا۔

جو لوگ خیر امت ہوں گے وہ پوری امت کے لیے خیر کا سبب بنیں گے، وہ فقیہ ہوں گے وہ دوسروں کے لیے راہ عمل ہوں گے باقی امت ان کی پیروی میں چلے گی وہ فقہاء ہیں ہی اس لیے کہ دوسروں کے کام آئیں اخرجت للناس (وہ لوگوں کے لیے میدان میں لائے گئے ہیں) خیر سے مراد امت کا فقیہ ہونا ہے اس کے لیے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی سامنے رکھیں تو خیر کی حقیقت اور واضح ہو جائے گی حضرت معاویہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

من یرد اللّٰہ به خیرا یفقهه فی الدین. (صحیح بخاری جلد۱،ص۱۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے خیر کا ارادہ کرے اسے دین میں فقیہ بنا دیتا ہے۔

مشکوٰۃ نبوت سے جو احادیث ملیں وہ سرمایہ فقہ ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ان کا حامل اور نقل کرنے والا راوی حدیث فقیہ بھی ہو۔ وہ حامل فقہ تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا فقیہ ہونا ضروری نہیں حضرت خاتم النبیینؐ یہ بات بھی فرما گئے:۔

فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه. (رواہ الشافعی واحمد والدارمی والبیہقی فی المدخل)

امت وسط بھی وہی ہے جو باقی تمام لوگوں پر الٰہی دین کا نشان ہو اور ان کے لیے خود رسول دین کی روشنی اور شہادت ہو۔

وکذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا. (پ۲،البقرہ۱۴۳)

ترجمہ: تمہیں امت وسط اس لیے بنایا ہے کہ تم لوگوں پر (دین خداوندی کے) گواہ رہو اور اللہ کے یہ رسول تم پر (دین خداوندی کے) گواہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی تربیت اور آپ کے فیض صحبت سے اس امت

میں فقہاء صحابہؓ کی ایک جماعت ابھری، نظم سلطنت میں جس طرح خلفاء راشدینؓ اس امت کے قافلہ سالار ہوئے، اسلام کی روشنی ہر دائرہ زندگی میں پہنچانے کے لیے اور منتہائے عالم تک اس شمع فروزاں کو باقی رکھنے کے لیے فقہاء صحابہؓ آگے بڑھے۔ یہ حضرات حضور خاتم النبیینؐ سے اس کام کی سند لے کر چلے اور تاریخ گواہ ہے کہ اس امت میں پھیلتے علم کے چراغ ان ائمہ فقہ کی کاوشوں سے ہی روشن ہیں فقہ کے یہ وہ پہلے بارہ امام ہیں کہ اقوام عالم رہتی دنیا تک ان کے علم کی محتاج رہیں گی اور جہاں بھی علم کا کوئی تارا چمکا اس میں انہی کی شمع فروزاں ضوء فشاں ہوگی۔

## فقہ کے پہلے بارہ امام

یوں تو فقہاء صحابہؓ اور بھی ہوئے لیکن جن صحابہؓ نے فقہ میں شہرت پائی ان میں یہ بارہ بہت ممتاز ہوئے ۱۔حضرت معاذ بن جبلؓ ۲۔حضرت ابی بن کعبؓ ۳۔حضرت ابوالدرداءؓ ۴۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۵۔حضرت زید بن ثابتؓ ۶۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ۷۔حضرت علی المرتضیٰؓ ۸۔حضرت عثمان غنیؓ ۹۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۱۰۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ ۱۱۔حضرت جابر بن عبداللہؓ ۱۲۔اور حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ۔

## فقہاء کے قول کی پیروی عہد صحابہؓ میں بھی ہوتی تھی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مدینہ کے لوگوں نے مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی عورت کو طواف افاضہ کے بعد ایام شروع ہو گئے تو وہ واپس ہو سکتی ہے یا طواف وداع کے لیے وہ رکی رہے انہوں نے فتویٰ دیا کہ وہ جا سکتی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا فتویٰ تھا کہ وہ رکی رہے اور پاک ہونے تک انتظار کرے جب پاک ہو تو طواف وداع کرے اور پھر وطن واپس ہو۔

دیکھیے عہد صحابہؓ کے دو مجتہدین کا اختلاف ہے اور لوگ ان کے اقوال کی پیروی کر رہے ہیں اور سب لوگ اپنی جگہ مطمئن ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں مجتہد کے قول کی پیروی کرنا کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا نہ اس وقت کوئی ایسا گروہ تھا جو کہے کہ فقہاء کے اقوال کی پیروی کیوں کرتے ہو؟ صرف حدیث پر عمل کرو یہ قول کیا لیے پھرتے ہو حدیث نہ ملے تو اپنی مرضی کرو فقہ کی بات نہ لو فقہاء کی پیروی نہ کرو۔

حدیث کا علم مجتہد کے پاس ہوتا ہے اگر وہ حدیث پیش کردے اور وہ لوگوں کو معلوم

ہو اور اس کا معارض بھی کوئی نہ ہو تو پھر دوسرے مجتہد کی بات چھوڑ دی جاسکتی ہے ورنہ جو لوگ اس دوسرے مجتہد کی پیروی میں لگے ہیں ان کے لیے اس کی پیروی ہرگز کوئی غلط اقدام نہ ہوگا اور دونوں طرف کے مقلدین اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہوں گے۔

یہ بات پختہ ہے کہ عہد صحابہؓ میں مجتہدین کے قول چلتے تھے اور امت میں ان پر عمل ہوتا تھا اور اسے ہرگز کوئی گناہ نہ سمجھا جاتا تھا نہ عوام اس پر عمل کے لیے اس قول مجتہد پر دلیل کا مطالبہ کرتے تھے مجتہد خود اپنی بات پر دلیل پیش کر دے تو یہ اور بات ہے یہاں اتنی بات واضح ہے کہ عوام کے لیے بلا طلب دلیل مجتہد کے قول پر عمل کرنا اس عہد میں بھی جاری تھا اور اسے ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

حضرت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:۔

عن عکرمة ان اهل المدينة سالوا ابن عباس عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنضر قالوا لانأخذ بقولک وندع قول زيد قال اذا قدمتم المدينة فاسئلوا فقدموا المدينة فسالوا فكان فى من سالوا ام سليم فذكرت حديث صفية رواه خالد و قتاده عن عكرمة (صحیح بخاری جلد ا، ص ۲۳۷)

ترجمہ: مدینہ کے لوگوں نے حج کے موقعہ پر حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا عورت نے طواف (افاضہ) کرلیا ہے اور اب اسے ایام شروع ہو گئے ہیں آپ نے کہا وہ واپس جاسکتی ہے انہوں نے کہا "ہم آپ کے قول کی پیروی نہ کریں گے" اور حضرت زیدؓ کے قول کو نہ چھوڑیں گے آپ نے کہا جب تم مدینہ جالو تو وہاں پوچھ لینا جب وہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے جن سے پوچھا ان میں ام سلیمؓ بھی تھیں انہوں نے حضرت صفیہؓ کی حدیث بیان کی جسے خالد قتادہ اور عکرمہ نے روایت کیا ہے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ اصحابؓ میں مختلف مدارج کے لوگ تھے ا۔فقیہ بھی تھے اور ۲۔فقہاء کے قول پر عمل کرنے والے مقلدین بھی جو اپنے اپنے امام کے قول کو فائق سمجھتے تھے یہ اس وقت تک ہوتا تھا جب تک سنت سامنے نہ آئے اور اجتہاد کا موقع

رہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

واں جماعت سلیم الفطرت برمنازل شتی بودہ اند طائفہ مخلوق براستعدادے کہ شبیہ باستعداد انبیاء بودہ نمونہ ازنبوت در جوہر طبیعت ایشاں مودع ایشاں سردفتر امت آمدند وبشہادت دل آں داعیہ وآں علوم را تلقی نمودہ اند وپارہ ازتحقیق نصیب ایشاں شد وطائفہ استعداد تقلید تمام داشتند وقبول انعکاس آں داعیہ وآں علوم نمودند وحصہ ازسعادت یافتند وکلا وعداللہ الحسنیٰ۔

ترجمہ: صحابہؓ کی یہ سلیم الفطرت جماعت کئی درجوں میں تھی ۔۱۔ان میں ایسے لوگ بھی رہے جن کی قابلیت انبیاء کرام کی قابلیت کے مشابہ ہو اور انکی فطرت میں نبوت کا ایک طور ودیعت کیا گیا ہو یہ لوگ اس امت کے سردفتر ٹھہرے انہوں نے دل کی شہادت سے نبوت کے اس داعیہ اور نبوت کے علوم کی تلقی کی اور کچھ مقام تحقیق ان کے نصیب میں ہوگیا اور ۲۔دوسرا طبقہ ان میں (صحابہؓ میں) ایسا ہوا جن میں کامل تقلید کی استعداد جلوہ گر تھی انہوں نے نبوت کے اس داعیہ کو (جو پہلے گروہ میں ودیعت ہوا) اور اس کے علوم کو اپنے اندر عکساً قبول کیا یہ بھی الٰہی سعادت پا گئے اور جنت کا وعدہ تو قرآن میں سب صحابہؓ کو دیا گیا ہے۔

**وکلا وعد اللہ الحسنیٰ واللہ بما تعملون خبیر۔** (پ۲۷،حدید۱۰)

اس سے پتہ چلا کہ صحابہ کرامؓ میں تحقیق وتقلید دونوں سلسلے قائم تھے آگے امت میں جو مجتہدین اور مقلدین چلے انہوں نے یہ طور دور صحابہؓ سے ہی پایا ہے یہ حقیقت ہے کہ احکام شرعیہ کا علم انہی دو راہوں سے ہوتا ہے ۱۔تحقیق سے اور ۲۔تقلید سے۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:۔

علم بہ احکام شرعیہ بہ دو طریق حاصل مے شود۔ ۱۔تقلید ۲۔تحقیق وعلم انبیاء از جنس علم تقلیدی اصلا نیست بلکہ آنچہ ایشاں را ازیں علم بدست آمد ہمہ بطریق تحقیق حاصل شد۔ (منصب امامت ص ۵۴)

ترجمہ: احکام شرعیہ کا علم دو طریق سے حاصل ہوتا ہے تقلید سے اور تحقیق

سے۔ انبیاء کرام کا علم اپنی جنس میں علم تقلیدی نہیں ہوتا انہیں اس راہ کا
جو علم ملتا ہے وہ بہ طریق تحقیق ملتا ہے۔
پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔
پس مشابہ با نبیاء دریں فن مجتہدین متقبولین اند۔ پس ایشاں را از ائمہ فن
باید شمرد مثل ائمہ اربعہ۔ پس گویا مشابہت تامہ دریں فن نصیب ایشاں
گردیدہ بناء علیہ درمیان جماہیر اہل اسلام از خواص وعوام بلقب امام
معروف گردیدند و بقوت اجتہاد موصوف۔ (منصب امامت ص ۵۳)
ترجمہ: پس اس فن میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین متقبولین ہوئے ہیں
انہیں ائمہ فن شمار کرنا چاہیے جیسے کہ چار امام ہوئے اس فن میں مشابہت
تامہ انہی کو نصیب ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عامہ اہل اسلام میں خواص
ہوں یا عوام یہ حضرات ملقب بامام ہوئے اور مجتہدین ہونے کی صفت
انہی میں پائی گئی ہے (پس جب یہ امام ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان کے
پیرو بھی ہوں گے)

ائمہ اربعہ سے پہلے جلیل القدر فقہاء صحابہؓ ہوئے دوسرے صحابہؓ نے ان کی پیروی کی اور تابعین بھی برسوں ان کی تقلید میں چلے یہ فقہ کے وہ بارہ امام ہیں کہ امت کا پورا علم فقہ ان کا رہین احسان ہے۔ ان فقہاء صحابہؓ نے امت میں استخراج واستنباط کی راہیں تو کھولیں لیکن وہ قواعد کو مدون نہ کر سکے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سعادت بعد کے مجتہدین کے نام لکھی تھی اور ان میں بھی بازی امام ابوحنیفہؒ لے گئے۔

## فقہ کے پہلے بارہ امام

### ا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۷ھ)

فقہ کا موضوع عقائد نہیں نہ اخلاقیات بلکہ احکام ہیں جو حلال وحرام اور واجبات ومکروہات بیان کرتے ہیں۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ جاننے والا (یعنی فقہ کا سب سے بڑا ماہر) حضرت معاذؓ کو قرار دیا ہے۔
حضرت انسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

**اعلم بالحلال والحرام معاذ بن جبل.**

(جامع ترمذی جلد۲، ص ۲۲۰ ورواہ احمد ایضاً)

حضرت انسؓ یہ بھی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چار شخصوں نے پورا قرآن جمع کیا تھا ان چار میں حضرت معاذؓ بھی تھے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان چار شخصوں سے قرآن کریم پڑھو۔

**استقرؤا القران من اربعة عبدالله بن مسعود فبدابه وسالم مولی ابی حذیفة وابی بن کعب ومعاذ بن جبل.**

(صحیح بخاری جلد۱، ص ۵۳۱، ص ۵۳۷)

ترجمہ: قرآن کریم ان چار استادوں سے لینا۱۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور آغاز ان سے کیا۔۲۔ سالم مولی ابی حذیفہؓ ۳۔ ابی بن کعبؓ ۴۔ معاذ بن جبلؓ۔

حضورؐ نے انہیں اسی وقت ان ائمہ اربعہ کے پیچھے چلنے کی راہ دکھائی یہ اس وقت قرآن کریم کو بہتر جاننے والے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان میں اول تھے۔

اب ظاہر ہے کہ ان حضرات سے دین کی جو بات بھی منقول ہوگی وہ حضورؐ کے اس ارشاد کی روشنی میں آپ ہی کی تعلیم سمجھی جائے گی اور اس کی پیروی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی پیروی شمار ہوگی۔ معلوم ہوا ائمہ اربعہ کی پیروی اس اصول پر حضورؐ کی ہی پیروی ہے۔

## حضورؐ کا حضرت معاذؓ کو فقیہ ہونے کی سند دینا

آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا کس طرح فیصلے کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا میں فیصلہ کتاب اللہ سے لوں گا وہاں نہ ملے تو سنت کی رو سے فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اگر سنت میں بھی نہ ملے؟ تو حضرت معاذؓ نے کہا اجتهد برائی میں اپنی رائے سے استنباط کروں گا اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں اہل الرائے عیب کی نظر سے نہ دیکھے جاتے تھے ورنہ حضورؐ اس پر ضرور نقض فرماتے آپ نے ان پر اعتراض کرنے کی بجائے فرمایا:۔

الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ لما یرضی بہ رسول اللّٰہ۔ (جامع ترمذی جلدا،ص ۱۵۹، مسند امام احمد سنن ابی داؤد ص سنن دارمی)

ترجمہ: حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے اللہ کے رسول کے ایلچی کو اس بات کی توفیق دی جس سے خدا کا رسول خود راضی ہوا۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے موضوع پر ایک ایسی ضرورت محسوس کی ہے جس کے لیے قرآن وسنت کی صریح راہنمائی موجود نہ ہو۔ ان میں رائے سے کام لینا اور اجتہاد کرنا اسے لسان شریعت نے جائز کہا ہے سو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے بعد ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ ایک بڑی کھلی گمراہی میں ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے مسائل جن میں قرآن وسنت کی صریح رہنمائی موجود نہ ہو ان میں رائے سے کام لینا اور انہیں قرآن وسنت کی جزئیات میں سے کسی جزئی پر قیاس کرنا ہرگز کوئی عیب نہیں اور نہ ان دنوں دینی رائے کو کوئی عیب سمجھا جاتا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ مجتہد درجے کے صحابی تھے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اجتہاد کی اجازت دی تھی اور دوسروں کے لیے آپ کے اجتہاد کو آپ نے واجب القبول ٹھہرایا تھا۔ جو مجتہد نہیں اس کے لیے ضروری قرار پایا کہ وہ ان صلحائے امت کی پیروی کرے جو اجتہاد کا درجہ رکھنے والے فقیہ ہوں دوسرے لوگ ان کے فیصلوں پر چلیں یہ ایک تقلید کی راہ ہے۔

اس حدیث کی سند میں عن اناس من اهل حمص کے الفاظ ملتے ہیں حافظ ابن قیمؒ نے اس کی یوں وضاحت کی ہے:۔

عبادة بن نسی عن عبدالرحمن بن غنم عن معاذ

اور پھر اس اسناد کی یوں توثیق کی ہے:۔

وهذا اسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة.

(اعلام الموقعین جلدا،ص ۱۷۶)

نواب صدیق حسن خاں نے تفسیر فتح البیان میں قاضی شوکانیؒ سے اس کا صالح

للاحتجاج ہونا اس طرح نقل کیا ہے:۔

وهو حديث صالح للاحتجاج به كما اوضحه الشوكانی ذلک فی بحث مفرد. (تفسیر فتح البیان بہامش ابن کثیر جلد۵، ص۳۲۴)

حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وحديث معاذ صحيح مشهور رواه الائمة العدول.

(جامع بیان العلم جلد۱، ص۷۷)

اب حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) کے الفاظ بھی سن لیں:۔

هذا الحديث فی المسند والسنن باسناد جيد.

(تفسیر ابن کثیر جلد۱، ص۳)

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت معاذؓ کے مجتہد ہونے کی نص ٹھہرتی ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ اب یمن کے لوگ ان کی پیروی میں چلیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقعہ پر فرمایا:۔

ان معاذا قدسن لكم سنة كذلک فافعلوا.

(سنن ابی داؤد جلد۱، ص۷۴ فتح القدیر جلد۲ ص)

ترجمہ: معاذؓ نے بے شک تمہارے لیے ایک راہ قائم کردی ہے اب تم اس کی اقتداء میں چلو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں اس دور سے ہی فقہاء صحابہ کی پیروی چلی آرہی ہے۔

## حضرت عمرؓ کا حضرت معاذؓ کو فقیہ ہونے کی سند دینا

حافظ ذہبی نقل کرتے ہیں حضرت عمرؓ نے جابیہ میں جو تاریخی خطبہ دیا اس میں فرمایا:۔

من اراد ان يسأل عن الفقه فلياًت معاذا.

(تذکرۃ الحفاظ ۲، ص۲۰)

ترجمہ: جو شخص فقہ کی کوئی بات پوچھنا چاہے وہ حضرت معاذؓ کے پاس آئے۔

اس پس منظر میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی فقہی رائے محض ایک رائے قرار دے کر رد نہیں کی جا سکتی ان کی فقہی آراء غیر مجتہدین کے لیے خود ایک شاہراہ ہے جو کتاب وسنت میں لپٹے مضامین کو اس نئے دور میں ہر موقع ضرورت پر واضح کر رہی ہے۔

حافظ ذہبی حضرت معاذؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

كان من نجباء الصحابة وفقهائهم. (ایضاً جلد۲، ص۱۸)

ترجمہ: آپ اشرف درجے کے صحابی تھے اور صحابہؓ میں جو لوگ فقہاء تھے آپ ان میں سے تھے۔

آپ ہی فیصلہ کریں کہ صحابہؓ کے عہد میں فقہ کی کس درجے میں عظمت تھی اور فقہاء صحابہ کس اعتماد سے قوم کے امام سمجھے جاتے تھے۔

عن الاسود بن يزيد قال اتانا معاذ بن جبل باليمن معلما اوامير افسالناه عن رجل توفى وترك ابنته واخته فاعطى الابنة النصف والاخت النصف.

(صحیح بخاری جلد۲، ص۹۹۷)

ترجمہ: اسود بن یزید کہتے ہیں حضرت معاذؓ ہمارے ہاں یمن میں معلم یا امیر ہو کر آئے ہم نے آپ سے پوچھا ایک شخص فوت ہو گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن وارثوں میں چھوڑی آپ نے اس کے ترکہ کا ایک نصف بیٹی کو اور دوسرا نصف بہن کو دلوایا۔

حضرت معاذؓ نے جب یہ فتویٰ دیا تو کیا کسی نے ان سے اس مسئلہ پر دلیل مانگی یا اعتماداً بلا طلب دلیل اسے قبول کیا؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تابعین حضرات صحابہ کرامؓ سے فتویٰ لیتے تھے اور ان سے اس وقت دلیل کا مطالبہ نہ کیا جاتا تھا امت اس دور میں بھی فقہاء پر اعتماد کرتی تھی اور امت میں اس انداز میں تقلید اس وقت بھی جاری تھی ایک مثال لیجئے:۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کا مسلک یہ تھا کہ کافر تو مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا لیکن مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے آپ کا اجتہاد اس آیت کی روشنی میں تھا۔

ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا

(پ۵، النساء:۱۴۱)

ترجمہ: اور اللہ ہر گز نہ دے گا کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی کوئی راہ۔

مسلمان بایں طور کہ اصل مالک روئے زمین کے وہی ہیں خلق لکم مافی الارض جمیعا اور جو کچھ کفار کے پاس ہے وہ بھی من حیث الاصل مسلمانوں کا ہی حق تھا جس پر انہوں بلطائف الحیل قبضہ کر رکھا ہے سو اگر کسی بھی عنوان سے کافروں کا مال مسلمانوں کو ملتا ہے تو مسلمانوں کی طرف سے نہ نہیں ہونی چاہیے۔ حق بحقدار رسید۔ کسی کافر کا بیٹا حقدار ہے وہ اپنے باپ کا مال کیوں کسی کے پاس جانے دے۔ علامہ عینی اس اختلاف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

واما المسلم فهل يرث من الكافر ام لا فقالت عامة الصحابة رضى الله عنهم لايرث وبه اخذ علماء نا وهذا استحسان والقياس ان يرث وهو قول معاذ بن جبل ومعاوية بن ابى سفيان وبه اخذ مسروق و محمد بن الحنفية ومحمد بن على بن الحسين. (عمدۃ القاری جلد ۲۳، ص ۲۶۰)

ترجمہ: مسلم کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں جمہور صحابہ کرامؓ اس کے قائل ہیں کہ مسلم اس کا وارث نہیں ہو سکتا ہمارے ہاں یہی مسئلہ ہے اور یہ فیصلہ بطریق استحسان ہے اور قیاس مقتضی ہے کہ وہ وارث ہے صحابہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہؓ کا فتویٰ بھی یہی ہے اور تابعین میں امام مسروق امام محمد بن حنفیہ اور امام باقر کی رائے بھی یہی ہے۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے دور حکومت میں اگر اپنے اس فتویٰ پر عمل کیا تو یہ بطور ایک مجتہد ان کی رائے تھی اور کئی دوسرے مجتہدین بھی اس میں ان کے ساتھ تھے سو اسے بدعت کہنا کسی طرح درست نہیں بدعت کا دور تو صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتا ہے صحابہؓ کی بات کیسے بدعت ہو سکتی ہے ان کی اتباع فرقہ ناجیہ کا نشان ہے ما انا علیہ واصحابی وہ خود بدعت کا مورد کیسے بن سکتے ہیں۔

## ۲۔ حضرت ابی بن کعبؓ (۱۹ھ)

آپؓ انصار میں سے ہیں اور قرآن کریم پڑھنے میں صف اول کی فضیلت رکھتے

ہیں خود حضورؐ نے فرمایا:۔

اقرأهم ابی بن کعبؓ

پوری امت میں آپ سید القراء سمجھے جاتے ہیں۔(الاصابہ ص۱۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو صحابہؓ فقہ میں ممتاز سمجھے جاتے تھے اور فتویٰ دیتے تھے آپ ان میں سے ایک ہیں۔

مسروق تابعیؒ (۹۳ھ) کہتے ہیں آپ ان چھ صحابہؓ میں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتویٰ دیتے تھے۔(ایضاً)

خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

احد الفقهاء الذين كانوا يفتون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الاکمال ص۵۹۰)

جس دن آپ کی وفات ہوئی حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

اليوم مات سيد المسلمين آج مسلمانوں کے سردار چل بسے۔

(تذکرہ جلد۱، ص۱۶)

حضرت عمرؓ کی زبان سے ان الفاظ میں خراج تحسین ان کی واقعی عظمت کا پتہ دیتے ہیں۔

آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابہؓ میں سے حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، سوید بن غفلہ اور حضرت ابو ہریرہؓ آپ کے شاگردوں میں تھے۔ جس طرح حضرت ابوبکرؓ، سید المہاجرین مانے گئے ہیں حضرت ابیؓ سید الانصار تھے آپ اپنے شاگردوں کو جب اجتہاد کرنے کی اجازت دیتے تو فرماتے خود اجتہاد کرنے سے پہلے دوسرے مجتہدین کی آراء کو بھی دیکھ لیا کرو پھر کوئی موقف اختیار کرو پہلے مجتہدین کے فیصلوں کو جانے بغیر تم کیا اجتہاد کرسکو گے۔ امام بیہقی مسلمہ بن خالد سے نقل کرتے ہیں:۔

عن مسلمة بن خالد انه قام على زيد بن ثابت فقال يا ابن عم اكرهنا على القضاء فقال زيد اقض بكتاب الله عزوجل فان لم يكن في كتاب الله ففي سنة النبي صلى الله عليه وسلم فان لم يكن في سنة صلى الله عليه وسلم فادع اهل الرای

ثم اجتهد واختر لنفسک ولا حرج. (سنن کبریٰ جلد ۱۰ ص ۱۱۵)

اس سے پتہ چلا کہ مجتہدین کے فیصلوں پر نگاہ رکھنا پھر اجتہاد کرنا اور اپنی رائے قائم کرنا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس عبارت میں لفظ اہل الرائے اور نکھر کر سامنے آتا ہے ہر عالم اس درجے میں نہیں ہوتا کہ اسے اہل الرائے میں شمار کیا جا سکے اہل الرائے انتہائی بلند پایہ علمی پایہ ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

## حضرت ابیؓ کا ایک اجتہاد اور حضورؐ سے اس کی تصویب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رمضان تین رات مسجد میں تراویح کی جماعت کرائی پھر آپ اس کے لیے اگلی رات نہ نکلے صحابہؓ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم. (مشکوٰۃ ص ۱۱۴ متفق علیہ)

ترجمہ: مجھے تراویح پڑھانے کے لیے نکلنے سے کسی اور بات نے نہیں روکا سوائے اس کے مجھے ڈر لگا کہیں یہ نماز بھی تم پر فرض نہ ہو جائے۔

خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم به.

(مشکوٰۃ ص ۱۱۴ متفق علیہ)

ترجمہ: مجھے ڈر لگا کہ یہ نماز تم پر فرض ہو جائے اور اگر یہ فرض ہو جاتی تم اسے قائم نہ کر سکتے۔

## ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جو اس نماز کو جماعت سے ادا کرنا چھوڑا تو کیا اسے ناپسند کرتے ہوئے چھوڑا یا امت پر شفقت آپ کو اس مقام پر لے آئی؟ یہ صحیح ہے کہ مردوں کے لیے فرض نمازوں کے سوا باقی نمازیں گھر پر پڑھنی بہتر ہیں لیکن اگر کسی کو پورا قرآن کریم یاد نہ ہو اور وہ رمضان میں اسے ختم کرنا چاہتا ہو تو تراویح بالجماعۃ کے سوا چارہ نہیں۔ ان حالات میں مسئلہ زیر بحث بہت گہرا ہو جاتا ہے کہ حضورؐ کا تراویح بالجماعۃ کو ترک کرنا اس عمل کی ناپسندیدگی کی وجہ سے نہ تھا اس میں امت کی رعایت اور اس پر شفقت مقصود تھی ان

دونوں پہلوؤں پر آپ غور کریں اور فیصلہ دیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے دوسری جانب اختیار کی تھی اور مسجد میں تراویح کی جماعت باقی رکھی یہ چونکہ حضور کی اجازت کے بغیر تھا اس لیے حضرت ابی بن کعب محراب میں کھڑے نہ ہوئے ایک کونے میں جماعت کراتے رہے آپ کو دیکھ کر تراویح کی کچھ اور جماعتیں بھی ہونے لگیں۔

ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر نکلے اور تراویح کی ان جماعتوں کو دیکھا حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں:۔

خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاذا اناس فی رمضان یصلون فی ناحیة المسجد فقال ماھؤلاء فقیل ھولاء ناس لیس معھم قران وابی بن کعب یصلی بھم بصلاته فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصابوا ونعم ماصنعوا۔

(سنن ابی داؤد جلد ا، ص ۱۹۵ مختصر قیام اللیل ص ۱۹۷ وفی روایة مسلم بن خالد وقد تکلم فیہ)

ترجمہ: ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ رمضان میں مسجد کے ایک طرف تروایح پڑھ رہے ہیں آپ نے پوچھا کہ یہ کیوں جمع ہیں؟ عرض کیا گیا ان لوگوں کو قرآن یاد نہیں اور ابی ابن کعبؓ ان کو نماز تروایح پڑھا رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے ٹھیک کیا ہے اور اچھا عمل ہے جو انہوں نے کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ مسجد میں تراویح باجماعة سرے سے متروک نہ ہوئی تھی آنحضرتؐ کے نہ پڑھانے کے باوجود یہ سلسلہ کچھ نہ کچھ چلتا رہا تھا اور صحابہ کرامؓ نے جس بات کو اجتہاداً اختیار فرمایا لسان رسالت نے پھر اس کی تائید بھی کردی اور اس وقت سے اب تک مسلمانوں میں برابر جاری ہے اور تراویح جماعت سے پڑھی جارہی ہیں۔

آنحضرتؐ نے جو تین رات تراویح پڑھائی ہر رات کتنی رکعات پڑھیں کسی صحیح الاسناد حدیث سے اس کا عدد متعین نہیں ملتا۔

ا۔ ومن ظن ان قیام رمضان فیه عدد موقت عن النبی صلی

اللہ علیہ وسلم لایزاد ولاینقص منہ فقد اخطا۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد۲، ص۴۰۱)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے گمان کیا کہ قیام رمضان میں حضورؐ کی طرف سے کوئی طے شدہ رکعات ملتی ہیں جن میں کمی بیشی نہ ہو اس نے ایسا سمجھنے میں خطا کی ہے۔

۲۔ اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی ھل ھو عشرون او اقل۔

(شرح المنہاج)

ترجمہ: جان لو کہ ان راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعات تراویح پڑھی تھی یا کم حضورؐ سے اس باب میں کوئی عدد منقول نہیں ہے۔

۳۔ ان العلماء اختلفوا فی عددھا ولو ثبت ذلک من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ۔

(زجاجۃ المصابیح عن جلال الدین سیوطی ص۴۷)

ترجمہ: علماء میں تراویح کی رکعات میں اختلاف ہے آنحضرتؐ سے اگر اس میں کوئی عدد معین ملتا تو آپس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

۴۔ القصر الصلوۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معین وتخصیصھا بقراۃ مخصوصۃ لم تردبہ سنۃ۔

(نیل الاوطار للشوکانی جلد۱، ص۴۶)

ترجمہ: تراویح کو کسی عدد معین اور کسی مخصوص قرات پر بند کرنا سنت سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔

۵۔ ولم یات تعین العدد فی الروایات الصحیحۃ المرفوعۃ لکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالایجتھد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددھا کثیر۔ (انتقاد الرجیح ص۶۱)

۶۔ مشہور اہل حدیث عالم نور الحسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:۔

بالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ (العرف الجادی ص ۸۴)

بعض غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ یہ پانچوں علماء جھوٹ بول رہے ہیں حدیث عائشہؓ میں گیارہ رکعت کا ثبوت موجود ہے علماء کبار کے خلاف بہت بڑی جرأت ہے۔

البتہ محمد بن نصر مروزی نے کچھ ضعیف روایات سے حضرت جابرؓ کی سند سے ایک رات آٹھ رکعت پڑھنا نقل کیا ہے اس کے راوی محمد بن حمید المرازی اور عیسی بن جاریہ دونوں ضعیف ہیں۔ اگر آنحضرتؐ نے تین راتوں میں سے کسی میں آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہوتیں تو آپ کی اس مسجد میں اسلام کی اس چودہ سوسالہ تاریخ میں کسی رمضان میں تو آٹھ رکعت تراویح پڑھائی گئی ہوتیں۔ اس کے برعکس ہم اب تک خانہ کعبہ میں اور مسجد نبوی میں بیس رکعت تراویح کی جماعت ہی دیکھتے آرہے ہیں تاریخ میں ایک سال بھی ایسا نہیں ملتا جب ان دو بڑوی مسجدوں میں تراویح بالجماعت کبھی آٹھ رکعت بڑھی گئی ہو۔

## ایک قابل غور نکتہ

آنحضرتؐ سے تو ان راتوں کے بارے میں ایک صحیح روایت بھی تعداد رکعت کی نہیں ملتی البتہ حضرت ابی بن کعبؓ کو جو حضورؐ نے تراویح کی جماعت کراتے دیکھا اور آپ نے ان کی تصویب وتحسین فرمائی حضرت ابیؓ سے جو تعداد رکعات کی ملے گی وہ عدد من وجہ آنحضرتؐ کا تائید یافتہ سمجھا جائے گا کیونکہ حضور آپ کی تراویح کی تصویب فرما چکے ہیں۔

عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلث.

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد۲، ص ۱۶۳)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ مدینہ شریف میں رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔

جب حضورؐ نے حضرت ابیؓ کی نماز تراویح کی تصویب فرمائی تو کیا بیس کا یہ عدد (عشرین) حضورؐ کا پسند کردہ سمجھا جائے گا؟ اس پر غور فرمائیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں جب پھران اوزاع متفرقہ کو ایک امام (اور وہ بھی حضرت ابیؓ ہی تھے) پر جمع کیا اور اسے تمام صحابہؓ نے قبول کیا تو اب یہ دیکھیں کہ حضرت

عمرؓ کتنی رکعات تراویح کا حکم دیتے ہیں:۔

عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة. (المصنف جلد ۱، ص ۱۶۳)

ترجمہ: یحییٰ بن سعیدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ انہیں بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔

حضرت عروہ بن الزبیرؓ بھی کہتے ہیں:۔

ان عمربن الخطاب امر ابیا ان یصلی بالناس فی شهر رمضان (ایضاً جلد ۲، ص ۱۶۵)

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو تراویح پڑھائیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تراویح بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں یہ ایک ملکی سطح کی خبر ہے حکومت کے ایسے فیصلے خبر مستفیض بن کر پھیلتے ہیں۔ انفرادی خبروں میں تو اتصال رواۃ کی ضرورت پڑتی ہے لیکن خلافت کے فیصلوں کو آگے نقل کرنے والے رواۃ اگر علماء ثقات اور ائمہ فقہاء میں سے ہوں تو ان کی نقل کردہ خبر مستفیض اتصال زمانہ کی محتاج نہ ہوگی۔

یحییٰ بن سعید انصاری (شاگرد خاص حضرت انس بن مالکؓ) جیسے امام علم کا حضرت عمرؓ کی بات نقل کرنا یا یزید بن رومانؒ کا، حضرت عمرؓ کے دور کی بات نقل کرنا کم علمی شہادتیں نہیں ہیں۔ کیا ان کی روایات کو امام مالکؒ نے قبول نہیں کیا؟ اور اپنے مؤطا میں انہیں جگہ نہیں دی؟ اور کیا اس پر علماء فن کا اتفاق نہیں سمجھا گیا کہ مؤطا اہل حجاز کی اتفاق یافتہ کتاب ہے۔

سنن ابن داؤد کی بھی ایک روایت سے حضرت ابی بن کعبؓ کی نماز تراویح بیس رکعت ثابت ہوتی ہے:۔

عن الحسن ان عمربن الخطاب رضی الله عنه جمع الناس علی ابی بن کعبؓ فکان یصلی بهم عشرین رکعة.

(سنن ابی داؤد جلد ۱، ص ۲۰۲ باب القنوت فی الوتر)

ترجمہ: حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے پوری قوم کو ابی بن کعبؓ پر جمع کیا وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

افسوس کہ آج سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں اس لفظ عشرین رکعۃ کو عشرین لیلۃ میں بدل دیا گیا ہے۔ (مولانا وحید الزمان کے ترجمہ میں جسے اسلامک اکیڈمی اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے اس کے جلدا، ص ۵۳۵ پر عشرین رکعۃ کو عشرین لیلۃ بنا دیا گیا ہے اس کے بعد لکھا ہے کہ آپ قنوت نصف اخیر میں پڑھتے تھے اگر آپ کا یہ قنوت پڑھنا نصف آخر میں تھا تو نصف آخر سے پہلے بیس رکعات کیسے ہو گئیں کیا رمضان سوا مہینے کا ہوتا ہے؟)

آیئے ہم آپ کو آٹھویں صدی ہجری میں لے چلیں اور اس دور کے نسخہ سنن ابی داؤد کا پتہ دیں اس میں کیا الفاظ تھے؟ مشائخ سعودی کے جلیل القدر امام فقہ حافظ ابن قدامہ الحنبلی (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ان عمرلما جمع الناس علی ابی بن کعب کان یصلی بهم عشرین رکعة. (المغنی جلدا، ص ۸۰۳)

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو (تراویح کے لیے) حضرت ابیؓ پر جمع کیا تو وہ آپ کو بیس رکعت پڑھاتے تھے۔

جب اس پرانے نسخے میں بھی عشرین رکعة کے الفاظ ہی ہیں تو یہ بات واضح ہے کہ آج ان نسخوں میں اسے عشرین لیلة کر دیا گیا ہے یہ تحریف ہے جو بیس رکعت تراویح کے خلاف کی گئی ہے اس پر بھی اطمینان نہ ہو تو حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) کی تاریخ دول الاسلام میں اسے ابوداؤد کے حوالہ سے دیکھ لیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد کا یہ تسلسل بیس رکعت تراویح کچھ اس انداز سے چلا کہ امت میں ایک حلقہ اہل علم بھی ایسا نہ رہا کہ جو بیس رکعت سے کم تراویح کا قائل ہو یہاں تک کہ ہم حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں داخل ہو جاتے ہیں مکہ اور مدینہ کا یہ تعامل بیس رکعت عراق پہنچ کر بھی بیس ہی رہا۔

## حضرت علیؓ کے دور میں تراویح کی رکعات؟

عن ابن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة. (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲، ص ۳۹۳)

ترجمہ: حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت

(تراویح) پڑھائے۔

ابو الحسناء دو ہیں ایک جو حضرت علیؓ کے شاگرد تھے اور دوسرے حضرت علیؓ کے شاگرد حکم بن عتیبہ کے شاگرد تھے یہ شریک نخعی کے استاد تھے۔ (کمافی التھذیب)

جو ابوالحسناء حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں ان سے ابوسعید بقال اور عمرو بن قیس نے روایت لی ہے سو ابن حجر کا اسے مجہول کہنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اسے مستور الحال کہا جا سکے گا اور ظاہر ہے کہ مستور الحال کی روایت ایک جماعت محدثین کے نزدیک لائق قبول ہے۔

حضرت علیؓ کے شاگردوں میں شتیر بن شکل بھی بیس رکعت تراویح ہی پڑھاتے تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کی بیس رکعت والی جملہ روایات صحیح ہیں اگر کسی میں سند کا ضعف ہے تو وہ ان قرائن سے منجبر ہو جاتا ہے۔

عن شتیر بن شکل و کان من اصحاب علی انه کان یومهم فی شهر رمضان بعشرین رکعة ویو تر بثلث

ترجمہ: شتیر بن شکل سے جو حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے ہیں مروی ہے کہ آپ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

## اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت ابی بن کعبؓ کی قبولیت

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ سے کہا:

ان الله امرنی ان اقرأ علیک لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب. (صحیح بخاری جلد ا، ص ۵۲۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن کی یہ سورت پڑھوں لم یکن الذین کفروا۔

حضرت ابیؓ نے متعجب ہو کر پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ کو کہا ہے؟ (قال وسمانی؟) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نعم) ہاں۔

## ۳۔ سید العلماء حضرت ابو الدرداءؓ (۳۲ھ)

جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس امت میں فقیہ الامت کے طور پر معروف ہیں حضرت ابو الدرداءؓ فقیہ اہل شام اس امت کے حکیم الامت مانے گئے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت چار صحابی پورے قرآن کے حافظ تھے ا۔ حضرت ابو الدرداءؓ ۲۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ۳۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۴۔ حضرت ابوزیدؓ۔ (صحیح بخاری جلد۲، ص۷۴۸)

حضرت انسؓ کی یہ بات حضرات انصار کے بارے میں ہے مہاجرین کے حفاظ کرام ان کے علاوہ تھے۔ جنگ یمامہ میں ستر کے قریب حافظ قرآن شہید ہوئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حفاظ قرآن ان دنوں بڑی تعداد میں موجود تھے۔

مشہور تابعی حضرت مسروقؒ (۶۱ھ) فرماتے ہیں:۔

> ترجمہ: میں نے محسوس کیا کہ آنحضرتؐ کے جملہ صحابہؓ کا علم ان چھ میں سمٹ آیا ہے ا۔ حضرت عمرؓ ۲۔ حضرت علیؓ ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۴۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ۵۔ حضرت ابو الدرداءؓ ۶۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ (طبقات ابن سعد جلد۲، ص۲۶۷)

آپ کا اعزاز یہ ہے کہ آپ نے قرآن کریم براہ راست حضورؐ سے حفظ کیا تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔۔۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عراق کے سب سے بڑے استاد مانے گئے ہیں حضرت ابو الدرداءؓ صحابہ میں شام کے مرکزی عالم تسلیم کیے گئے ہیں اور وہاں جو علم پھیلا وہ آپ کے علم و معارف کا ہی پرتو تھا۔ حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:۔

> آپ شام کے فقیہ اور قاضی بھی تھے۔ (تذکرہ جلد۱)

شام کے مجتہد امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) جن کی ان بلاد میں مدتوں تقلید کی جاتی رہی ہے انہی کے علمی جانشین تھے فقیہ مصر حضرت لیث بن سعدؒ (۱۷۵ھ) روایت کرتے ہیں حضرت ابو الدرداءؓ کے ساتھ اس قدر علماء وفضلاء چلتے جیسے کسی بادشاہ کے خدم وحشم ساتھ چل رہے ہوں۔ (تذکرہ الذہبیؒ)

## حضرت ابوالدرداءؓ کے اجتہاد کی ایک اور مثال

حضرت ابوالدرداءؓ حضورؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا کہ یارسول اللہ فی الصلوٰۃ قران کیا نماز میں قرآن پاک بھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہے ایک انصاری نے کہا وجبت یہ ضروری ہے یعنی نماز میں قرآن پڑھا جانا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس پر حضورؐ حضرت ابوالدرداءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور لوگوں کی نسبت آپؓ حضورؐ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے آپ نے حضورؐ کی موجودگی میں کہا:

**ماارى الامام اذاام القوم الاوقد كفاهم.**

(سنن نسائی جلد ا، ص ۱۰۶ سنن کبری جلد ا، ص ۳۳۱)

ترجمہ: امام کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ (قرآن پڑھنے میں) انہیں کافی ہوگا۔ (یعنی مقتدی کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں)

آنحضرتؐ کے سامنے حضرت ابوالدرداءؓ کا یہ فتویٰ دینا آنحضرتؐ سے اس بات کی تصدیق ہے کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا بھی ہے اور امام کا پڑھا اسے کافی ہوجاتا ہے۔ حضورؐ کے سامنے کوئی بات کہی جائے اور حضورؐ اس پر انکار نہ فرمائیں تو اسے محدثین کے ہاں حدیث نبوی ہی مانا جاتا ہے اسے صرف قول صحابی نہیں سمجھا جاتا۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:۔

**فهذا ابوالدرداء قد سمع من النبى صلى الله عليه وسلم فى كل صلوة قران فقال رجل من الانصار وجبت فلم ينكر ذلك رسول الله من قول الانصارى ثم قال ابوالدرداء بعلمن رايه ما قال وكان ذلك عنده على من يصلى وحده وعلى الامام لاعلى المامومين.** (شرح معانی الآثار جلد ا، ص ۱۰۶)

ترجمہ: یہ حضرت ابوالدرداءؓ ہیں جنہوں نے نبی پاکؐ سے یہ بات سن رکھی تھی کہ ہر نماز میں قرآن پڑھنا ضروری ہے ایک انصاری نے کہا تھا واجب ہے اور رسول اللہؐ نے اس پر انکار نہیں فرمایا پھر ابوالدرداءؓ نے

اپنی رائے سے کہا جو کہا اور ان کے ہاں حضورؐ کا یہ ارشاد کہ ہر نماز میں قرآن پڑھنا ضروری ہے اکیلے نمازی اور امام کے بارے میں سمجھا جائے گا مقتدیوں کے بارے میں نہیں۔ (ان کے لیے امام کا پڑھنا کافی ہے)

اور اگر یہ سمجھا جائے کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے مذکورہ جملہ حضورؐ کے سامنے نہیں کہا اور یہ بات ان کا اپنا اجتہاد تھا تو بھی اس سے اتنی بات ضرور واضح ہے کہ آپؓ نے حضورؐ کے اس ارشاد کہ "ہر نماز میں قرآن آنا لازمی ہے" کو اکیلے نمازی یا امام پر محمول کیا ہے آپ مقتدیوں کو اس حدیث کے عموم میں نہیں لائے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے حضرت ابوالدرداءؓ کس اونچے درجے کے فقیہ اور مجتہد تھے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی اجازت سے فتویٰ دیتے تھے آپ کا موقف یہ ہے کہ نماز میں قرآن پڑھنے کی جملہ روایات صرف امام کے متعلق ہیں یا اکیلے نمازی کے بارے میں ہیں۔ مقتدی کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ اصالۃً قرآن پڑھے وہ سورت فاتحہ ہو یا مازاد علی الفاتحہ۔

امام احمد بن حنبلؒ کو دیکھیے کس اونچے درجے کے مجتہد ہیں آپ بھی حدیث لاصلوۃ لمن لم یقرأ بام القران کا معنی یہی بیان کرتے ہیں:۔

ان ھذا اذا کان وحدہ۔ (جامع ترمذی جلد ۱، ص ۴۲)

حضرت سفیان عینیہؒ کی حدیث میں جلالت قدر کو دیکھو آپ کس وضاحت سے فرماتے ہیں:۔

لمن یصلی وحدہ (سنن ابوداؤد، جلد ۱، ص ۱۱۹)

امام بخاری بے شک اس حدیث کو مقتدیوں پر بھی لائے ہیں مگر امام ترمذیؒ نے آپ کی تردید کردی ہے اور کہا ہے کہ یہ تشدد ہے:۔

وشدد قوم من اھل العلم فی ترک قرأۃ فاتحۃ الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لاتجزی صلوۃ الابقرأۃ فاتحۃ الکتاب وحدہ کان اوخلف الامام۔

(جامع ترمذی جلد ۱، ص ۴۲ طبع دوم جلد ۱ ص ۷۱)

ترجمہ: اور کچھ لوگوں نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کے بارے میں تشدد اختیار کیا ہے گو وہ (نمازی) امام کے پیچھے ہو وہ کہتے ہیں بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اکیلا ہو یا مقتدی۔

محدثین کا اس موقف کو تشدد قرار دینا بتلاتا ہے کہ اس وقت اس مسئلہ میں عامہ اہل علم کا موقف کچھ اور تھا۔

ہمیں اس وقت مسئلے سے بحث نہیں ہم یہاں صرف حضرت ابوالدرداءؓ کی علمی عظمت اور مجتہدانہ شان کا ذکر کر رہے ہیں کہ آپ نے کس طرح اس حدیث کے عموم سے مقتدی کو نکال دیا اور حق یہ ہے کہ انہوں نے صحیح بات کو پالیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

## حضرت ابوالدرداء کے ایمان ویقین کا ایک واقعہ

حضرت طلقؒ کہتے ہیں ایک شخص نے آپ کو اطلاع دی کہ آپ کے مکان کو آگ لگ گئی ہے آپ نے فرمایا نہیں پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی یہی کہا آپ نے فرمایا نہیں پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی وہی اطلاع دی آپ نے اسے بھی کہا ایسا نہیں ہوا۔

پھر ایک شخص آیا اور اس نے کہا اس جگہ آگ ضرور لگی اور آگ کے شعلے بہت بلند ہوئے مگر آپ کا امکان بچا رہا اسے آگ نہ لگی آپ نے فرمایا مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ایسا نہ کرے گا کیونکہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھ لے وہ شام تک اس کی حفاظت میں رہتا ہے میں نے صبح وہ کلمات پڑھ لیے تھے۔

وہ کلمات یہ ہیں:۔

اللھم انت ربی لا اله الا انت علیک توکلت وانت رب العرش الکریم ماشاء اللّٰہ کان ومالم یشالم یکن ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم اعلم ان اللّٰہ علی کل شیٔ قدیر وان اللّٰہ قد احاط بکل شیء علما اللھم انی اعوذبک من شرنفسی ومن شر کل دابۃ انت اخذ بنا صیتھا ان ربی علی صراط مستقیم

## ۴۔ امام ربانی حضرت عبداللہ بن مسعود الہذلیؓ (۳۲ھ)

آپ کی دو کنیتیں ہیں ۱۔ ابوعبدالرحمن ۲۔ ابن ام عبد۔ سابقین اولین میں سے ہیں

جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں آپ کا شمار ہدایت کے امام اور علم کا خزانہ رکھنے والے چوٹی کے صحابہ میں ہوتا ہے۔ (تذکرہ)

طبیعت میں انتہائی انکسار تھا یہی وجہ ہے کہ کبر و غرور کا سب سے بڑا دیو ابوجہل آپ کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ایک رات آنحضرتؐ نے انہیں دعا کرتے ہوئے سنا تو فرمایا عبداللہ! اللہ تعالیٰ سے جو مانگو گے مل جائے گا۔

اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے آپ کو اس ارشاد نبویؐ کی بشارت دی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

من احب ان یقرا القران غضا کما انزل فلیقرا علی قراۃ ابن ام عبد۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۳)

ترجمہ: جو شخص قرآن کریم کو اسی طرح تازہ بتازہ پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ اترا ہے تو وہ ام عبد کی قرأت پر پڑھے۔

حضرت عمرؓ نے جب عراق میں کوفہ کی چھاؤنی قائم کی اور وہاں نہایت اونچے درجے کے لوگوں کو جو عرب کا دماغ سمجھے جاتے تھے آباد کیا تو آپ نے اہل کوفہ کے نام ایک خط میں لکھا:۔

تم عرب کا دماغ اور ان کے سر کی چوٹی ہو...... میں تمہارے پاس عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم بنا کر بھیج رہا ہوں بخدا میں نے عبداللہ کو تمہارے پاس بھیج کر تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔ (ورنہ میں انہیں اپنے پاس رکھتا) (رواہ الحاکم فی المستدرک)

حافظ ذہبیؒ نے اسے اس طرح نقل کیا ہے:۔

میں نے عمار بن یاسرؓ کو تم پر گورنر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے یہ دونوں آنحضرتؐ کے جلیل القدر صحابی ہیں ان سے علم سیکھو ان کی اقتداء کرو اور میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو بھیج کر تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۳۶)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں آپ حدیث بیان کرنے میں بے حد محتاط اور روایت کے سلسلہ میں کڑی شرائط رکھتے تھے جب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث شروع کرتے تو

آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ آپ نے قرآن پاک خود آنخضرت سے پڑھا اور یہ وہ شرف ہے کہ صحابہؓ میں بھی کسی کسی کو نصیب رہا آپ کے تلامذہ علم وفضل میں کسی دوسرے صحابی کو آپ پر فضیلت نہ دیتے تھے آپ چونکہ خود حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی برتری کے قائل تھے اس لیے قرآن وسنت کے بعد ان لوگوں کی پیروی کو بھی اپنے لیے حق کی راہ جانتے تھے آپ کہتے اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ملے تو پھر لوگوں کی پیروی کی جائے۔

آپ فرماتے ہیں:۔

فلیقض بما قضی به الصالحون. (سنن نسائی جلد۲، ص۳۰۵)

ترجمہ: اس صورت میں پہلے صالحین کا فیصلہ اختیار کرنا چاہیے۔

معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی صالحین امت کی پیروی کوئی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔

عراق کی دینی مسند آپ سے آباد ہوئی مگر آنخضرتؐ سے تعلق اتنا گہرا تھا کہ وفات سے کچھ دن پہلے مدینہ منورہ آگئے اور وہیں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ کس قدر مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں آخری آرامگاہ کے طور پر مدینہ منورہ کی پاک مٹی نصیب ہوئی۔

ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

## آنخضرتؐ سے قرب وربط

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا جب وہ اور ان کے بھائی یمن سے واپس آئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس قدر آتے جاتے دیکھا گویا آپ ان کے گھر کے فرد ہوں۔ آنخضرتؐ سے اس قدر قرب وربط کس کو نصیب ہوتا ہے یہ دونوں حضرات اس پر حیران تھے یہ خدا کی دین ہے وہ جسے چاہے دے:۔

عن ابی اسحق حدثنی الاسود بن یزید قال سمعت اباموسی الاشعری یقول قدمت انا واخی من الیمن فمکثنا حینا مانری الا ان عبد اللّٰه بن مسعود رجل من اهل بیت النبی لما نری من دخوله ودخول امه علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم.

(صحیح بخاری جلد۱، ص۵۳۱ صحیح مسلم جلد۲، ۲۹۲ جامع ترمذی جلد۲، ص۲۲۲)

ترجمہ: ابو موسیٰ الاشعریؓ کہتے ہیں میں اور میرا بھائی جب یمن سے آئے اور مدینہ میں کچھ عرصہ ٹھہرے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہیں کیونکہ آپ اور آپ کی والدہ کا حضورؐ ہاں اس قدر آنا جانا تھا۔

اب غور کیجیے کہ جو صحابی آنحضرتؐ کے ہاں اس قدر آتے جاتے ہوں کیا ان کے بارے میں یہ وہم ہوسکتا ہے انہوں نے حضور کو نماز پڑھتے کبھی قریب سے نہ دیکھا ہوگا اور انہیں پتہ نہ چلا ہوگا کہ حضورؐ رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے یا یہ کہ آپ کا قد چھوٹا تھا اس لیے حضورؐ کو کبھی رفع یدین کرتے نہ دیکھ سکے تاہم ہم پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ پھر آپ نے حضورؐ کا پہلا رفع یدین جو شروع نماز میں کیا جاتا ہے کیسے دیکھ لیا ہوگا۔

صاحب سر رسول حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ) سے پوچھا گیا حضورؐ کا سب سے قریبی کون ہے؟ کہ ہم اس سے علم سیکھیں آپ نے فرمایا:۔

ما اعلم احدا اقرب سمتا وهديا ودلا بالنبی صلی الله علیه وسلم من ابن ام عبد. (صحیح بخاری جلد ا، ص ۵۳۱)

ترجمہ: میں کسی کو نہیں جانتا جو حضور اکرمؐ سے سیرت میں عادت میں اور چال میں عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ قریب ہو۔

دیکھیے جس شخصیت کریمہ کو اللہ رب العزت نے عادات وخصائل میں حضورؐ کے اتنا قریب کر دیا ہو کیا وہ نماز میں حضورؐ کے قریب نہ ہوگا؟ حضورؐ اگر رکوع کے وقت رفع یدین کرتے ہوتے تو آپ کی یہ عادت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نماز میں کیوں نہ اتری ہوتی؟

حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں حضرت علقمہؒ پہنچے تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کوفہ سے اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس ابن مسعودؓ نہیں ہیں؟ جو حضورؐ کے اتنا قریب رہے کہ شاید یہ قرب اور کسی کو نہ ملا ہو آپ نے کہا:۔

افلم یکن فیکم صاحب النعلین والوسادة والمطهرة.

(ایضاً)

ترجمہ: کیا تمہارے ہاں وہ صاحب نہیں ہیں جو حضورؐ کے ساتھ ساتھ آپ کا جوتا اٹھاتے پھرتے تھے آپ کا تکیہ اٹھایا ہوا تھا اور وہ آپ کا لوٹا

اٹھانے والے تھے۔

کیا آپ تصور بھی کر سکتے ہیں کہ آپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرایہ نماز (مثلاً رکوع کے وقت رفع یدین کرنا) عمر بھی مخفی رہا اور آپ یہ دیکھ نہ پائے کہ حضورؐ رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے ہیں۔

## حضورؐ کے ہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علمی مرتبہ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

**استقرؤا القران من اربعة من عبدالله بن مسعود فبدابه وسالم مولى ابى حذيفة و ابى بن كعب ومعاذ بن جبل.**

(صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۳۱ صحیح مسلم جلد ۲، ص ۵۹۱ مشکوٰۃ ص ۵۷۲)

ترجمہ: چار آدمیوں سے قرآن پڑھو اور آپ نے سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔

## آپ کے علم قرآن پر صحابہؓ کی شہادت

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آپ کے پاس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے تھے دوسرے صحابہ کرامؓ سے کہا اور کسی نے اس حقیقت صادقہ سے انکار نہ کیا:۔

**ما اعلم رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك بعده اعلم بما انزل الله من هذا القائم.** (صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۹۳)

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ حضور اکرمؐ نے اپنے بعد اس کھڑے بزرگ سے زیادہ کوئی قرآن جاننے والا چھوڑا ہو۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ اس پر سب صحابہؓ کا اجماع تھا کہ اس امت میں قرآن کے سب سے بڑے عالم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں اور حضورؐ کے بعد اس درجے کا عالم قرآن صحابہؓ میں کوئی نہ تھا۔

یہ صرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان دونوں کو اپنے سے بڑا کتاب وسنت کا عالم سمجھتے تھے۔

## اللہ کے ہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقام

حضرت حذیفہ بن یمانؓ (۳۵ھ) اس حقیقت صادقہ پر بھی تمام صحابہؓ کا اجماع نقل

کرتے ہیں:۔

**ولقد علم المحفظون من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان بن ام عبد ھو من اقربھم الی اللّٰہ زلفی.**

(جامع ترمذی جلد۲،ص۲۲۲)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں جو علم کے حفاظ ہوئے ان سب نے جانا کہ عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قرب پانے والوں میں سے تھے۔

یہ صرف حضرت حذیفہؓ کی شہادت نہیں جملہ اہل علم صحابہؓ کا اجماع ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب میں گوئے سبقت لے جا چکے ہیں جب حضرت حذیفہؓ نے یہ کہا تو ابوموسیٰ الاشعریؓ نے کہا:۔

**اما لئن قلت ذاک لقد کان یشھد اذا غبنا ویؤذن لہ اذا حجبنا.** (صحیح مسلم جلد۲،ص۲۹۳)

ترجمہ: آپ نے جب ایسا کہہ ہی دیا ہے تو اس کی وجہ بھی جان لیں آپ اس وقت بھی حضورؐ کے پاس ہوتے تھے جب ہم آپ سے دور ہوتے اور آپ کو حضورؐ کے پاس اس وقت بھی آنے کی اجازت ہوتی جب ہم ماذون نہ ہوتے تھے۔

اس میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس میں ہماری کوئی کوتاہی نہیں حضورؐ نے خود انہیں (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو) اپنے پاس حاضری کا اذن عام دے رکھا تھا اور وہ قرب نبویؐ اور قرب الٰہی کی یہ دولت لوٹتے رہے اور ہم دیکھتے رہ گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی فرماتے ہیں:۔

**والذی لا الہ غیرہ مامن کتاب اللّٰہ سورۃ الاانا اعلم حیث انزلت ومامن ایۃ الا انا اعلم فیما انزلت ولو اعلم احداھوا علم بکتاب اللّٰہ منی تبلغہ الا بل لرکبت الیہ.**

(صحیح مسلم جلد۲،ص۲۹۳)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

قرآن کی کوئی سورت نہ اتری مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہاں اتری اور
کوئی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ کس مسئلے میں اتری اور اگر آج بھی
مجھے پتہ ملے کہ کوئی ایسا شخص بھی ہے جو کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جانتا
ہے اس کے پاس اونٹ جاسکتے ہیں تو میں وہاں بھی رخت سفر باندھ کر
جاؤں گا یہ اس لیے کہ وہ خوشۂ علم بھی مجھ سے دور نہ ہو میں جا کر اسے
بھی اس سے پالوں۔

حضرت شقیقؒ تابعیؒ اس مجلس میں حاضر تھے آپ نے جب یہ بات فرمائی تو حضرت
شقیقؒ نے یہ تبصرہ فرمایا:۔

**فجلست فی اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم فما سمعت احدا یرد ذلک علیه و لا یعیبه. (ایضاً)**

ترجمہ: میں آنحضرتؐ کے صحابہؓ کے حلقہ میں اس وقت بیٹھا تھا میں نے
کسی کو اس کا رد کرتے نہ سنا نہ کسی صحابی کو آپ پر عیب لگاتے سنا۔

اصحاب رسولؐ کے ہاں تو آپ کی یہ شان تھی کہ کوئی آپ پر کسی قسم کا عیب نہ لگا سکا
اور آپ باجماع الصحابہؓ اسلام کے سب سے بڑے عالم مانے گئے لیکن اس امت میں ایسے بھی
بدنصیب ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر اس قسم کے عیب لگاتے ہیں کہ آپ کو سنت کے
مطابق نماز پڑھنا نہ آتی تھی نہ آپ قرآن صحیح پڑھتے تھے اور نہ معاذ اللہ آپ کا سارے قرآن
پر ایمان تھا آپ معاذ اللہ قرآن کی آخری دو سورتوں کے منکر تھے نعوذ باللہ **من تلک الخرافات۔**

## حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شان قیادت

حضرت علیؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

**لو کنت مؤمرا احدامن غیر مشورۃ لامرت ابن ام عبد.**

**(جامع ترمذی جلد۲، ص۲۲۲ سنن ابن ماجہ مشکوٰۃ ص۵۷۸)**

ترجمہ: اگر میں کسی کو بغیر مشورہ دیگر اصحاب کے امیر مقرر کرتا تو عبداللہ
بن مسعودؓ کو امیر مقرر کرتا۔

اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھانا چاہتے ہیں کہ ابن مسعودؓ میں انتظام امت کی پوری شان ہے آپ امت میں خلافت کی پوری ذمہ داریاں ادا کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ فقہاء میں انتظام کی پوری شان ہوتی ہے۔

آپ کی انتظامی صلاحیتوں کی ایک اور بھی شہادت ملتی ہے حضرت عمرؓ نے آپ کو جہاں کوفہ میں معلم بنا کر بھیجا وہاں وزارت کی کچھ ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد کیں اس سے پتہ چلا کہ جہاں آپ فقہ وحدیث کے صدر معلم تھے وہاں آپ اس لائق تھے کہ سلطنت کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

## آپ کے چند فقہی مسائل

صحابہؓ میں کئی علمی اختلافات پیدا ہوئے یہ فرقہ بندی کے اختلافات نہ تھے شریعت محمدیہ کی وسعت عمل کے مختلف پیرائے تھے۔ ان سب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شخصیت سب سے نمایاں رہی آپ کے اجتہادی مسائل پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن یہاں ہم ضمنی طور پر ان کی فقہ کے چند مسائل کا تعارف کرا رہے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اپنے وقت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہی علمی جانشین ہوئے اور آپ کی فقہ زیادہ تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہی مکتب فکر ہے۔ جس طرح ائمہ اربعہؒ میں امام ابوحنیفہؒ سرفہرست ہیں فقہاء صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سرتاج ہیں تاہم چند مسائل ہم بطور نمونہ پیش کررہے ہیں:۔

۱۔ جب کتاب وسنت میں کھلے طور پر کوئی مسئلہ نہ ملے تو آپ اجتہاد کے قائل تھے اور فقہ کی ضرورت محسوس کرتے تھے لیکن اجتہاد سے پہلے آپ اکابر امت کی پیروی کو ضروری سمجھتے تھے یہ حضرات آپؓ کی نظر میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تھے آپ نے قیاس واستنباط کو چوتھے درجے میں رکھا تھا۔ (دیکھیے سنن نسائی جلد۲، ص۳۰۵)

۲۔ آپ ابتداء نماز کے سوا کہیں رفع یدین کے قائل نہ تھے آپ نے صحابہؓ سے ایک دفعہ فرمایا کیا میں تمہیں اس طرح نماز نہ پڑھاؤں جس طرح حضورؐ پڑھایا کرتے تھے؟ آپ نے پھر نماز پڑھائی اور ابتداء نماز کے بعد کہیں رفع یدین نہ کی۔

(سنن نسائی جلد۱، ص۱۵۸)

۳۔آپ جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت (سنت) پڑھتے تھے۔(المصنف جلد۱،ص)

۴۔آپؓ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے آپ کا مسلک یہ تھا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے قرآن کا کوئی حصہ سورۃ فاتحہ ہو یا مازاد علی الفاتحہ آپ اسے امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہ سمجھتے تھے۔(المغنی لابن قدامہ جلد۱،ص۵۶۸ طحاوی شریف جلد۱)

۵۔آپؓ کے ہاں وتر کی نماز مغرب کی نماز کی صورت میں تھی کہ تین رکعات ہوں دو کے بعد التحیات کے لیے بیٹھے اور ایک سلام سے تین رکعات وتر پڑھے سوائے اس کے کہ وتر تیسری رکعت میں سورت بھی ملائی جاتی ہے دونوں نمازوں میں اور کوئی فرق نہیں آپ نے فرمایا:۔

الوتر ثلث کوتر النها رصلوة المغرب. (طحاوی شریف جلد۱،ص۱۴۳)

ترجمہ: وتر تین ہیں جیسا کہ دن کے وتر تین ہیں اور وہ مغرب کی نماز ہے (وہ دن کے وتر اور یہ رات کے وتر)

## ۵۔حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ)

آپ انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے۔حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:۔

وکان زید من علماء الصحابة وکان هو الذی تولی قسم غنائم یرموک. روی عنه جماعة من الصحابة. منهم ابوهریره و ابوسعید وابن عمرو انس وسهل بن سعد وسهل بن حنیف و عبد اللّٰه بن یزید الخطمی. ومن التابعین سعیدبن المسیب و ولداه خارجه وسلیمان وقاسم بن محمد وسلیمان بن یسار. (الاصابہ جلد۱،ص۵۶۱)

ترجمہ: حضرت زیدؓ علماء صحابہؓ میں سے تھے آپ ہی ہیں کہ غنائم یرموک کی تقسیم جن کے سپرد ہوئی صحابہؓ کی ایک جماعت کی جماعت آپ سے حدیث روایت کرتی ہے ان میں ابوہریرہؓ، ابوسعید الخدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انسؓ، حضرت سہل بن سعدؓ، حضرت سہل بن حنیفؓ اور عبداللہ بن یزید الخطمی ہیں اور تابعین میں سے سعید بن

المسیبؒ اور آپ کے دونوں بیٹوں اور قاسم بن محمدؒ اور سلیمان بن یسارؒ نے ان سے روایت لی ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کے ذکر میں حضرت مسروق تابعیؒ کا بیان آپ پڑھ آئے ہیں کہ جملہ صحابہ کرامؓ کا علم جن چھ عظیم شخصیتوں میں سمٹ آیا ان میں حضرت ابوالدرداءؓ کے ساتھ حضرت زید بن ثابتؓ بھی ہیں۔

حضرت زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مجھے آپ کے پاس لے جایا گیا اور حضورؐ سے کہا گیا کہ بنی نجار کے اس لڑکے نے قرآن کریم کی سترہ سورتیں یاد کرلی ہیں۔ اس پر میں نے وہ سورتیں حضورؐ کو پڑھ کر سنائیں۔ حضورؐ کو میری یہ محنت بہت پسند آئی آپ نے فرمایا تم یہود کی زبان سیکھو میں اپنے خطوط میں ان پر بھروسہ نہیں کرسکتا۔ میں نے دو ہفتے سریانی زبان سیکھنے پر لگائے اور اس میں مہارت پیدا کرلی۔ پھر حضورؐ کی طرف سے میں ہی انہیں خط لکھتا تھا اور ان کے جو خط آتے، میں ہی پڑھ کر حضور کو سناتا تھا۔ (رواہ البخاری تعلیقا وابویعلی موصولا عن ابی الزناد عن خارجۃ عن زید الاصابہ جلد ۱، ص ۵٦۱، وذکر الذہبی فی التذکرہ فی ترجمۃ الحافظ السامی الہروی جلد ۱)

جس طرح آپ حضورؐ کے کاتب ٹھہرے آپ نے کاتب وحی ہونے کا شرف بھی پایا حضورؐ کے زمانے میں قرآن کریم لکھتے رہے اور آپؐ ان سے لکھاتے رہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں بھی قرآن جمع کرنے پر مامور ہوئے پھر حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی قرآن کریم کی صحیح نقول کرانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ قرآن کریم کے ان تین ادوار میں خدمت قرآن کی یہ وہ سعادت ہے کہ اس کی کہیں اور مثال نہیں ملتی اور اسے عطیہ الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جاسکتا حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں جب سفر پر گئے تو کئی دفعہ حضرت زیدؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

روی البغوی باسناد صحیح عن خارجۃ بن زید کان عمر یستخلف زید بن ثابت اذا سافر. (الاصابہ ص ۵٦۲)

ترجمہ: علامہ بغوی نے سند صحیح سے حضرت خارجہ سے روایت لی ہے کہ حضرت عمرؓ جب کبھی سفر پر جاتے تو حضرت زیدؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے۔

## حضرت ابن عباسؓ حضرت زید کے شاگردوں میں

علم قرآن میں حضرت ابن عباسؓ کی جلالت قدر اور براعت فن سے کون واقف نہیں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تفسیر قرآن حضرت زیدؓ سے پڑھی۔ علامہ شعبیؒ فرماتے ہیں حضرت زیدؓ سوار ہونے لگتے تو حضرت ابن عباسؓ ان کی رکاب تھام کر چلتے تھے آپ منع بھی کرتے تو آپ نہ رکتے ایک دفعہ فرمایا:۔

**ھکذا نفعل بالعلماء والکبراء**

ترجمہ: ہم علماء کا اور بڑوں کا اسی طرح اعزاز کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسا مفسر قرآن جن کی رکاب تھام کر چلتا ہو وہ خود تفسیر میں کس پائے کا عالم ہوگا یہ آپ خود سوچیں۔

اور تو اور خود حضرت خاتم النبیینؐ نے فرمایا میرے صحابہؓ میں فرائض کا سب سے بڑا عالم زیدؓ ہے حضرت انسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

**اعلم بالحلال والحرام معاذ بن جبل وافرضھم زیدبن ثابت واقرأھم ابی بن کعب.** (جامع ترمذی جلد۲، ص۲۲۰ ورواہ احمد ایضاً)

ترجمہ: حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم معاذؓ ہیں اور فرائض میں سب سے آگے زیدؓ ہیں اور قرآن پڑھنے میں سب سے فائق ابی بن کعبؓ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

**لقد علم المحفظون من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان زید بن ثابت کان من الواسخین فی العلم.**

(تذکرہ جلد۱، ص۳۰)

ترجمہ: آنحضرتؐ کے صحابہؓ میں علم کے جو بڑے بڑے حافظ ہوئے وہ حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں جانتے تھے کہ آپ راسخین فی العلم کے اونچے درجے کے فرد ہیں۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فتویٰ اور فرائض قرأت میں حضرت زیدؓ پر کسی کو مقدم نہ

کرتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

**ماکان عمر و عثمان یقدمان علی زید احدا فی الفتوی والفرائض والقراۃ.** (تذکرہ جلد۱، ص۳۰)

ترجمہ: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما فقہ وراثت اور قرآن میں کسی دوسرے بزرگ کو حضرت زیدؓ سے بڑا نہ جانتے تھے۔

جب آپ فوت ہوئے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا:۔

**الیوم مات حبر ھذہ الامۃ وعسی اللّٰہ ان یجعل فی ابن عباس منہ خلفا.** (الاصابہ جلد۱، ص۵۶۲)

ترجمہ: آج امت کا سب بڑا عالم چل بسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباسؓ کو اس کا جانشین بنادے۔

حضرت حسانؓ نے حضرت زیدؓ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا:۔

**فمن للقوافی بعد حسان وابنہ ومن للمعانی بعد زید بن ثابت**

ترجمہ: حسان اور اس کے بیٹے کے بعد کون ایسے قافیے باندھے گا اور قرآن کے معانی زید بن ثابتؓ کے بعد کون بیان کرسکے گا۔

فقہ میں آپ کی شہرت بہت اونچی تھی مگر حدیث آپ کم روایت کرتے تھے آپ کے بیٹے خارجہ بن زیدؓ کے بارے میں حافظ ذہبی تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ ہیں کبار علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے مگر آپ قلیل الحدیث تھے ذہبیؒ نے آپ کو حفاظ حدیث میں ذکر نہیں کیا ہے۔ سو قلیل الحدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو حدیثیں کم پہنچیں یا یہ کہ آپ علم حدیث میں کمزور تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حدیث روایت کم کرتے تھے کثرت بیان آپ کا ذوق نہیں تھا اور یہ صرف آپ کی ہی بات نہیں اور بھی کئی محدثین ہوئے جو کم روایت کرنے والے تھے۔ خود علامہ شعبیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

صلحائے امت زیادہ حدیث بیان کرنے کو پسند نہ کرتے تھے خود اپنے بارے میں کہتے ہیں:۔

نیز جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی پہلے معلوم ہوجاتی تو میں صرف

وہی احادیث بیان کرتا جن کی صحت پر اصحاب حدیث کا اتفاق ہوتا۔

(تذکرہ جلد ا، ص ۸۴)

خود حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں:۔

اگر میں حضرت عمرؓ کے زمانے میں اسی طرح روایات بیان کرتا جس طرح میں اب کرتا ہوں تو وہ اپنی چھڑی سے میری خبر لیتے۔

(ایضاً جلد ا، ص ۳۱)

حضرت سفیان ثوریؒ علم حدیث میں کس بلند مقام پر تھے یہ اہل علم سے مخفی نہیں آپ بھی فرماتے ہیں:۔

حدیث کا علم اور حدیث کو طلب کرنا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

اس سیاق میں قلیل الحدیث کے معنی یہ نہیں کیے جاسکتے کہ حضرت خارجہ بن زیدؓ کی نظر حدیث پر کم تھی۔

بات اصل یہ ہے کہ ان کا ذوق اصحاب حدیث کا نہیں تھا فقہاء کا تھا اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں ان کے والد حضرت زید بن ثابتؓ کی شہرت بھی زیادہ فقہ میں ہی ہے۔

خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:۔

کان احد فقھاء الصحابة (الاکمال ص ۵۹۹)

ترجمہ: آپ فقہاء صحابہ میں سے ایک تھے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ اس دور میں کس عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور فقہاء صحابہ میں کس رفعت اور عظمت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ رواۃ حدیث تو سب حضرات تھے لیکن فقہاء حدیث کوئی کوئی تھے اور حضورؐ خود فرما چکے کہ حامل فقہ تو کئی ہوتے ہیں لیکن فقیہ ان میں سے کوئی کوئی ہوتا ہے۔ جو صحابہؓ اس درجے کے فقیہ نہ ہوئے وہ ان فقہاء کی پیروی میں چلتے تھے ہر مسئلے میں دلیل معلوم کرنے کا ان کے ہاں رواج نہ تھا فقہاء صحابہ مسائل بتاتے تو دوسرے صحابہ ان سے ہر مسئلے پر دلیل کا مطالبہ نہ کرتے تھے اور ان دنوں فقہاء کی بات بلا مطالبہ دلیل اعتماداً تسلیم کرلی جاتی تھی اسے کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

## ۶۔ حضرت علی المرتضیٰؓ (۴۰ھ) خلیفہ راشد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں جنت کی بشارت دی ہے ایک

حدیث میں (گو اس کی سند ضعیف ہے) آپ نے فرمایا جس کا میں دوست ہوں علیؓ بھی اس کا دوست ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کے مطابق حضورؐ کے تمام دوستوں سے اپنی دوستی قائم رکھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں کئی مرتبہ آپ کو اپنا قائم مقام بنایا اور باہر گئے آپ نے حضورؐ کے دوستوں سے اپنے دامن وفا پر کوئی چھینٹا آنے نہ دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے دور خلافت میں خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو باغ فدک کی تملیک نہ کی تو آپ نے بھی اپنے دور خلافت میں فدک حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے وارثوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو نہ دیا۔

آپ علم میں امامت کے درجہ پر تھے یوں سمجھیے شہر علم کا دروازہ تھے۔ اخذ حدیث میں اس قدر محتاط تھے کہ پہلے حلف لیتے پھر اس کی روایت قبول کرتے آپ نے فرمایا لوگوں سے وہی حدیث بیان کرو جو وہ جانتے ہوں اور ان احادیث کو ان کے سامنے بیان نہ کرو جن کو وہ نہیں جانتے۔ (تذکرہ)

اس سے پتہ چلا کہ شاذ اور نادر روایت پیش کرنا علم کی کوئی خدمت نہیں ہے جن احادیث نے شہرت پائی انہی کی روایت ہونی چاہیے۔

حضورؐ کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۲ سال تھی اگر آپ کی عمر چالیس سال سے اوپر ہوتی تو ہوسکتا تھا آپ کو خلیفہ چن لیا جاتا اسلامی سربراہ کی عمر چالیس سال سے اوپر ہو اسی میں خیر و برکت رہی ہے حضورؐ کو بھی اللہ تعالیٰ نے رسالت کی ذمہ داری چالیس سال کے بعد سونپی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین آپ سے زیادہ قابل نہیں ہوسکتا ہے کہ اس عمر سے پہلے ہی ان ذمہ داریوں کو لے سکے۔

خلفائے راشدینؓ منصب خلافت پر تبھی آتے رہے جب وہ چالیس سال سے آگے متجاوز ہوئے کیونکہ خلافت راشدہ اس نبی خاتمؐ کی جانشینی تھی جس کو اللہ رب العزت نے چالیس سال کی عمر پر رسالت کی ذمہ داری پر کھڑا کیا تھا

## حضرت علی المرتضیٰؓ کے چند فقہی مسائل

۱۔ آپ کا مسلک یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ قرآن وحدیث میں نہ ملے تو اسے فقہاء کی طرف لوٹانا چاہیے:۔

تشاوروا الفقهاء العابدين ولاتمضوا فيه رای خاصة.

(رواه الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اہل صحیح)

ترجمہ: جماعت فقہاء سے جو نیک بھی ہوں مشورہ کر لیا کرو اور چند لوگوں کی رائے پر نہ رہا کرو۔

۲۔ آپ کا مسلک تھا کہ دیہات اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کرنا درست نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

لاجمعة ولا تشريق الافي مصر جامع.

(المصنف لعبد الرزاق جلد۳، ص۱۶۷، لابن ابی شیبہ جلد۱، ص۴۳۹)

ترجمہ: جمعہ اور عید کی نماز شہر کے سوا کہیں نہیں۔

۳۔ آپ رمضان میں بیس رکعات تراویح کے قائل تھے:۔

دعا القراء في رمضان فامرمنهم رجلا ان يصلى بالناس عشرين ركعة. (رواه البیہقی جلد۲، ص۴۹۵ وراجع لہ اعلاء السنن)

امام ترمذی لکھتے ہیں:۔

واكثر اهل العلم على ماروى عن على وعمر وغيرهما من اصحاب النبى عشرين ركعة. (جامع ترمذی جلد۱، ص۹۹)

ترجمہ: اور اکثر اہل علم اس پر ہیں کہ جو حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ سے مروی ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔

یہ صرف عراق میں نہ تھا اہل مکہ بھی بیس رکعات تراویح ہی کے قائل تھے حضرت امام شافعی لکھتے ہیں:۔

وهكذا ادركت ببلدنا مكة يصلون عشرين ركعة. (ایضاً)

ترجمہ: اور میں نے اسی طرح اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔

ان عليا امر رجلا يصلى بهم في رمضان عشرين ركعة.

(المصنف لابن ابی شیبہ جلد۱، ص۴۴۳)

ترجمہ: حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔

۴۔ نماز میں آپ ہاتھ ناف کے نیچے باندھتے تھے سینہ پر نہیں آپ نے فرمایا:۔

قال علی السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوۃ تحت السرۃ. (المصنف جلد۱، ص۳۴۳)

ترجمہ: حضرت علیؓ نے فرمایا ہے سنت یہی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھیں۔

یعنی نماز میں بازو نہ باندھے جائیں ہاتھ باندھے جائیں سینے پر کہنیاں باندھنا ہاتھ باندھنا نہیں سمجھا جاتا۔

عن علی قال من سنة الصلوۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرۃ. (المصنف جلد۱، ص۳۴۳)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے منقول ہے نماز میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے ایک دوسرے پر رکھے جائیں۔

## ۷۔ امام مظلوم حضرت عثمان غنیؓ (۳۵ھ) خلیفہ راشد

اسلام میں امت کے اختلاف کے وقت ہدایت کا نشان اور حق کا معیار آپ ہی رہے۔ آپ کے عہد خلافت میں امت میں کچھ اختلافات چلے آنحضرتؐ پہلے سے خبر دے گئے تھے کہ جب امت میں اختلاف چلے تو یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا ھذا یومئذ علی الھدی۔ (جامع ترمذی جلد۲، ص۵۶۹ لکھنؤ)

آپ کو رفیق نبوت ہونے کا اعزاز حاصل ہے آپ کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کو قرآن وسنت کے نام پر کھلا اور آوارہ نہ رہنا چاہیے اپنے اسلاف کی پیروی بھی اپنے اوپر لازم کرنی چاہیے۔ آپ کے انتخاب خلافت کے وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپ سے سیرت شیخین کی پابندی کا عہد لیا اور آپ نے اسے قبول کیا اگر یہ شرط کتاب وسنت کے خلاف ہوتی تو آپ کبھی یہ عہد نہ دیتے۔ اس پر اور صحابہؓ میں سے بھی کسی نے اعتراض نہ کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن وسنت کے بعد صالحین امت کے فیصلوں کو بھی ساتھ لے کر چلنا چاہیے باوجودیکہ آپ خود مجتہد تھے اس کے باوجود آپ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیروی میں چلے۔

## حضرت عثمانؓ کے بعض خاص اجتہادی مسئلے

۱۔ آنحضرتؐ اور حضرات شیخین کریمینؓ کے عہد سے دیت میں اونٹ لینے کا طریقہ

چلا آرہا تھا آپ نے دیت میں ان کی قیمت دینی بھی جائز قرار دی کیوں کہ اونٹوں میں سوائے مال کے اور کوئی جہت نہیں پائی جاتی۔ قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ نے بھی اپنے دور میں یہی فتویٰ دیا۔ (دیکھیے کتاب الخراج ص ۹۳)

۲۔ آپ حج تمتع میں حج اور عمرہ کے لیے ایک نیت کرنے کے قائل رہے حضرت علی المرتضیٰؓ آپ کے ساتھ اس مسئلہ میں متفق نہ تھے اس قسم کے اختلافات میں صحابہؓ بڑوں کا ہمیشہ احترام کرتے وہ کسی طرح اسے نص صریح کی مخالفت نہ سمجھتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ منی میں مسافر کے لیے نماز قصر کرنے کو ضروری سمجھتے تھے مگر حضرت عثمانؓ نے نماز قصر نہ کی۔ پوری چار رکعات پڑھائیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی چار پوری کیں اور فرمایا: میں امیر المومنین کی مخالفت نہ کروں گا حضرت عثمانؓ بہ نیت امامت چار رکعت پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

۳۔ حضرت عثمانؓ مطلقہ عورت کو اگر اس کا خاوند دوران عدت مرجائے اس خاوند کی وارث قرار دیتے تھے کہ ابھی وہ عورت دوسرے خاوند کے پاس جانے کی اہل نہیں ہوسکی مگر حضرت علیؓ اسے وارث نہ سمجھتے تھے۔

۴۔ اگر کوئی شخص حالت عدت میں کسی عورت سے نکاح کرے تو وہ حضرت عثمانؓ کے ہاں مستوجب سزا ہے حضرت علیؓ کے نزدیک وہ نکاح تو جائز نہیں لیکن آپ اسے مستوجب سزا نہ سمجھتے تھے۔

۵۔ قتل کے مسئلہ میں قاتل پر قصاص آتا ہے یا دیت (اگر مقتول کے وارث اسے منظور کرلیں) حضرت عثمانؓ کے دور میں ایک شخص قتل کیا گیا اس کا کوئی وارث نہ تھا جو دیت کی منظوری دے۔ حضرت عثمانؓ نے بحیثیت امیر المومنین اپنے آپ کو اس کا ولی قرار دے لیا اور دیت کی منظوری دے دی۔ پھر دیت میں جتنا مال ملا وہ سب بیت المال میں داخل کرادیا کیوں کہ آپ نے اپنے لیے حق ولایت بحیثیت امیر المومنین قائم کیا تھا سو اس دیت پر بھی قبضہ قوم کا ہونا چاہیے تھا۔

اس قسم کے باریک مسائل سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی مجتہدانہ نظر کتنی باریک تھی اور کس طرح مسائل میں آپ بال کی کھال اتارتے تھے۔ جو لوگ آپ کے مسائل تک نہ پہنچ سکے وہ آپ پر ان مسائل میں انگلی اٹھاتے رہے آپ نے ایک ایسے موقعہ پر بڑے دلسوز انداز میں فرمایا:۔

ہم لوگ بخدا حضورؐ کے سفر کے ساتھی بھی رہے ہم بیمار پڑتے تو حضورؐ ہماری عیادت کے لیے تشریف لاتے ہمارے (صحابہؓ کے) جنازوں کے پیچھے پیچھے چلتے جو کچھ پاس ہوتا زیادہ ہو یا کم اس سے ہماری غمخواری فرماتے اب وہ لوگ ہم کو آپ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جنہوں نے شاید آپ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔ (مسند احمد جلد ۱، ص ۲۹)

## حضرت عثمانؓ کے بلند پایہ تقویٰ پر ایک عمری شہادت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے زہد و تقویٰ اور للٰہیت سے کون واقف نہیں آپ کی حضرت عثمانؓ کے بارے میں یہ شہادت ملاحظہ ہو:۔

**مانعلم عثمان قتل نفسا بغیر نفس ولا جاء من الکبائر شیئا.**

(کتاب التمہید والبیان ص ۱۸۴، ۱۸۵ طبع بیروت)

ترجمہ: ہم نہیں جانتے کہ حضرت عثمانؓ نے کسی کی جان بلاوجہ لی ہو اور نہ ہم نے آپ کو کبھی کوئی کبیرہ گناہ کرتے پایا ہے۔

احادیث میں آپ کا نام عام طور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے نام کے ساتھ آتا ہے مثلاً حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب حضرات الحمد سے قرأت شروع کرتے تھے بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے حضرت انسؓ نے فرمایا:۔

**صلیت خلف النبی وابی بکر و عمر و عثمان فکانوا یستفتحون بالحمد اللہ رب العلمین لایذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراۃ ولا فی اخرھا.**

(صحیح مسلم جلد ۱، ص ۱۷۲)

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ صحابہؓ کے ہاں قرأۃ الحمد سے شروع سمجھی جاتی تھی اگلی سورت سے نہیں سو حدیث لاقراۃ مع الامام فی شیء. (صحیح مسلم جلد ۱، ص ۲۱۵) میں امام کے ساتھ سورت فاتحہ پڑھنے کی نفی ہے۔ حضرت عثمانؓ کا شمار حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ ہوتا تھا اس کے لیے یہ حدیث سند ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:۔

**کنا نقول و رسول اللہ حیی ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم رواہ الترمذی.** (مشکوۃ ص ۵۶۳)

ترجمہ: ہم حضور اکرمؐ کے زمانہ میں یہ نام اسی طرح لیا کرتے تھے ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم۔

حضرت عثمانؓ مجتہد تھے اور لوگ آپ سے مسئلے پوچھتے تھے اور آپ فتویٰ دیتے تھے۔ زید بن خالد الجہنی کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے جو جواب دیا میں نے اسے حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سب کو بتایا سب نے اس کی تصدیق کی۔

حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے دور میں بھی آپ فتویٰ دیتے تھے اور پیچیدہ مسائل میں اکثر آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ حج کے مسائل میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا اس علم میں آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہرت تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خانہ کعبہ میں کھڑے ایک شخص پر بیٹھے کبوتر کو اڑا دیا کبوتر وہاں سے اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا وہاں اسے معا ایک سانپ نے کاٹا اور وہ وہیں مر گیا حضرت عثمانؓ سے مسئلہ پوچھا گیا آپ نے اس کے مرنے کا ذمہ دار حضرت عمرؓ کو ٹھہرایا کیونکہ وہ کبوتر کو محفوظ مقام سے اڑا کر غیر محفوظ جگہ جانے کا موجب ہوئے آپ نے ان پر اس کی جزا کا فتویٰ دیا۔ (دیکھیے مسند امام شافعی ص ۷۹)

علم الفرائض میں بھی آپ اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے آپ کے بعد حضرت زید ثابتؓ اس فن کے امام ہیں حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے ہی علم الوراثت کو ایک بنیادی علم کی حیثیت دی ہے بعض صحابہؓ کو اندیشہ تھا کہ ان دونوں حضرات کی وفات سے کہیں یہ علم مٹ نہ جائے۔

مگر الحمدللہ ایسا نہ ہوا یہ حضرات اسے ایسی بنیادیں مہیا کر گئے کہ اس پر پھر سراجی اور شریفی جیسی کتابیں لکھی گئیں۔

## پہلوں کی پیروی سے ہی قوموں نے عروج پایا ہے

حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی فکری آزادی کے سخت خلاف تھے آپ نے فرمایا مسلمانوں نے جو بھی عروج پایا ہے وہ پہلوں کے نقش قدم پر چلنے سے پایا ہے آپ کے نزدیک نقطۂ وحدت ملت یہ رہا ہے کہ امت نئے نئے اجتہادات سے بچے اور پہلوں کی پیروی

کو کافی سمجھے آپ نے فرمایا۔

**انما بلغتم مابلغتم بالاقتداء والاتباع فلا تلفتکم الدنیا عن امر ربکم.** (تاریخ طبری جلد ۵، ص ۴۵)

ترجمہ: بیشک تم جس مقام پر پہنچے ہو وہ پہلوں کی اقتداء اور اتباع سے ہی پہنچے ہو دیکھنا دنیا کہیں تمہیں حکم الٰہی سے دوسری طرف نہ کر دے۔

جب آپ خلیفہ ہوئے آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کسی حکم کو نہ بدلا اپنی سعادت پہلوں کی پیروی ہی میں سمجھی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اسی طرح حضرت عثمانؓ کی پیروی میں چلے۔ حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں:۔

**ثم ولی علی فما غیر حکما من احکام ابی بکر و عمر و عثمان ولا ابطل عهدا من عهودهم.** (کتاب الفصل جلد ۴، ص ۹۷)

ترجمہ: پھر حضرت علیؓ والی حکومت بنائے گئے آپ نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے احکام میں سے کسی حکم کو نہ بدلا اور نہ ان کے دیئے گئے عہود میں سے کسی عہد کو توڑا۔

قاضی نور اللہ شوستری نے بھی مجالس المومنین میں اس کی تائید کی ہے۔

تابعین کرام میں سے جن حضرات نے آپ سے حدیث پڑھی ان میں علقمہ بن قیس (۶۲ھ) ابووائل شقیق بن سلمہ کوفی (۸۲ھ) زید بن وہب (۸۴ھ) حضرت سعید بن المسیب (۹۱ھ) مالک بن اوس (۹۲ھ) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (۹۴ھ) ابوعبداللہ قیس بن ابی حازم بجلی (۹۷ھ) اور حسن بن ابی الحسن الیسار (۱۱۰ھ) سرفہرست ہیں۔

آپ کے فقہی فیصلوں کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت سعید بن المسیب ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۶۴)

آپ آنحضرتؐ سے بہت کم حدیث روایت کرتے تھے مبادا کوئی لفظ خلاف احتیاط زبان سے نکل جائے۔ تاہم مسائل کے بیان میں آپ پیچھے نہ رہتے تھے حافظ ابویعلی موصلی حمران بن ابان سے بروایت حضرت عثمانؓ ایک حدیث نقل کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

كان قليل الحديث من رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(مسند ابی یعلی جلد ۱، ص ۱۵۴)

ترجمہ: آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ آپ کے مقابلہ میں کثیر الحدیث تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا علم حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے کم تھا۔ اس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی امام بیہقی کے مقابلے میں حدیث کم روایت کرنے والے تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت امام کا علم حدیث امام بیہقی سے کم تھا۔ سنن کبری بیہقی ضخامت میں صحیح بخاری سے بڑی کتاب ہے دس ضخیم جلدوں میں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام بیہقی کا علم حدیث امام بخاری سے زیادہ تھا۔

ملک اموال اور حدود بیت المال میں آپ کا حضرت ابوذر غفاریؓ سے اختلاف ہوا صحابہؓ نے آپ کا ساتھ دیا۔ جمع قرآن کے وقت نسخ مصاحف کے مسئلے میں آپ کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اختلاف ہوا صحابہؓ نے آپ کا ساتھ دیا۔

آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں آپ کے سیکرٹری (الامین العام) رہے حضورؐ کی وفات کے بعد خلافت کا فیصلہ بمقابلہ انصار قریش کے حق میں ہوا تھا اس لیے آپ (حضرت عثمانؓ) شروع سے یہ نظریہ رکھتے تھے کہ عام مسلمانوں میں قریش کا اکرام امتیازی درجے میں رہے اور ان کی اہانت کسی درجے میں گوارانہ کی جانی چاہیے قریش کی دوشاخیں مکہ میں بہت ممتاز تھیں بنو ہاشم اور بنو امیہ آپ بنو امیہ میں سے تھے اور قریش کو ہر بات میں مقدم رکھنے کا نظریہ رکھتے تھے آپ نے اپنے بیٹے عمرو بن عثمانؒ کو نصیحت کی:۔

یابنی ان ولیت من امر الناس شیئا فاکرم قریشا فانی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول من اهان قریشا اهانه اللّٰه۔ (مسند ابی یعلی جلد ۱، ص ۵۶ اورواہ احمد کما فی مجمع الزوائد جلد ۱۰، ص ۲۷)

ترجمہ: اے بیٹا اگر تجھے کبھی کوئی عوامی عہدہ ملے (تجھے لوگوں پر کچھ بھی حق ولایت ملے) تو قریش سے عزت واکرام سے پیش آنا کیونکہ میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا ہے جو قریش کی اہانت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے

لوگوں میں گرائے گا۔

آپ نے اپنے اس نظریہ کے مطابق قریش کو ہر موقع پر مقدم رکھا اس سے آپ کے خلاف عام پروپیگنڈا چل نکلا کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو زیادہ آگے لا رہے ہیں اور یہ کنبہ پروری ہے لیکن آپ اسے ایک پالیسی سمجھتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور سے چلی آرہی تھی۔ شام میں یزید بن ابی سفیانؓ اور ازاں بعد معاویہ بن ابی سفیانؓ کو اس اعلیٰ عہدے پر لانے والے کون تھے؟ حضرت عمرؓ۔ اگر حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں ان اعلیٰ عہدوں پر باقی رکھا تو اسے کوئی غیر شرعی اقدام نہیں کہا جا سکتا یہ تو آپ کے مخالفین بھی مانتے ہیں کہ آپ نے جو لوگ جن عہدوں پر لگائے وہ اس کام پر پورے اترے اور قلمرو اسلامی ان اقدامات سے مسلسل ترقی پذیر رہی۔

بدعت سے نفرت

آپ ایک دفعہ ایک شخص کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ اس شخص نے فرط محبت سے رکن یمانی کا بوسہ لے لیا آپ نے اسے کچھ نہ کہا سمجھ لیا کہ یہ مغلوب الحال ہو رہا ہے مگر جب اس نے آپ کا ہاتھ پکڑ کو آپ کو استلام کرانا چاہا آپ نے ہاتھ پیچھے جھٹکا اور کہا کیا کر رہے ہو کیا تم نے کبھی حضورؐ کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ اس نے کہا ہاں آپ نے پوچھا کیا تم نے کبھی آپ کو رکن یمانی کا بوسہ لیتے دیکھا؟ اس نے کہا نہیں پھر آپ نے اسے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء مناسب نہیں؟ اس نے کہا ہاں بے شک۔

(مسند امام احمد جلد ۱، ص ۶۰ ص ۶۱)

اس سے آپ کے جذبہ اتباع سنت اور نفرت از بدعت کا پتہ چلتا ہے۔ روحانیت میں آپ مقام فراست پر تھے یہ وہ مقام ہے جس پر غیب کے دروازے کھلتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ نبوت پا جائے۔

تاریخ اسلام میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بمعہ اہل وعیال اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ آپ کی یہ ہجرت ملک حبشہ کی طرف تھی پھر دوسری ہجرت آپ نے مدینہ منورہ کی طرف کی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کو ان کے پہلے نکاح کے وقت آپ نے چار سو درہم بطور ہدیہ دیے جس سے انہوں نے حضرت فاطمہؓ کا مہر ادا کیا۔

خلافت تامہ وہ ہوتی ہے کہ خلیفہ کی وفات خلافت میں ہو حضرت امام حسنؓ کی

خلافت تا آخر نہ رہی اس لیے اسلام میں خلفائے راشدینؓ چار ہی سمجھے گئے حضرت عثمانؓ کے خلاف کچھ لوگ اٹھے اور انہوں نے آپ سے خلافت چھوڑنے کا مطالبہ کیا آپ نے اس نہایت اذیت ناک صورت حال کا مقابلہ کیا مگر خلافت سے دستبردار نہ ہوئے۔ اگر آپ خلافت چھوڑ دیتے تو خلافت راشدہ شیخین کریمینؓ تک محدود ہو کر رہ جاتی۔ یہ مغربی جمہوریت ہے جس میں سربراہ چنے بھی جاتے ہیں اور اتارے بھی جاتے ہیں اسلام میں کسی سربراہ کو اس وقت تک اتارا نہیں جا سکتا جب تک وہ کھلے کفر کا ارتکاب نہ کر لے۔ حضرت عثمانؓ اسلامی سیاست کے اس اصول پر اتنے پختہ عامل تھے کہ آپ نے جان کی قربانی دے کر خلافت کے اس اصول کو باقی رکھا کہ خلیفہ وقت اور امام المسلمین کو عوامی تحریک سے نہیں اتارا جا سکتا۔

نوٹ: حضرت معاویہؓ کی وفات بے شک خلافت میں ہوئی مگر آپ کی خلافت کا یہ پہلی خلافتوں سے تسلسل نہ رہا تھا آپ کی خلافت کا آغاز شورائی وانتخاب سے نہیں حضرت امام حسنؓ کی صلح سے ہوا تھا۔

عراق میں حکومت کی بہت سی زمین غیر آباد پڑی تھی حضرت عثمانؓ نے اسے ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جنہوں نے اسے قابل زراعت بنایا آپ نے انہیں اس زمین کا مالک بنا دیا آپ کے پاس حضورؐ کی یہ ہدایت موجود تھی۔

من احییٰ ارضا میتة فھی له.

ترجمہ: جس نے بے آباد زمین آباد کی وہ اسی کی ہے۔

لیکن یہ وہ زمینیں تھیں جو حکومت کی ملک تھیں اور امیر المومنین کو ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کا پورا حق تھا۔ اس سے اُن زمینوں کو مزارعین کی ملک میں دینے کا کوئی جواز نہیں نکلتا جن زمینوں کے باضابطہ مالک موجود ہوں۔

ہمیں اس وقت یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے وقت کے ایک بڑے فقیہ تھے آپ نے کتاب وسنت پر پوری فقاہت سے عمل کرایا۔ آپ جب خلیفہ نہ تھے اس وقت بھی آپ کی مجتہد اور مفتی ہونے کی حیثیت مسلم تھی آپ صحابہؓ اور تابعین میں علمی موضوعات میں مرجع خلائق ہوتے تھے۔

## ۸۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (۴۴ھ)

اسم گرامی عبداللہ بن قیس اور کنیت ابوموسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

حضرت معاذؓ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو حضرت ابوموسیٰؓ کو بھی یمن کے کسی دوسرے علاقے میں گورنر نامزد فرمایا تھا اس سے انکی علمی اور انتظامی باوقار شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی آپ کوفہ اور بصرہ کے گورنر رہے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی آپ بعض صوبوں میں گورنر رہے معرکہ صفین کے اختتام پر آپ حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف سے حکم مقرر کیے گئے آپ کا اس تسلسل سے حکومت میں شریک رہنا اور سیاسی معرکوں میں حصہ لینا، پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں ہرگز کوئی سیاسی کھچاؤ نہ تھا آنحضرتؐ نے اگر حضرت علیؓ کو نامزد کیا ہوتا تو کیا آپ کے معتمد خاص حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے کسی علاقے کے گورنر رہ سکتے تھے؟ اہل فہم حضرات سے غور کی درخواست ہے۔

خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کرنے میں آپ بے مثال تھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کہا:۔

**یا ابا موسی لقد اعطیت مزمارا من مزامیر ال داؤد.**

(جامع ترمذی جلد۲، ص۲۲۶ ہذا حدیث غریب حسن صحیح)

ترجمہ: اے ابوموسیٰؓ تم آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا کیے گئے ہو۔

قرآن کریم سے یہ شغف ومحبت جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو نصیب ہوا تھا اس کا اثر پورے اشعریوں میں پایا گیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

**انی لاعرف اصوات رفقة الاشعریین بالقران حین یدخلون باللیل اعرف منازلهم من اصواتهم بالقرا ن وان کنت لم ارمنازلهم حین نزلوا بالنهار.** (صحیح مسلم جلد۲، ص۳۰۲)

ترجمہ: اشعری لوگ جب شام کو گھر آتے ہیں تو میں ان کے قرآن پڑھنے سے ان کی آوازیں پہچانتا ہوں میں ان کے گھروں کو ان کی قرآن پڑھنے کی آوازوں سے پہچانتا ہوں اگرچہ میں نے ان کے گھر جب وہ دن میں وہاں ہوتے ہیں دیکھے نہیں ہوتے۔

آنحضرتؐ اشعریوں کو اپنے اتنا قریب سمجھتے تھے جتنا اہل بیت کرام کو۔ آپ نے

جس طرح حضرت حسینؓ کے بارے میں فرمایا:۔

الحسین منی وانا من الحسین

اشعریوں کے بارے میں بھی فرمایا:۔

فهم منی وانا منهم. (ایضاً)

اور یہ قرآن پاک کے اسلوب کے عین مطابق ہے

من شرب منه فلیس منی ومن لم یطعمه فانه منی الامن اغترف غرفة بیده (پ۲،البقرہ۲۴۹)

اہل بدعت معتزلہ ہوں یا کرامیہ، قدریہ ہوں یا جبریہ، روافض ہوں یا خوارج انہوں نے اپنے عقائد فاسدہ کے لیے جب قرآن کریم کو تختۂ مشق بنایا اور اس پر تاویل کے ہاتھ صاف کیے تو اشعریوں میں سے ہی امام ابوالحسن الاشعریؒ اٹھے جنھوں نے حوزہ اسلام کے گرد سنت کا پہرہ دیا اور ضروریات دین کو پوری قوت علمی سے محفوظ کیا اشعریوں کی یہ قرآن کی خدمت قبولیت الٰہی کا نشان ہے۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ روایت کرتے ہیں میں ایک دفعہ حضورؐ کے ساتھ مقام جعرانہ پر ٹھہرا ہوا تھا۔(یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) حضرت بلال بھی وہیں تھے کہ آپ نے پانی منگایا اس میں اپنے دونوں ہاتھ دھوئے رخ انور بھی دھویا اور اس میں اپنا لعاب دہن بھی ڈالا اور ہم دونوں کو کہا کہ پی جاؤ اپنے چہروں پر بھی بہاؤ اور سینوں پر بھی چھڑکو۔

حضرت ام سلمہؓ پردے کے پیچھے سے دیکھ رہی تھیں انہوں نے وہیں سے آواز دی اپنی ماں کے لیے بھی کچھ رکھ لینا ہم نے آپ کے لیے بھی اس سے کچھ رکھ لیا:۔

ثم دعا رسول الله بقدح فيه ماء فغسل يديه ووجهه فيه ومج فيه ثم قال اشربامنه وافرغا على وجو هكما ونحور كما وابشرا فاخذ االقدح ففعلا ما امرهمابه رسول الله فنادتهما ام سلمة من وراء الستر افضلا لامكما من مافى اناء كما فافضلا لهامنه. (صحیح مسلم جلد۲،۳۰۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے دل ودماغ میں فیض نبوت کا یہ چشمہ ہمیشہ اچھلتا رہا۔

ابوالبختری کہتے ہیں ہم نے ایک دفعہ حضرت علیؓ سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے باری میں

پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

جس طرح کپڑے کو رنگ میں ڈال کر نکالا جاتا ہے انہیں علم میں ڈبو کر نکالا گیا ہے۔

(تذکرہ جلد ا، ص ۴۲)

عیاض اشعریؓ کہتے ہیں جب یہ آیت اتری۔

**یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ.** (پ۶، المائدہ:۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ (ان کے مقابلہ میں) ایک ایسی قوم کو کھڑا کر دیں گے جو اللہ کی محبوب ہوگی اللہ ان کا محبوب ہوگا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:۔

اے اباموسیٰؓ! اس میں تیری قوم کا ذکر ہے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک جلد)

تاریخ گواہ کہ اشعری کس طرح ہر دور میں اہل باطل کے خلاف اٹھے اور اسلام کی عزت کا سبب بنے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

صحیحین میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ کے حق میں دعا فرمائی:۔

**اللھم اغفر لعبد اللہ بن قیس ذنبہ واد خلہ یوم القیامۃ مدخلا کریما.**

ترجمہ: الٰہی عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف کردے اور اس کو قیامت کے دن عزت والے مقام میں داخل فرما۔ (تذکرہ جلد ا، ص ۴۲)

عملی دنیا میں آپ کا تعارف عراق کے بڑے فقیہ کی حیثیت سے ہوتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں مسلمانوں میں فقہ کو بہت اونچا مقام حاصل تھا ہر شخص فقیہ کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا یہ رفعت وعظمت کسی کسی کے نصیب میں تھی۔

حطان بن عبداللہ الرقاشی کہتے ہیں میں نے حضرت ابو موسیٰؓ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بعد از نماز ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور بیان کیا کہ مقتدیوں کو نماز کس طرح پڑھنی چاہیے آپ نے اس کے آداب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے حوالے سے بیان فرمائے

آپ نے کہا حضورؐ نے فرمایا ہے:۔

اذا کبر الامام فکبروا واذاقال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا امین. (صحیح مسلم جلد ا، ص ۱۷۴)

ترجمہ: جب امام تکبیر (تحریمہ) کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم کہے تو آمین کہو۔

یہ حدیث خاص مقتدیوں کو آداب نماز بتلانے کے بارے میں ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کو پہنچنے تک مقتدیوں کے ذمہ کوئی ضروری عمل نہیں ہے جب امام ولا الضالین تک پہنچے تو مقتدی آمین کہیں اگر مقتدیوں کے ذمہ سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہوتی تو حضورؐ اس طرح فرماتے:۔

اذا کبر الامام فکبروا "واذا قرأ فاقرؤا" واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا امین.

یہ درمیانی جملہ آپ کو حدیث کے اسفار میں کہیں نہ ملے گا نہ کسی سند صحیح سے نہ کسی سند ضعیف سے حالانکہ یہ مقتدیوں کو نماز کی تعلیم دی جارہی تھی اور یہ مقام بیان ہے مقام بیان میں عدم بیان، بیان عدم کا درجہ رکھتا ہے کہ مقتدی کا وظیفہ تکبیر تحریمہ اور آمین کے مابین خاموش رہنا ہے۔ سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدیوں کے ذمہ نہیں۔ اور حضورؐ نے جو فرمایا تھا لاصلوۃ لمن لم یقرأ بام القران تو اس وقت مقتدیوں کی نماز پر بحث نہ تھی اکابر محدثین نے اس ارشاد نبوت کو اکیلے پڑھنے والے پر محمول کیا ہے۔ (دیکھیے جامع ترمذی جلد ا، ص ۴۲ سنن ابی داؤد جلد ا)

امام مسلم نے اسحٰق بن ابراہیم سے، اس نے جریر سے اس نے سلیمان تیمی سے، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے یونس بن جبیر سے، انہوں نے حطان بن عبداللہ الرقاشی سے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت کی کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

اذا کبرالامام فکبروا واذا قرء فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا امین.

(مسند ابی یعلیٰ جلد صحیح مسلم جلد ا، ص ۱۷۴)

ترجمہ: جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ پڑھنا شروع کرے تو چپ رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیھم کہے تو

تم آمین کہو۔

دیکھیے جریرعن سلیمان عن قتادہ کی روایت میں حضور کی وہ حدیث اور کھل کر سامنے آگئی کہ امام پڑھنا شروع کرے تو تم اس کے پیچھے چپ رہا کرو مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھیں امام کے آمین کہنے پر آمین کہیں اور سورۃ فاتحہ پڑھنے والے کی سورۂ فاتحہ بذریعہ آمین اپنی نماز میں جذب کرلیں قتادہ کے شاگرد سلیمان نے حدیث کا یہ حصہ ساتھ روایت کیا ہے امام مسلم سے حدیث کے اس جملہ (واذا قرء فانصتوا) کے بارے میں سوال کیا گیا تو امام صاحب نے فرمایا:۔

**اترید احفظ من سلیمان.**

کیا تو سلیمان تیمی سے بھی زیادہ یاد رکھنے والے کی تلاش میں ہے؟

یہ حدیث ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوہریرۃؓ دو صحابیوں سے مروی ہے امام مسلم نے متن میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث نقل کی ہے حضرت ابوہریرۃؓ کی نہیں مگر جب امام مسلم سے حضرت ابوہریرۃؓ کی اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا:۔

**فحدیث ابی هریرة قال هو صحیح یعنی واذا قرافا نصتوا.**

(صحیح مسلم جلد ا،ص ۱۷۴)

اس سے حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ نے مقتدیوں کو ان کی نماز کا طریقہ بتلایا اور سمجھایا کہ ان کے ذمہ امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد و لا الضالین تک کچھ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

## ۹۔ حضرت امام عبداللہ بن عمرؓ (۷۴ھ)

آپ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے سگے بھائی تھے اور اہل مدینہ کے بڑے مفتی۔ حضورؐ کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے صحابہؓ کی کوئی بات چھپی ہوئی نہ تھی۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں میں نے تحصیل علم کے لیے اپنا وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے درمیان برابر تقسیم کر رکھا تھا۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں میں نے صحابہؓ میں حدیث روایت کرنے میں ان سے بڑھ کر کسی کو خدا سے ڈرنے والا نہیں پایا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ انہیں

مفکر اسلام کہتے تھے۔ امام زہری کہتے ہیں میں کسی کی رائے کو عبداللہ بن عمرؓ کی رائے کے برابر نہیں سمجھتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اہل الرائے قدر سے دیکھے جاتے تھے اور اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ نیکی میں یہ عالم تھا کہ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں اگر کسی کے جنتی ہونے کی بشارت دے سکتا ہوں تو وہ عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۵۰)

> آپ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کے بحر بے کراں تھے آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اسی زمرے میں تھا جو علم و عمل کا مجمع البحرین سمجھے گئے تھے۔ (سیر الصحابہ جلد ۳، ص ۵۰)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی علمی بصیرت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اختلافات چلے اور کسی تیسرے فرد کو چننے کی تجویز سامنے آئی تو آپ (حضرت ابو موسیٰؓ) نے فرمایا میں عبداللہ بن عمرؓ کے سوا کسی کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتا مگر آپ نے انکار فرمایا۔ حضرت جابرؓ فرمایا کرتے تھے بجز عبداللہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جسے دنیا نے اپنی طرف مائل کیا ہو۔ اور وہ اس کی طرف مائل نہ ہوا ہو ایمانی جرأت اس درجے کی تھی کہ حجاج ظالم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی تردید کر دیتے تھے اور اس کو سامنے دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی جنگ بدر اور احد میں آپ کو صغر سنی کی بناء پر جنگ میں شرکت کی اجازت نہ ملی پھر آپ نے جنگ خندق میں شرکت کی اور بیعت رضوان میں بھی حلف وفاداری اٹھایا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

> بے شمار خوبیوں کے مالک تھے آنحضرتؐ نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کی نیکوکاری اور صلاحیت کی شہادت دی ہے۔ (دیکھیے تذکرہ جلد ۱، ص ۵۱)

جنگ خیبر غزوۂ حنین اور محاصرہ طائف میں بھی پیش پیش رہے حجۃ الوداع میں بھی یہ آپ کے ساتھ تھے ۷۴ھ میں ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔

## حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے چند فقہی مسائل

آپ کے ہاں ماخذ شریعت یہ تھے:۔

۱۔ اگر آپ کو کتاب وسنت میں کوئی مسئلہ نہ ملتا تو اجتہاد فرماتے لیکن بتا دیتے کہ یہ

میری رائے ہے حافظ ابن قیم کہتے ہیں:۔

کبھی پوچھ بھی لیتے کہ اگر کہو تو قیاس سے بتلادوں۔ (اعلام الموقعین جلد ا، ص ۶۷)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ قیاس اور اجتہاد کے قائل تھے اور قرآن وحدیث کے بعد فقہ کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

۲۔ مشہور تابعی امام مجاہد (۱۰۰ھ) آپ کے شاگرد ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز میں رکوع کرتے رفع یدین نہ کرتے تھے:۔

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الافى التكبيرة الاولى من الصلوة.

(طحاوی شریف جلد ا، ص ۱۱۰ المصنف جلد ا، ص ۲۱۴)

بایں ہمہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی حدیث نقل کرتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا مسلک یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے کوئی کام کسی دور میں بھی کیا ہو تو اسے آگے روایت کردینا چاہیے سنت اس کے مطابق آرہی ہو یا نہ مسائل کی تاریخ اسی طرح مرتب ہوئی ہے بلکہ آپ خود بھی رکوع کے وقت کبھی رفع یدین کر لیتے تھے۔ (دیکھیے فتح الباری جلد)

نوٹ: آپ کی حضورؐ سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی روایت صحیح بخاری جلد ا، ص ۱۰۲ میں موجود ہے اس کے ایک روای حضرت امام مالک ہیں آپ نے اپنے موطا میں اس حدیث کو لکھتے وقت رکوع کے وقت رفع یدین کرنا ذکر نہیں کیا اور خود آپ کا مسلک بھی رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا نہ تھا۔ سو امام بخاری کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت رفع الیدین عندالرکوع امت کے لیے دعوت عمل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے کئی راویوں کا خود اس پر عمل نہیں رہا ہے یہ آپ کے عمل کی ایک تاریخ ہے جو آپ نے ذکر کردی۔

۳۔ فجر کی جماعت کھڑی ہو تو آپ اس وقت صبح کی سنتیں پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور پھر جماعت میں شامل ہوجاتے اس طرح سنتیں پڑھنے کو آپ ناجائز نہ سمجھتے تھے حضرت نافع کہتے ہیں:۔

ايقظت ابن عمر لصلوة الفجر وقد اقيمت الصلوة فقام و صلى ركعتين. (طحاوی جلد ا)

ترجمہ: میں نے جو حضرت ابن عمرؓ کو صبح کی نماز کے لیے جگایا اور جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور آپ اٹھے اور دو رکعت سنت پڑھیں۔

۴۔ آپ قرأت خلف الامام نہ کرتے تھے۔آپ نے فرمایا:۔

من صلی وراء الامام کفاہ قراۃ الا مام. (سنن کبری امام بیہقی جلد۱)

ترجمہ: جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے امام کی قرأت کافی ہو جاتی ہے۔

آپ کے شاگرد امام نافع کہتے ہیں جب آپ سے پوچھا جاتا ھل یقرا احد خلف الامام (کیا کوئی امام کے پیچھے قرآن پڑھے کیا اس کی اجازت ہے) تو آپ فرماتے:۔

اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراء ۃ الامام واذا صلی وحدہ فلیقرأ. (مؤطا امام مالک ص۳۱ مؤطا امام محمد ص۹۵)

ترجمہ: جب امام کے پیچھے پڑھو تو مقتدی کو امام کا پڑھنا کافی ہے اور جب کوئی اکیلے پڑھے تو خود قرأت کرے۔

حضرت نافع مزید کہتے ہیں آپ خود امام کے پیچھے قرآن (سورۃ فاتحہ اور سورت) نہ پڑھتے تھے آپ فرماتے تھے:۔

اذا ادرکت الامام راکعافرکعت قبل ان یرفع فقد ادرکت.

(المصنف لبعد الرزاق جلد۲،ص۲۷۹)

ترجمہ: جب تم امام کو رکوع کی حالت میں پالو اور امام کے اٹھنے سے پہلے رکوع کر چکے تو تم نے رکعت پالی۔

## ۱۰۔حضرت امام عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ ھ)

حضورؐ کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی آپ نے علم حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے حاصل کیا۔علم میں اس اونچے مقام پر پہنچے کہ آپ کو حبر الامۃ کہا جانے لگا۔(الاصابۃ جلد۲،ص۳۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ابن عباسؓ قرآن کریم کے بڑے اچھے مفسر ہیں اگر یہ ہماری عمر کے ہوتے (یعنی خود حضورؐ سے علم حاصل کرتے) تو ہم میں سے کوئی شخص علم

میں ان کے پایہ کا نہ ہوتا آپ نے ہی انہیں ترجمان القرآن کا لقب دیا۔(ایضاً)

آپ کی والدہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کی سگی بہن تھیں آپ کے والد حضرت عباسؓ انہیں ولادت کے بعد حضورؐ کے پاس لے آئے اور آپ نے اپنا لعب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور دعا فرمائی آپؐ نے اللھم علمه الکتاب بھی آپ کے حق میں فرمایا۔
(صحیح بخاری جلد ۱، ص ۵۳۱)

ایک اور موقعہ پر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی:۔

اللھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل. (مسند امام احمد جلد ۱، ص ۳۲۸)

ترجمہ: اے اللہ انہیں دین میں فقہ عطا فرما اور ان پر مرادات قرآن کھول دے۔

ایک دفعہ یہ بھی فرمایا:۔

اے اللہ! اس سے علم کی روشنی پھیلا۔ (اسد الغابہ)

حضرت عمرؓ باوجودیکہ ان کے استاد تھے مگر وہ آپ کا احترام کرتے اور وہ آپ کو بدریوں کے ساتھ بٹھاتے تھے۔ حضرت عطاء (۱۱۴ھ) فرماتے ہیں میں نے ان سے زیادہ کسی کی مجلس فقہ سے بھرپور نہ دیکھی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ان اصحاب الفقه عنده واصحاب القران عنده واصحاب الشعر عنده یصدرھم کلھم من وادواسع. (الاصابہ جلد ۲، ص ۳۳۳)

ترجمہ: فقہ کے لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوتے تفسیر کے لوگ بھی آپ کے ہاں بیٹھا کرتے اہل ادب بھی وہاں آئے ہوتے ہر ایک دور کے علاقوں سے آیا ہوتا تھا۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے پڑھائی اور فرمایا:۔

واللّٰہ مات الیوم حبر ھذہ الامة. (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱)

ترجمہ: بخدا آج اس امت کا سب سے بڑا عالم دنیا سے چل بسا۔

آپ کے خصوصی شاگردوں میں حضرت ابوبکرؓ کے پوتے قاسم بن محمد، علامہ ابن سیرین، عطاء، مجاہد، نافع، عمرو بن دینار، علامہ شعبی اور سعید بن جبیر سرفہرست ہیں مکہ میں فقہ کی بنیاد آپ نے ہی رکھی آپ نے اپنے فقہی ذہن سے اتنے فتاوی مرتب فرمائے کہ بقول حافظ

ابن قیم (۷۵۱ھ) بیس جلدوں میں لکھے گئے۔ (اعلام الموقعین جلد۱، ص۱۴) دنیا میں فقہ کی یہ پہلی کتاب تھی۔

## حضرت ابن عباسؓ کے چند فقہی مسائل

اگر کوئی مسئلہ آپ کو قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کی پیروی کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید اعلم اس دور میں بھی جاری ہو چکی تھی اگر وہاں انہیں اس کا فیصلہ نہ ملتا تو اپنی رائے قائم فرماتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دین میں رائے قائم کرنا عہد صحابہؓ میں ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا اور یہ دینی رائے ہوتی تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے:۔

قال برایه آپ اپنی رائے سے بات کہتے۔ (الاصابہ جلد۲، ص۳۳۳)

۱۔ آپ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو تین قرار دیتے تھے۔ (المصنف)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک وہ حدیث جس میں ہے کہ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی سمجھی جاتی تھی مؤول تھی جو اپنے ظاہر پر مبنی نہیں سمجھی گئی امام نسائی نے اس پراسی لیے یہ باب باندھا ہے:۔

باب طلاق الثلث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة.

(سنن کبری للنسائی جلد۳، ص۱۵۳)

ترجمہ: وہ تین طلاقیں جو علیحدہ علیحدہ دی جائیں اس عورت کو جو اپنے گھر نہ لائی گئی تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس عورت کے بارے میں ہے جو ابھی گھر نہ لائی گئی ہو اور نہ بسائی گئی ہو۔

۲۔ آپ تین وتر کے قائل تھے حافظ ابوجعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں:۔

وقدروی عن سعیدبن جبیر ویحیی بن الجزار عن ابن عباس فی وتر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم مفردا مایدل علی انه ثلث فمن ذلک ماحدثنا ابوبکره قال حدثنا ابوداؤد عن ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یوتر

بثلث. (طحاوی جلد۱، ص۱۴۰)

بایں ہمہ جب آپ کو خبر دی گئی کہ حضرت معاویہؓ نے وتر ایک رکعت بھی پڑھے ہیں تو آپ نے فرمایا:۔

اصاب انه فقيه. (صحیح بخاری جلد۱، ص۵۳۱ المصنف لعبد الرزاق جلد۶، ص۳۹۸ سنن ابی داؤد جلد۱، ص۳۰۶)

ترجمہ: انہوں نے صحیح کیا وہ بے شک فقیہ ہیں۔

اس میں آپ کہہ گئے کہ ایک وتر مستقل نماز کے طور پر حضورؐ اور دیگر اکابر صحابہؓ سے مروی نہیں ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جو یہ بات کی ہے اپنے استنباط سے کی ہے وہ فقیہ ہیں اور فقیہ کو اجتہاد کا حق ہے گو اس میں وہ خطا کرے وہ اجر کا مستحق ہے۔

۳۔ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نماز میں صرف شروع کے وقت رفع یدین کی جائے نماز میں کسی اور موقعہ پر (رکوع کرتے یا رکوع سے اٹھتے) رفع یدین نہ کی جائے۔

لا ترفع الايدى الا فى سبع مواطن اذا قام الى الصلوة الحديث. (المصنف جلد۱، ص۲۱۴)

(الذين هم فى صلوتهم خاشعون) مخبتون متواضعون لا يلتفتون يمينا ولا شمالا ولا يرفعون ايديهم فى الصلوة

۴۔ آپ خطبہ جمعہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(تفسیر ابن عباس ص۲۸۴)

گویا حضرت جابرؓ سے جو یہ حدیث مروی ہے کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو بھی تم تحیۃ المسجد پڑھو یہ اپنے ظاہر پر مبنی نہیں سمجھی گئی۔

اذا جاء احدكم يوم الجمعة والا مام يخطب فلير كع ركعتين. (ایضاً)

ترجمہ: جب تم میں کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے۔

اس میں والامام یخطب سے مراد والامام اراد ان یخطب ہے کہ امام منبر

پرآ گیا ہے اور خطبہ دینے کو ہے اس وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھی جا سکے گی۔ مشہور تابعی حضرت امام نخعیؒ کا فتویٰ ہے کہ امام منبر پر آجائے تو اس وقت سے ہی مقتدیوں کے لیے نہ کسی کو بات کرنے کی اجازت ہے نہ کسی کے لیے نماز پڑھنے کا موقع ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا موقف بھی یہی ہے

اذا خرج الامام فلاصلوۃ ولا کلام. (صحیح مسلم جلد۱)

ترجمہ: جب امام آجائے تو پھر نہ کوئی نماز پڑھے اور نہ بات کرے۔

عن علی وابن عباس وابن عمر کانوا یکرهون الصلوۃ والکلام بعد خروج الامام. (عمدۃ القاری جلد۶، ص۲۳۰)

یہ دو مذہب آپ کے سامنے ہیں یہ مذہب کسی کا نہیں کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو بھی مقتدی تحیۃ المسجد پڑھ لے سو حضرت جابرؓ کی مذکورہ حدیث آپ کے منبر پر تشریف فرما ہونے سے متعلق ہے آپ نے عملا خطبہ شروع کر دیا ہو تو آپ اس میں تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دے رہے اگر ایسا ہوتا تو آپ ان روایات کی رو سے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خطبہ جمعہ شروع کر چکے تھے) اپنے خطبہ سے رک نہ جاتے اور انتظار نہ فرماتے کہ وہ اپنی نماز تحیۃ المسجد پڑھ لے اور آپ خطبہ پھر سے شروع فرمائیں۔

اس پس منظر میں حضرت سلیک غطفانی کے اس واقعہ میں مندرجہ ذیل امور زیر نظر رکھے جائیں۔

۱۔ جاء سلیک الغطفانی یوم الجمعة ورسول الله صلی الله علیه وسلم قاعدا علی المنبر فقعد سلیک.

(صحیح مسلم جلد۱، ص۲۸۷ سنن کبری امام نسائی جلد۱، ص۵۲۸)

ترجمہ: جمعہ کے دن سلیک غطفانی آئے اور حضور پاکؐ منبر پر بیٹھے تھے سو سلیک بھی بیٹھ گئے۔

۲۔ ان النبی حیث امره ان یصلی رکعتین امسک عن الخطبة حتی فرغ من رکعتیه ثم عاد الی الخطبة.

ترجمہ: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو دو رکعت پڑھنے کے لیے کہا تو خود خطبہ سے رک گئے یہاں تک کہ وہ اپنی دو رکعتوں

سے فارغ ہوا تب آپ اپنے خطبہ کی طرف لوٹے۔

۳۔ امام جب خطبہ شروع کرے تو مقتدیوں پر اس وقت چپ رہنا واجب ہو جاتا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا۔

ثم ینصت اذا تکلم الامام جب امام بولے تو آنے والا نمازی چپ رہے۔
(صحیح بخاری جلد۱، ص۱۲۱)

۴۔ اور یہ بھی فرمایا:۔

**اذا قلت لصاحبک یوم الجمعۃ انصت والا مام یخطب فقد لغوت.**

(ایضاً جلد۱، ص۱۲۸)

ترجمہ: جب تو نے اپنے کسی ساتھی کو خطبہ جمعہ کے وقت کہا چپ رہو تو تو نے بھی لغو کہا۔ (یعنی بولنا ہی نہ چاہیے تھا)

ان تمام روایات کی روشنی میں جمہور سلف صالحین کا موقف یہ ہے کہ امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت کوئی شخص تحیۃ المسجد نہ پڑھے اور یہی حضرت ابن عباسؓ کا موقف تھا۔

**قال مالک واللیث وابو حنیفۃ والثوری وجمھور السلف من الصحابۃ و التابعین لایصلیھما وھو مروی عن عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنھم وحجتھم بالانصات.**

(شرح صحیح مسلم جلد۱، ص۲۸۷)

ترجمہ: امام مالک، لیث مصری، ابوحنیفہ، سفیان الثوری اور جمہور صحابہؓ اور تابعین کا یہی موقف ہے کہ خطبہ جمعہ کے وقت کوئی شخص دو رکعت تحیۃ المسجد نہ پڑھے۔

سو حضرت جابرؓ کی حدیث مذکورہ بالا میں والامام یخطب کا مطلب یہی لیا گیا ہے والامام ارادان یخطب جیسے قرآن کی آیت اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم کا یہ معنی نہیں کہ نماز میں کھڑے ہو کر پھر منہ دھو و بلکہ مراد یہ ہے کہ اذا اردتم ان تقوموا للصلوٰۃ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو قرآن کے اس محاورے سے اس حدیث کا مطلب سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

## ۱۱۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ (۷۴ھ)

آپ مدینہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے علم کے ایسے شیدائی تھے کہ ایک حدیث کے لیے شام کا سفر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اہل علم طلبہ میں سے تھے امام زین العابدینؒ اور امام باقرؒ نے آپ سے علم کثیر پایا۔ سورۃ فاتحہ مقتدی کے ذمہ نہیں اس کا برملا اظہار فرماتے۔ (جامع ترمذی جلد۱، ص۴۲، موطا امام مالک)

امام احمدؒ بھی آپکی پیروی میں چلے ہیں۔

امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں۔

اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللّٰہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیما بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تاول قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ۔ (جامع ترمذی جلد۱، ص۴۲)

ترجمہ: حضرت امام احمد کہتے ہیں حضورؐ کا یہ ارشاد کہ سورت فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یہ اکیلے شخص کے متعلق ہے۔ انہوں نے اس کے لیے حضرت جابرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے ایک رکعت بھی پڑھی جس میں وہ سورت فاتحہ نہ پڑھ پایا تو اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو (یعنی مقتدی ہونے کی صورت میں سورت فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے) امام احمد کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ حضورؐ کے صحابہ میں سے ہیں آپ حضور کی اس حدیث سے یہی مطلب سمجھے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے کے بارے میں ہے۔

حضرت جابرؓ کوئی عام صحابی نہیں مقتدر صاحب علم صحابہ میں سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی بعض نیکیوں پر آپ سے نیکی بھی کرتے رہے اور آپ کے لیے اللہ

تعالیٰ سے رحمت بھی مانگتے تھے۔ جامع ترمذی میں ہے:

**فکان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یبّر جابراً ورحمہ.**

(جامع ترمذی جلد۲،ص)

حضرت جابرؓ ایک روایت میں کہتے ہیں:

**یقول جابر لیلۃ بعت من النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم البعیر استغفرلی خمساً و عشرین مرۃ.** (ایضاً)

ترجمہ: اس رات جب میں نے ایک اونٹ حضورؐ کے پاس فروخت کیا آپ نے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے پچیس دفعہ مغفرت کی دعا کی۔

## لیلۃ البعیر

آپ ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے آپ نے اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی خواہش کے مطابق اپنا ایک اونٹ بیچا تھا۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بہت خوش ہوئے تھے اور آپ کو بہت دعائیں دی تھیں۔ حضرت جابرؓ نے اس رات کو لیلۃ البعیر کے نام سے یاد رکھا۔ آپ کی علمی عبقریت کے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ صحابہ کرام میں جن دس صحابہ میں حدیث کی پہلی دستاویزات لکھیں آپ ان میں سے ایک ہیں اور آپ کی حدیث کی وہ قدیمی کتاب صحیفہ جابر کے نام سے موسوم ہے۔ اس سے صریحاً اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ حضورؐ کے عہد میں حدیث لکھنے کا کوئی عمل نہ تھا۔ ہم نے اپنی تالیف آثار الحدیث میں اسے (صحیفہ جابر کو) حدیث کی ان کتابوں میں پانچویں نمبر پر ذکر کیا ہے۔ اس صحیفہ کے علاوہ آپ نے حج پر بھی ایک مختصر تالیف کی تھی اسے حافظ شمس الدین ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے اس پس منظر میں پورے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ فقہاء صحابہ میں ایک جلیل القدر فرد تھے۔

## ایک ضروری گذارش

صحابہؓ میں جو لوگ علم کے اعلیٰ مراتب تک پہنچے ان میں حضرت ابوذر غفاریؓ نہایت ممتاز ہیں آپ سابقین اولین میں سے تھے آپ سے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ نے علم حاصل کیا تابعین میں سے عبدالرحمٰن بن غنم اور حضرت سعید بن

المسیب اور کئی دوسرے بزرگوں نے آپ سے روایت کی۔ آپ علم و فضل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قریب تھے سوحق یہ تھا کہ فقہاء صحابہؓ میں جو بارہ امام ہوئے ان میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا نام بھی ہوتا مگر حضرت عثمانؓ نے انہیں چار سو دینار ماہانہ وظیفہ دے کر انہیں مدینہ سے باہر ایک بستی ربذہ میں بھیج دیا تھا اور آپ نے اسے تسلیم کرلیا تھا۔ بعض مؤرخین نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اتحاد امت کی خاطر آپ کو فتویٰ دینے سے منع کردیا تھا۔

ان کے بعد فقہاء صحابہؓ میں حضرت امیر معاویہؓ ایک امتیازی شان سے ابھرتے ہیں سیاسی اختلاف کے باوجود امت میں کسی نے ان کے علمی مرتبے سے انکار نہیں کیا آپ کی اسی علمی عظمت کے باعث ہم فقہ کے پہلے بارہ اماموں میں ان کا ذکر کررہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے علم و فضل سے کون واقف نہیں۔ آپ نے حضرت معاویہؓ کو صحابہؓ کا ایک ممتاز فقیہ مانا ہے (صحیح بخاری جلد۱) جس طرح صحاح ستہ کی چھٹی کتاب میں اختلاف ہے کہ وہ سنن ابن ماجہ ہے یا مؤطا امام مالک یا سنن دارمی اس طرح کا اختلاف یہاں بھی سمجھ لیجیے کہ فقہاء صحابہؓ میں فقہ کے بارھویں امام حضرت ابوذر غفاری ہیں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما۔ عالمی سطح پر اسلام کا جو فیض حضرت معاویہؓ سے پھیلا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور اسی کے باعث ہم یہاں آپ کا نام دے رہے ہیں۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
نطق نے بوسے دہن کے میری زباں سے لیے

## ۱۲۔ حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ)

آپؓ عبد مناف پر جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جد ہو جاتے ہیں بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں عبد مناف کی اولاد ہیں حضورؐ کے اعلان نبوت کے وقت آپ کی عمر پانچ سال کی تھی آپ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لے آئے تھے۔ لیکن آپ نے اسے اپنے والد سے چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن اپنے ایمان کا اظہار فرمایا۔ ذہنی طور پر آپ حضورؐ کے مقابل نہ آنا چاہتے تھے اس لیے جنگ بدر اور جنگ خندق میں آپ اپنے والد سفیان کے ساتھ جنگ میں نہ نکلے تھے۔ اسلام لانے کے ساتھ ہی آپ نے حضور کی صحبت لازم پکڑی اور آپ کے پاس ہی رہنے لگے یہاں تک کہ حضورؐ نے انہیں اپنا کاتب مقرر کرلیا اور پھر آپ کو کاتب وحی

ہونے کی منزلت بھی دی۔ حضرت زید بن ثابتؓ اور آپ اب ہمہ تن حضورؐ کی خدمت میں رہتے تھے اور وحی لکھتے تھے آنحضرتؐ نے آپ کو دعا دی:۔

اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به. (جامع ترمذی جلد۲، ص۲۴۷)

ترجمہ: اے اللہ معاویہؓ کو دوسروں کے لیے بھی ہدایت کا سبب بنا اور خود بھی اسے ہدایت یافتہ بنا اس کے ذریعہ اوروں کو بھی ہدایت ملے

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دعا فرمائی:۔

اللهم علم معاوية الكتاب ومكّن له في البلاد وقه العذاب.

(مجمع الزوائد جلد۹ ص۲۵۶ بیروت)

ترجمہ: اے اللہ معاویہؓ کو علم کتاب دے (حقائق قرآن اس پر کھول دے) اور اسے بلاد اسلامی میں تمکنت عطا فرما اور اسے عذاب آخرت سے بچا۔

کیا کوئی شخص یہ کہنے کی جرات کر سکے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول نہ ہوئی تھی؟ (معاذ اللہ)

عن معاويةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأوا قال فلما توضا نظر الي فقال يامعاوية ان وليت امرا فاتق الله واعدل.

(رواہ ابو یعلی فی سندہ جلد۶، ص۴۴۲ والبیہقی فی دلائل النبوۃ کمافی الاصابہ جلد۳، ص۴۳۳)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ سے مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب وضو کرو۔ آپ نے جب وضو کیا تو میری طرف نظر کی اور مجھے فرمایا کہ جب تو والی بنایا جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدالتیں قائم کرنا تا کہ انصاف کا بول بالا ہو۔

ادعوا معاوية واحضروه امركم فانه قوى امين.

(مجمع الزوائد جلد۹ ص۳۵۶)

ترجمہ: معاویہؓ کو بلاؤ اور اسے اپنی بات کہو وہ امانت دار ہے اور امانت سنبھالنے کی قوت رکھتا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں یہ بات بلا تردید کہی جا سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کو حضرت معاویہؓ کے علم، ان کی بصیرت اور ان کی دیانت اور امانت پر پورا یقین تھا رہی آپ کی حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلاف معرکہ آرائی تو یہ ایک غلط فہمی پر مبنی رہی اس کے پیچھے ترک دیانت کا کوئی شائبہ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کے ان حالات میں بھی آپ کو اور آپ کی پوری جماعت کو فئة عظیمة من المسلمین فرمایا ہے۔ ان اختلافات کے خاتمہ پر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے جو آپ کی بیعت کرلی اور اپنے کل علاقے بھی ان کے زیر پرچم کردیتے تو اس کے بعد مسلمانوں کے کسی گروہ کو ان سے (حضرت معاویہؓ سے) اختلافات کا کوئی حق نہیں رہتا ہے۔

## حضرت معاویہؓ صحابہؓ کی نظر میں

حضرت معاویہؓ کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے مدبر اعظم نے آپ کو صوبہ شام کا والی بنایا اور حضرت عثمانؓ جیسے عظیم فاتح نے آپ کو بدستور گورنر شام رکھا آپ کی دیانت و امانت اگر کسی پہلو سے بھی مجروح ہوتی تو آپ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی اس عظیم پسند نظری کا شرف نہ پاتے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ جنگ صفین سے واپس لوٹے تو حالات پر نظر کرتے ہوئے فرمایا:۔

**یاایها الناس لاتکرهوا امارة معاویة فانکم لو فقدتموه رایتم الرؤس تندرعن کواهلها کانها الحنظل.**

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱)

ترجمہ: اے لوگو! معاویہؓ کی امارت کو برا نہ جانو تم اگر اسے کھودو گے تو تم دیکھو گے کہ کس طرح سرکندھوں سے جدا ہوتے ہیں یہ ایسے ہوگا جیسے تے اتارے جارہے ہوں۔

اس سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی بلند نظری اور آپ کی حق گوئی کا بھی عجیب شان سے پتہ چلتا ہے۔

## حضرت معاویہؓ کے چند فقہی مسائل

### ا۔ مسلمان کو کافر کی وراثت

کافر تو مسلمان کا وراث نہیں ہوسکتا لیکن مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔ خاوند کو

بیوی پر جو حق ولایت حاصل ہے اس میں یہ مسئلہ شاید کسی سے اوجھل نہ ہو کہ مسلمان مرد تو کتابیہ عورت سے نکاح کرسکتا ہے لیکن کوئی مسلمان لڑکی کسی کتابی مرد کے نکاح میں نہیں دی جاسکتی۔ اس مسئلہ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان تو کافر کا وارث ہوسکتا ہے لیکن اس کا عکس درست نہیں قرآن کریم میں ہے:۔

**لن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا** (پ۵، النساء:۱۴۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنین پر ہرگز کوئی راہ نہ دے گا۔

حضرت معاویہؓ اپنے اس اجتہاد میں منفرد نہیں ہیں حضرت معاذ بن جبلؓ کا اجتہاد بھی یہی تھا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **الاسلام یزید ولا ینقص** سے یہ استنباط کیا کہ مسلمان کو کسی صورت میں نقصان میں نہیں رکھا جاسکتا اگر اسے کافر سے بھی مال آتا ہے تو اسے اس کے پاس آنا چاہیے۔

ابو الاسود الدئلی روایت کرتے ہیں:۔

**کان معاذ بالیمن فارتفعوا الیه فی یهودی مات وترک اخاه مسلما فقال معاذ انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول ان الاسلام یزید ولا ینقص فورثه.** (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۶، ص ۲۸۴)

ترجمہ: حضرت معاذؓ جب یمن میں تھے تو آپ کے پاس ایک مقدمہ لایا گیا ایک یہودی مر گیا اور اس کے وارثوں میں صرف اس کا ایک بھائی تھا اور وہ مسلمان تھا اس پر حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا ہے کہ اسلام زیادہ کرتا ہے کم نہیں کرتا پس آپ نے اسے وارث ٹھہرایا۔

علامہ شعبی عبداللہ بن معقلؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں حضرت معاویہؓ کا فیصلہ بھی یہی رہا ہے۔

**مارایت قضاء بعد اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم احسن من قضاء قضی به معاویة فی اهل الکتاب قال نرثهم ولا یرثوننا کما یحل لنا النکاح فیهم ولا یحل لهم النکاح**

فینا. (المصنف جلد ۶، ص ۲۸۵)

ترجمہ: میں نے اکابر صحابہؓ کے فیصلوں کے بعد اس سے بہتر کسی کو فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جو حضرت معاویہؓ نے اہل کتاب کے بارے میں دیا آپ نے فرمایا ہم ان کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے وارث نہ ہو سکیں گے ان کی عورتیں ہمارے نکاح میں آسکتی ہیں ہماری ان کے نکاح میں نہ جاسکیں گی۔

علامہ عینی کہتے ہیں قیاس کا تقاضا یہی ہے جن فقہاء نے مسلمان کو کافر کا وارث نہیں مانا انہوں نے استحسان سے کام لیا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

واما المسلم فهويرث من الكافر ام لافقالت عامة الصحابة لا يرث وبه اخذ علما ؤنا والشافعي وهذا استحسان والقياس ان يرث وهو قول معاذ بن جبل ومعاوية بن ابی سفيان وبه اخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفية ومحمد بن علی بن الحسين. (عمدۃ القاری جلد ۲۳ ص ۲۶۰)

واضح رہے کہ امام مسروق، حضرت حسن بصری، محمد بن حنفیہ اور امام باقر جیسے حضرات بھی اس مسئلہ میں امیر معاویہؓ کے ساتھ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت سعید بن المسیب اور امام نخعی جیسے تابعین بھی حضرت معاویہؓ کے موافق بتلائے ہیں۔(ایضاً)

حضرت معاذؓ نے اپنے اس اجتہاد کی بناء اس حدیث پر رکھی حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

عن معاذ قال يرث المسلم من الكافر من غير عكس واحتج بانه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الاسلام يزيد ولا ينقص وهو حديث اخرجه ابوداؤدو صححه الحاكم.

اس دور میں جن لوگوں نے حضرت معاویہؓ کے اس فیصلے کو بدعت کہا ہے وہ سمجھ نہیں پائے کہ مجتہد اپنے فیصلے میں خطا بھی کرے تو بھی اسے ایک اجر ملتا ہے اس کے اجتہاد کو کسی صورت میں بدعت نہیں کہا جاسکتا اور بدعت صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے صحابی کا عمل

کیسے بدعت ہوگیا۔ان ھذا لشی عجاب

## ۲۔کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف

ابن شہاب زہری کہتے ہیں جو کافر عہد دے کر مسلم علاقے میں آیا ہے اس کی دیت میں اور مسلمان کی دیت میں کوئی فرق نہیں حضرت امیر معاویہؓ نے کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ٹھہرائی ہے اور کافروں کو مسلمانوں کے برابر نہیں آنے دیا۔

یہ حضرت معاویہؓ کا صرف اجتہاد نہیں اس بارے میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ حدیث مروی ہے:۔

عقل الکافر نصف دیة المسلم وفی روایة نصف عقل المومن. (رواہ احمد والنسائی جلد۲، ص۲۴۷)

ترجمہ: کافر کا خون بہا مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

وفی روایة عقل اھل الذمة نصف عقل المسلمین. (ایضا)

ترجمہ: ذمیوں کا خون بہا مسلمان کے خون بہا کا نصف ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی اسی کے قائل تھے اور مالکی فقہ میں اب تک یہ مسئلہ اسی طرح مفتی بہ ہے۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ دونوں کے اجتہاد میں یہ فرق ہے کہ امیر معاویہؓ اس کافر کے قاتل سے پوری دیت لینے کے قائل ہیں جس میں سے آدھی مقتول کے وارثوں کو ملے گی اور باقی نصف بیت المال میں جائے گی کیونکہ اس قاتل نے جس طرح اس کافر کو نقصان پہنچایا اس نے سلطنت کے باندھے عہد کو بھی نقصان پہنچایا ہے مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس ذمی کی دیت نصف ٹھہرائی اور بیت المال کے لیے قاتل سے کچھ نہ لیا یہ آپ کا اجتہاد تھا۔

دونوں بزرگوں کے اجتہاد میں سے جو صلابت اور اصابت حضرت امیر معاویہؓ کے اجتہاد میں ہے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اجتہاد میں نہیں۔ عام لوگوں پر اس قتل بے جا کی زد برابر پڑنی چاہیے قتل کافر کا ہو یا مسلمان کا دیت برابر ہونی چاہیے یہ اگلی بات ہے کہ مقتول کے وارثوں کو نصف ملے اور دوسرا نصف بیت المال میں جائے اس سے قاتلوں اور قانون توڑنے والوں پر کوئی نرمی نہ آئے گی اور لاء اینڈ آرڈر (Law and Order) کسی پہلو

سے کمزور نہ ہوگا حضرت امیر معاویہؓ کے نزدیک یہی مطلب اس حدیث کا ہے۔

دیة ذمی دیة مسلم (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸، ص ۱۰۲)

ترجمہ: ذمی کی دیت اور مسلمان کی دیت برابر ہے۔

اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ ساری اس مقتول کے وارثوں کو جانی چاہیے اور اس جہت سے یہ مسلمانوں کے برابر رہے۔

حضرت معاویہؓ کے علم و فہم کی داد دیجیے آپ نے کس طرح دونوں حدیثوں میں تطبیق دے دی ہے اس سنت سے بھی نہیں نکلے جو پہلے سے چلی آ رہی تھی اور کافروں کو مسلمانوں کے برابر بھی نہیں آنے دیا اور عوام پر لاء اینڈ آرڈر (Law and Order) کا رعب برابر قائم رکھا۔

فقہاء کوفہ کو حضرت معاویہؓ سے اس اجتہاد سے متفق نہیں ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام سفیان الثوریؒ کی رائے اور ہے (نیل الاوطار جلد ۷، ص ۶۵) لیکن ہم اجتہاد پر حضرت امیر معاویہؓ کو خراج تحسین دیے بغیر آگے جانا نہیں چاہتے اللہ تعالیٰ نے کس شان سے ان پر علم روشن کیا تھا حضرت امیر معاویہؓ قاتل سے پوری دیت لیتے تھے اس کی تصریح آپ کو اس روایت میں ملے گی۔ کیا آپ نے دوسرا نصف بیت المال میں نہیں ڈالا؟

فلما کان معاویة اعطی اھل المقتول النصف والقی النصف فی بیت المال ثم قضی عمر بن عبدالعزیز فی النصف والغی ما کان جعل معاویة. (السنن الکبریٰ جلد ۸، ص ۱۰۲)

ترجمہ: پس جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا تو آپ نے مقتول کے وارثوں کو نصف دیت دلوائی اور دوسرا نصف بیت المال میں دیا پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حکومت آئی تو آپ نے اسی ذمی کے ذمہ صرف نصف دیت لگائی اور حضرت معاویہؓ نے جو حصہ بیت المال میں لیا تھا اسے جانے دیا۔

بقول حضرت ربیعہ الرائے حضرت معاویہؓ نے خود یہ تصریح فرمائی جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے دیت نصف نہ ٹھہرائی تھی اس کے مصرف میں سلطنت کو بھی شامل کر دیا تھا۔

فقال معاویہ ان کان اھلہ اصیبوا بہ فقد اصیب بہ بیت مال المسلمین فاجعلوا لبیت مال المسلمین النصف ولا ھلہ النصف. (الجوہر النقی للعلامہ الترکمانی جلد ۸، ص ۱۰۳)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ کہتے تھے اگر اس مقتول کے گھر والوں پر ایک مصیبت آئی ہے تو مسلمانوں کے بیت المال پر بھی تو ایک زد پڑی ہے سو آدھی دیت بیت المال میں ڈالو اور آدھی اس مقتول کے وارثوں کو دو۔

سو امام زہری کے اس بیان میں کہ امیر معاویہؓ نے دیت کی نصف ثانی اپنے لیے ٹھہرائی اس سے مراد اسے مسلمانوں کے کھاتہ میں ڈالنا ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے زہری کی وہ مغالطہ انگیز عبارت یہ ہے:۔

وکان معاویہ اول من قصرھا الی النصف واخذ النصف لنفسہ. (البدایہ والنہایہ جلد ۸، ص ۱۳۹)

ترجمہ: معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دیت کو نصف کیا اور دوسرا نصف اپنے لیے لے لیا۔

جب قاتل کے وارثوں سے پوری دیت لی گئی تو اسے نصف کرنے کی بات کہاں رہی؟ ہاں صرف اس کے مصرف میں اجتہاد کیا۔ کیا ہر مجتہد کو دلائل کی روشنی میں اجتہاد کرنے کا حق نہیں؟ اور کیا یہ حدیث میں نہیں کہ مجتہد صحیح بات پانے میں خطا بھی کر جائے تو بھی وہ ایک اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے نادان ہیں وہ جو اسے اس پر ملامت کرتے ہیں۔

### ۴۔ ایک وتر کا اجتہاد

وتر کی کم از کم نماز تین رکعت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحیح روایت میں مستقل طور پر ایک وتر پڑھنا ثابت نہیں۔ جن روایات سے ایسا سمجھا گیا ہے وہ سب مؤول ہیں۔ آپ نے پہلے کچھ رکعات پڑھیں اور پھر ایک رکعت اور ملا کر اس نماز کو وتر بنا لیا۔ اوتر بو کعۃ سے یہی مراد ہے کہ پہلی رکعتوں کو وتر کیا ایک رکعت اور ملا کر اب یہ کل تین ہوں یا پانچ یا سات لیکن یہ واضح ہے کہ وتر کی کم از کم مقدار تین رکعت ہی ہیں اس سے کم نہیں۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کا یہی عمل نقل کیا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے وتر اس ایک رکعت ہی کو سمجھ لیا اور فتویٰ دیا کہ ایک رکعت علیحدہ پڑھنے سے بھی وتر کی نماز ادا ہو جاتی ہے حالانکہ اس کا علیحدہ پڑھنا کسی روایت میں نہیں ملتا اس ایک رکعت کا کام پہلی نماز کو وتر بنانا ہے اگر پہلے دو رکعت بھی نہ ہوں تو یہ رکعت آخر کس نماز کو وتر بنائے گی؟ حضورؐ ایک رکعت سے کس نماز کو وتر بنایا کرتے تھے؟ انہی دو رکعتوں کو جو آپ نے پہلے پڑھی ہوتی تھیں۔

حضرت معاویہؓ کے اس اجتہاد سے صحابہؓ کو بہت تعجب ہوا مگر آپ چونکہ مجتہد تھے اور مجتہد خطا بھی کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے اس لیے صحابہؓ نے آپ کو غلط نہ کہا اسے اجتہاد کے سائے میں گوارا کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا معاویہؓ پر اعتراض نہ کرو وہ فقیہ ہیں اور فقیہ اجتہاد بھی تو کرتا ہے۔

اس وقت تک تین رکعت وتر پر پوری امت کا اجماع نہ ہوا تھا اس لیے حضرت معاویہؓ کسی اعتبار سے اس اجتہاد میں محل ملامت نہیں بنتے ہاں اب جب اس پر اجماع ہو چکا ہے تو اب کسی کے لیے امت کے اس اجماع سے نکلنا جائز نہیں امت کا عام عمل پہلے بھی تین رکعت ہی تھا۔

یہ ایک وتر کے خلاف سوال کیوں اٹھا؟ اس لیے کہ امت کا عام عمل تین رکعت پر ہی تھا اور اس سے کسی صحابی کو اختلاف نہیں تھا۔ جب اس عام عمل کے خلاف ایک بات سامنے آئی تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جو اپنے وقت کے بڑے مجتہد اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ترجمان القرآن تھے انہوں نے فرمایا معاویہؓ نے ٹھیک کہا ہے اور ان کا ایسا کرنا ان کے اجتہاد اور ان کی فقاہت کی وجہ سے ہے وتر کا ایک ہونا حدیث کی کوئی منصوص بات نہیں ہے معاویہ فقیہ ہیں اور انہوں نے اجتہاد کیا ہے۔ یہاں ہماری مسئلہ وتر سے بحث نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ حضرت معاویہ صحابہ میں فقیہ سمجھے جاتے تھے مسئلہ کی پوری تحقیق مطلوب ہو تو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب کشف الستر عن صلوۃ الوتر کا مطالعہ کریں۔

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ صحابہؓ میں اول درجے کے جو فقہاء گزرے اور ان کے علم و اجتہاد پر پوری امت کو ناز رہا ہے ان میں حضرت معاویہؓ بھی ہیں اور حضورؐ کی دعا کہ اے اللہ! معاویہؓ کو علم کتاب عطا فرما آپ کے حق میں ہو بہو پوری ہوئی

البتہ یزید کی ولی عہدی میں ان کا اجتہاد اصابت نہ پا سکا۔

**واللہ ولی امرہ وھو یعلم السر وماظھر**

حضرت امام حسن بصری سے منقول ہے:۔

**عن الحسن قال اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لایسلم الا فی اخرھن۔** (المصنف لابن ابی شیبہ جلد۲، ص۲۱۴)

ترجمہ: حضرت امام حسنؒ کہتے ہیں مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہی ہیں ان میں سلام صرف آخر میں ہے۔

یہاں اجماع سے مراد تین رکعت وتر کی مقدار ہے یہ بات کہ یہ تین ایک سلام سے ہوں یہ ان کا اپنا مذہب ہے۔ شافعیوں کے ہاں بھی وتر تین رکعت ہی ہیں ان سے کم نہیں مگر ان کے ہاں افضل یہ ہے کہ دو سلاموں سے ہوں۔ مالکیوں کے نزدیک ضروری ہے کہ دو سلاموں سے ہوں۔ یہ اختلاف ان کی صورت ادا میں ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وتر کی کم از کم رکعات تین ہی ہیں ان سے کم نہیں۔ علامہ بیجوری شافعی شمائل ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

**ظاھر اللفظ یقتضی انہ صلی الثلاث بسلام واحد وھو جائز بل واجب عندابی حنیفۃ ولکن صلوتھا بسلامین افضل عندنا معشر الشافعیۃ ومتعین عندالما لکیۃ۔** (شرح شمائل ص۱۴۴)

ترجمہ: الفاظ کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ آپ نے تین رکعت ایک سلام سے پڑھے ہیں یہ جائز ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں واجب ہے لیکن ہم شافعیہ کے ہاں تین وتر دو سلاموں سے پڑھنا افضل ہے اور مالکیہ تو کہتے ہیں کہ تین وتر دو سلاموں سے پڑھے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کبھی وتر کی نماز ان دو رکعتوں کو ساتھ ملائے بغیر بھی پڑھی ہوتی تو اہل مدینہ کا عام عمل بھی یہی ہوتا کہ صرف ایک وتر بھی کبھی علیحدہ پڑھا ہوتا لیکن مسجد نبوی کے امام حضرت امام مالک (۱۸۹ھ) لکھتے ہیں ہمارے ہاں اس پر بالکل عمل نہیں وتر کی کم از کم مقدار تین ہے اس سے کم نہیں:۔

**وليس على هذه العمل عندنا ولكن ادنى الوتر ثلاث.**

(موطا امام مالک ص ۴۷)

ترجمہ: اس طرح ایک وتر پڑھنے پر ہمارے ہاں بالکل عمل نہیں وتر کی کم از کم مقدار تین رکعات ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

**صلوة المغرب وتر صلوة النهار.** (ایضاً)

ترجمہ: مغرب کی نماز دن کی نمازوں کی وتر ہے

**الوتر ثلث كوتر النهار صلوة المغرب.** (طحاوی شریف ص ۱۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی فرماتے ہیں:۔

ترجمہ: وتر تین رکعات ہی ہیں جیسے دن کے وتر مغرب کی نماز ہیں۔

حضرت ابوالعالیہ (۹۳ھ) کہتے ہیں:۔

**علمنا اصحاب محمد اوعلمونا ان الوترمثل صلوة المغرب غير ان القراة فى الثالثة فهذا وتر الليل وهذا وتر النهار.** (ایضاً)

ترجمہ: پس حضورؐ کے صحابہؓ نے یہ سمجھایا ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے سوائے اس کے کہ ہم تیسری رکعت میں بھی سورت ملاتے ہیں وہ رات کے وتر ہیں اور یہ دن کے۔

## ۴۔ بیٹے کی جانشینی بوقت ضرورت

جب تک صحابہؓ خاصی تعداد میں رہے مسلم سوسائٹی (Muslim Society) پر علم اور تقویٰ کی پوری چھاپ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین حضرت ابوبکرؓ کو اپنے علم و تقویٰ اور ان کی تاریخی خدمات پر چنا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ کی ان کے علم و تقویٰ اور خلافت کی صلاحیت پر نظر تھی پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ چنے گئے تو عشرہ مبشرہ کے اعزاز پر۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت حسنؓ کے اعتماد پر مگر ازاں بعد مسلم سوسائٹی (Muslim Society) میں وہ بات نہ رہی

حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اختلافات نے قوموں کی جبلی فطرت کھول کر رکھ دی تھی حجاز پر تقویٰ و دیانت کا غلبہ تھا مگر قلمرو اسلامی کی نئی وسعت کے سامنے یہ آبادی فیصلہ کن نہ ہو سکتی تھی۔ ایران وروم، عراق وشام اور مصر اور افریقہ کے لوگوں کے اپنے اپنے مزاج تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے نہج البلاغۃ کے خطبے عراقیوں کی بے وفائی اور شامیوں کی عزیمت اور صلابت پر شاہد و ناطق ہیں ایسے ماحول میں خلیفہ کا علم وتقویٰ پر انتخاب حالات کا سامنا کرنے کے لیے کافی نہ سمجھا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علم وتقویٰ پر کسے شک ہو سکتا ہے مگر کیا یہ صحیح نہیں کہ انہیں عراقیوں نے دھوکہ دیا خطوط بھیج کر انہیں بلایا اور جب وہ آئے تو خود یہ حکومت کے ساتھ مل گئے اہل حجاز کی سادگی اور اہل عراق کا تلون یہ وہ بواعث تھے جن کی وجہ سے نیا خلیفہ شامیوں میں سے چنا جائے یہ احساس اور بڑھتا گیا تھا اور اسی سے سلطنت اسلامی کی کچھ صلابت اور عزیمت کی توقع رہ گئی تھی۔

امیر معاویہؓ نے شام میں کچھ اس انداز میں حکومت کی تھی کہ لوگ ان پر جان دیتے تھے پھر شیرازہ اسلام کے بکھرنے کے بعد پھر سے اسے باندھنے کا امیر معاویہؓ کا کارنامہ بھی ہر کسی کے سامنے تھا الائمۃ من قریش کی رو سے امیر معاویہ قریشی تھے اور عبد مناف کی اولاد میں سے ہونے کے باعث حضور اکرمؐ کے قریبی بھی تھے شامیوں میں اور لوگ ان روایات کے حامل نہ تھے جو بنی امیہ میں پائی جاتی تھیں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی رائے تھی کہ جس طرح شامی افواج اور شامی عوام حضرت معاویہؓ پر جان دیتے ہیں اس سطح پر وہ اور کسی کا ساتھ دے سکتے ہیں تو حضرت معاویہؓ کے خاندان کا ہی دے سکیں گے۔ اس لیے انہوں نے حضرت معاویہؓ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ آپ اپنے بیٹے کو ولی عہد کر دیں۔

حضرت معاویہؓ نے پہلے اس میں کچھ تردد کیا کہ بیٹا باپ کا کیسے جانشین ہو لیکن بالآخر ان حضرات کی بات مان لی کیوں کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہ تھی۔ کیا قرآن کریم میں یہ نہیں فرمایا گیا۔ کہ وورث سلیمان داؤد (پ۱۹، نمل ۱۶) (حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے) حضرت سلیمان حضرت داؤد کے بیٹے تھے اور ان کے جانشین ہوئے اب اگر حالات کو سلجھانے کے لیے بیٹے کا انتخاب کرنا پڑے کیونکہ شام کے لوگ اس کے وفادار ہو سکیں تو ان حالات میں بیٹے کو جانشین بنانے میں شرعاً

کوئی عیب نہ ہوگا اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر اس نیت سے بیٹے کو نامزد کرتے ہیں کہ شامی فوجیں اس کے سوا اور کسی کے گرد وفادارانہ پہرہ نہ دے سکیں گی اور اگر کسی سادہ اور نیک بزرگ کو نامزد کیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے گرد اتنی جماعت جمع نہ کر سکے۔ تو محض اس لیے ایسا نہ کرنا کہ باپ کے بعد بیٹا نہیں ہوسکتا یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے اس کے لیے ملک کو خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا۔

پھر یہ بھی علم الٰہی میں تھا کہ آئندہ مسلم سلطنتیں دنیا میں باپ بیٹے کی حکومت سے چلیں گی ہندوستان کے شاہان اسلام خلجی ہوں یا تغلق لودھی خاندان ہو یا مغلیہ خاندان سب اسی نسبت سے رہ چکے ہیں شاہجہاں اور اورنگ زیب سب باپ بیٹا تھا ہندوستان میں محمد بن قاسم کس حکومت کی طرف سے یہاں آئے تھے؟ کہاں عبدالملک کی حکومت باپ بیٹے کی اساس پر نہ چل رہی تھی؟ خلفائے بنی عباس ہارون الرشید اور مامون الرشید کیا باپ بیٹا نہ تھے؟ اور کیا ان کے دور میں شوکت اسلامی قائم نہ تھی؟ پھر جو اموی لوگ سپین چلے گئے تھے کیا انہوں نے خلافت عبدالرحمٰن ثالث کی اولاد میں باقی نہ رکھی تھی؟ پھر سلطنت عثمانیہ جو پوری قلمرو اسلامی کی طاقت کا مرکز تھی کیا باپ بیٹے کی جانشینی پر قائم نہ تھی؟ پوری دنیا میں مسلمان اسی نظام حکومت سے پھیلے اور انہی سے عالمی اسلامی شوکت قائم ہوئی اور گو اس میں خلافت راشدہ کا سا علم و تقویٰ اور اللہ کی حاکمیت کا نظام نہ تھا تاہم تمام کفری نظاموں کے سامنے یہی ایک چراغ تھا جس میں اسلام کا تیل جل رہا تھا۔ اب دیکھیے اسلامی حدود کس ملک میں قائم ہیں اور کیا وہ بھی باپ کے بعد بیٹوں کی سلطنت سے نہیں چل رہا۔

اسلامی عقیدہ میں صحابہؓ ہدایت کے روشن ستارے ہیں کیا اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے بھی کوئی ستارہ چمکا؟ مجبوری کے حالات میں جب یہ طریق حکومت مسلمانوں نے پوری دنیا میں اپنایا تو ضروری تھا کہ اس کی اصل تو صحابہؓ سے ملتی جس سے پتہ چلے کہ مسلمان اگر اس نظام حکومت سے آگے بڑھے ہیں اور چلے ہیں تو ان کے پاس اس باب میں بھی ایک فقیہ صحابی کا عمل موجود تھا جس نے بعض دوسرے صحابہؓ کے کہنے سے باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی پر دستخط کیے اور اگر حضرت معاویہؓ سے اس کی سند نہ ملتی تو مسلمانوں کی پوری دنیا کی مذکورہ حکومتیں اپنی اساس میں غیر اسلامی رہتیں اور یہ اسلام کے باقی نہ رہنے کا ایک عملی اقرار تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اسلامی نظام حکومت تیس سالوں سے زیادہ آگے نہ

چل سکا۔ استغفر اللہ۔

## ایک ضروری بات

یہ علیحدہ بات ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا ان کے تجویز کردہ معیار پر پورا نہ اترا ہو لیکن یہ اس نامزدگی پر جرح نہیں۔ دوسری جہت سے ہے۔ یہ نہیں کہ باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی جائز نہیں حضرت معاویہؓ نے اپنے اجتہاد سے مسلمانوں کو اس عمل حکومت کی ایک سند دی جس پر آئندہ کئی حکمران صدیوں چلتے رہے اور فقہائے اسلام میں سے کسی نے اسے ناجائز نہیں کہا۔

رہی یہ دوسری جہت جرح تو اس کے جواب میں ہم صرف یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے حضرت امیر معاویہؓ جلیل القدر صحابی تھے اونچے درجے کے ولی اللہ بھی تھے لیکن عالم الغیب نہ تھے انہیں یہ علم نہ تھا کہ ان کے جانشین کا آئندہ کا کیا کردار ہوگا؟ حضرت معاویہؓ کے اس اجتہاد پر ہم فقہاء صحابہؓ کا ذکر ختم کرتے ہیں یہ تاریخ اسلام کے پہلے بارہ امام ہیں جنہوں نے اپنے فہم وفراست اور ذوق فقاہت سے اسلام کو ہر باب زندگی میں جلا بخشی۔

**هذا ماسنح لی واللہ ولی امره وبه تتم الصالحات**

حضرت امیر معاویہؓ کی شان اجتہاد جاننے کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ کئی جگہ علماء نے ان کے مقابل حضرت عمرؓ کا قول بھی چھوڑ دیا کیونکہ ان کی بات سنت کے بہت قریب پائی گئی حافظ ابن تیمیہؒ انگلیوں کی دیت کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

> **ترکوا قول عمر فی دیة الاصابع واخذ وابقول معاویة لما کان معه من السنة.** (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۰، ص ۲۱۵)
>
> ترجمہ: فقہاء نے انگلیوں کی دیت میں حضرت عمرؓ کا قول چھوڑ کر حضرت معاویہؓ کا قول اختیار کیا ہے کیونکہ وہ سنت کے زیادہ قریب ہے۔

اب حضرت معاویہؓ کا ایک اور اجتہاد ملاحظہ فرمائیں:۔

حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اس مسئلے میں اور کوئی نہیں حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ ابن التین سے نقل کرتے ہیں:۔

ان الفقهاء لم یاخذوا بعمل معاویہ فی ذلک۔

(فتح الباری جلد۲،ص۵۵۹)

ترجمہ: فقہاء اربعہ میں سے کسی نے حضرت معاویہؓ کے اس عمل کو اختیار نہیں کیا

ایک سوال: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تو ایک وتر علیحدہ پڑھنے کے قائل تھے؟

الجواب: اگر ایسا ہوتا تو آل سعد میں تو یقیناً یہ صورت عمل باقی رہتی مگر علامہ شعبی فرماتے ہیں صورت حال یوں نہ تھی وہ سب تین وتر ہی پڑھتے تھے:۔

عن عامر قال کان ال سعد وال عبداللّٰہ بن عمر یسلمون فی الرکعتین من الوترویو ترون برکعة رکعة فقد بین الشعبی فی ھذا الحدیث مذھب ال سعد فی الوتر وھم المقتدون بسعد المتبعون بفعله و ان وترھم الذی کان رکعة رکعة انما ھووتر بعد صلوة قد فصلو ابینه بین التسلیم فقد عاد ذلک الی قول الذین ذھبو االی ان الوترثلث۔ (طحاوی شریف جلد۱،ص۲۴۳)

ترجمہ: عامر سے روایت ہے کہ آل سعد اور آل عبداللہ بن عمر وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور پھر ایک ایک رکعت ملا کر وتر پڑھتے تھی۔ علامہ شعبی نے اس حدیث کے بارے میں آل سعد کا وتروں کے بارے میں موقف بیان کیا ہے اور وہ حضرت سعدؓ کے پیرو تھے اور آپ کے پیچھے چلنے والے ہی تھے ان کا ایک وتر پڑھنا اس نماز کے بعد ہوتا تھا جو وہ اس ایک رکعت سے پہلے پڑھتے تھے وہ اس سلام سے دونوں میں فاصلہ کر لیتے لیکن انجام کار وہ اسی صورت میں آجاتے کہ وتر تین رکعت ہوئے ہیں (گو اس صورت عمل میں معمولی فرق ہے)

حافظ ابن صلاح بھی کہتے ہیں:۔

لانعلم فی روایات الو ترمع کثرتھا انه علیه الصلوة والسلام اوتر بواحدہ۔ (تلخیص الحبیر جلد۲،ص۱۵)

ترجمہ: ہم ذخیرہ روایات میں اتنی کثرت کے باوجود ایک ایسی روایت

بھی نہیں پاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی رکعتوں کو ملانے کے بغیر) کبھی ایک وتر پڑھے ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وتر کی اصل رکعت وہ ہی ایک ہے جس میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے احناف اس موقع پر اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہیں (رفع یدین کرتے ہیں) گویا اب نماز شروع کررہے ہوں مگر یہ ہاتھ اٹھانا شروع رکعت میں نہیں ہوتا درمیان قیام ہوتا ہے۔ اس میں یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ وتر کی اصل رکعت تو یہی ہے جو رفع یدین سے شروع ہو رہی ہے مگر یہ رکعت مستقل طور پر ایک نہیں اس سے پہلے دو رکعت کا شفعہ ہے جسے اس تیسری رکعت سے ملا کر وتر کیا گیا ہے پہلے چار رکعت دو دو پر قعدہ کرتے پڑھی گئی ہوں تو اس ایک رکعت کو ملانے سے وہ بھی وتر ہو جائیں گی گویہ پانچ رکعت وتر نماز کہلائے گی۔

وتر کی اصل رکعت وہ ایک ہی ہے (دعائے قنوت والی) مگر اس کی ادائیگی کا طریقہ ہے کہ اس ایک رکعت کو مستقل طور ادا نہیں کیا جاتا دو رکعت پہلے ساتھ ملائی جاتی ہیں اگر حضورؐ نے وتر کی نماز کبھی ایک رکعت پڑھی ہوتی تو مدینہ منورہ میں تو اس پر عمل ضرور ہوتا حالانکہ مدینہ کے لوگ جیسا کہ امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کبھی ایک رکعت وتر پڑھتے نہیں پائے گئے۔

حضرت امام احمدؒ سے وتر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

دو رکعتوں پر سلام پھیرا جائے اور اگر سلام نہ پھیرے تو مجھے امید ہے کوئی حرج نہیں ہوگا لیکن نبی کریمؐ سے سلام پھیرنا ثابت ہے۔ (زاد المعاد جلد ۱، ص ۲۱۵)

اس سے پتہ چلا کہ نماز وتر کی ہیئت کذائی یہی ہے کہ آخر کی دعاء قنوت والی رکعت کو پہلی پڑھی نماز سے جوڑا جائے۔

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وتر کی ایک رکعت ہے لیکن یہ تنہا نہیں اس سے پہلے آٹھ رکعات تک ہیں پھر ان کے ساتھ وتر پڑھے اور پھر سلام پھیر دے۔

وتر کا پہلی دو یا چار یا چھ یا آٹھ رکعتوں سے ملانا ضروری ہے ایک رکعت مستقل طور پر ادا ہو اسلام میں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

واستدل بقوله صلی الله علیه وسلم صل رکعة واحدة علی

ان فصل الوتر افضل من وصله وتعقب بانه ليس صريحا في الفصل فيتحمل ان يريد بقوله صل ركعة واحدة اى مضافة الى ركعتين مما مضى بان الصحابة اجمعوا على ان الوتر بثلث موصولة حسن جائز. (فتح الباری جلد۲،ص۵۵۸)

ترجمہ: جن لوگوں نے حضورؐ کے اس فرمان سے کہ وتر ایک رکعت پڑھو یہ استدلال کیا ہے کہ وتر میں فصل کرنا وصل سے افضل ہے۔ ان پر تعاقب کیا گیا ہے کیونکہ یہ روایت صریح نہیں اس میں احتمال ہے کہ صل رکعۃ واحدۃ کا مطلب یہ ہو کہ یہ ایک رکعت دو رکعت کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے اور وتر حقیقت میں وہی رکعت ہے جو آخر میں آئے یہ تشریح اس پر مبنی ہے کہ صحابہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ وتر تین رکعت ملا کر پڑھنا (ایک سلام سے) ہی اچھا ہے اور یہی اس کے جواز کی صورت ہے۔

تین رکعت وتر کے اتنے قوی دلائل کے ہوتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے ایک وتر پڑھنے کو ان کی فقاہت پر محمول کیا گیا ہے اور ہر مجتہد کو اپنی فقہ پر عمل کرنے کا حق ہے مجتہد کی بات اسوقت تک چلتی ہے کہ اس کے خلاف اجماع نہ ہوا ہو۔ اگر اس پر اجماع ہو جائے تو اس کا خلاف اجماع نہ ہوا ہو۔ اگر اس پر اجماع ہو جائے تو اس کا خلاف جائز نہیں نہ مجتہد کو نہ اور کسی کو اب تین رکعت پر اجماع ہے لہٰذا اب کسی کا مستقل طور پر ایک وتر پڑھنا درست نہیں دو رکعت پہلے ملا کر ایک رکعت وتر پڑھے تو یہی ایک صورت ہے جو سلف میں ایک وتر کہلاتی تھی۔

اس وقت ہمیں اس مسئلے سے بحث نہیں مسئلے کی تفصیل کے لیے آپ کشف الستر عن صلوۃ الوتر (عربی) یا شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ ڈیروی کی کتاب نفحۃ العطر فی ابحاث الوتر (اردو) مطالعہ فرمائیں۔

صحابہ کرامؓ میں یہ بارہ چوٹی کے فقہاء کا تذکرہ آپ کے سامنے ہے اب ہم تابعین کرام میں بارہ چوٹی کے فقہاء کا کچھ مختصر ذکر کرتے ہیں ان کے بعد تابعین کے دوسرے بارہ فقہاء کی فہرست گذارش کی جائے گی جو اپنے اپنے حلقہ میں درس و افتاء کا مرجع رہے اور عام تابعین میں مدتوں ان کی تقلید جاری رہی اور امت کا ان کے فتووں پر پورا اعتماد اور عمل رہا ان میں کوئی اختلاف بھی ہوا تو اس وقت کے اہل علم نے اسے اسلام کے نظریہ وسعت عمل میں جگہ دی۔

# تابعین کے صف اول کے بارہ امام فقہ جو اپنے اپنے ہاں مسلمانوں کا مرجع رہے

## ۱۔امام علقمہ بن قیسؒ (۶۲ھ)

آپ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوالدرداؓ کے شاگرد ہیں۔ابوظبیان کہتے ہیں میں نے کئی صحابہؓ کو بھی علقمہ سے مسائل پوچھتے اور ان سے فتویٰ لیتے دیکھا ہے آپ کوفہ کی علمی مسند پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے وارث تھے حضرت ابراہیم نخعیؒ پھر آپ ہی کے مسند علمی کے وارث ہوئے اور بالآخر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بھی یہی مسند علمی تھی۔

## ۲۔امام مسروق بن اجدعؒ (۶۲ھ)

حضرت ام المومنینؓ نے آپ کو اپنا متبنیٰ بنایا ہوا تھا آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھنے کا بھی موقع ملا آپ نے حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے اکتساب علم کیا۔

## ۳۔امام اسود بن یزید نخعیؒ (۷۵ھ)

حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے بہت بڑے فقیہ تھے آپ حضرت علقمہؒ کے بھتیجے تھے اور حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

## ۴۔امام عبدالرحمٰن بن غنم اشعریؒ (۷۸ھ)

آپ اہل شام کے فقیہ تھے شام کے جملہ تابعین فقہ اور حدیث میں ان کے شاگرد ہیں ان کے بعد امام مکحول بن ابی مسلم الہذلی (۱۱۳ھ) اہل شام کے مفتی اور محدث رہے۔ابو حاتم کہتے ہیں میں نے شام میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

## ۵۔امام سعید بن المسیبؒ (۹۲ھ)

اہل مدینہ کا مرجع درس و افتاء اور تمام تابعین کے سرتاج ہیں۔حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے اکتساب علم کیا اور حدیث سنی۔علی بن المدینی (۲۳۲ھ) کہتے ہیں وسعت علم میں کوئی آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا حضرت ابوہریرہؓ کے داماد

تھے اور حضور اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ چالیس رج کیے۔

## ۶۔ قاضی شریح بن حارث کندیؒ (۷۸ھ)

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ہیں علامہ شعبی اور علامہ ابراہیم نخعیؒ آپ کے شاگرد تھے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے اووار میں کوفہ کے قاضی رہے آپ کے بعد یہ عہد قضاۃ حضرت ابوبردہ (۱۰۳ھ) کو ملا جو حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کے صاحبزادے تھے۔ قاضی شریحؒ نے ۱۲۰ سال عمر پائی۔

## ۷۔ ابوالعالیہ رفیع بن مہران ریاحیؒ (۹۳ھ)

بصرہ کے مشہور فقیہ اور مفتی ہیں بنوتمیم کے آزاد کردہ غلام تھے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے اکتساب علم کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے اور درس دیتے اور فرماتے یہ علم کی شرافت ہے جو ایک غلام کو تخت پر بٹھاتی ہے اور قریش کے کئی لوگ اس وقت فرش پر بیٹھے ہوتے تھے۔

## ۸۔ امام زید بن وہب الجہنی الکوفی (۸۴ھ)

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے کثیر العلم شاگرد ہیں تمام ارباب صحاح نے آپ سے روایات لی ہیں فسوی کی بے دلیل جرح کا کوئی اعتبار نہیں آپ ثقہ راوی حدیث ہیں۔

## ۹۔ امام عروہ بن الزبیرؓ (۹۴ھ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ کے بیٹے ہیں حضرت زبیرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ام المومنینؓ کے نامور شاگرد ہیں۔ زہری کہتے ہیں میں نے آپ کو علم میں ایک ایسا سمندر پایا ہے جو کہیں گدلا نہیں۔ آپ سیرت النبیؐ کے سب سے بڑے حافظ تھے۔

## ۱۰۔ امام ابوبکر بن عبدالرحمٰنؓ (۹۴ھ)

آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے تھے اور مدینہ کے فقہاء سبعہ کے نہایت عالی مقام رکن تھے۔

## ۱۱۔امام مطرف بن عبداللہ الشخیرؒ (۹۵ھ)

حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ام المومنینؓ اور حضرت عمارؓ کے شاگرد تھے بصرہ کے مفتی تھے۔آپ دیگر تابعین سے رویت ہلال کے مسئلہ میں کچھ منفرد رہے آپ آلات کے ذریعہ چاند معلوم کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ذہبی لکھتے ہیں آپ علم و عمل میں بہت بلند مرتبہ پر تھے۔

## ۱۲۔امام جابر بن زید بصری ابوالشعثاءؒ (۹۳ھ)

بصرہ کے مرکزی مفتی تھے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تلمیذ خاص۔حضرت ابن عباسؓ نے کئی لوگوں کو کہا تم جابر بن زید کو پاتے ہوئے مجھ سے مسائل پوچھتے ہو (تذکرہ) عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے جابر بن زید سے بڑھ کر کسی کو فتویٰ دینے کا اہل نہیں پایا۔جب آپ کو سپرد خاک کیا گیا تو حضرت قتادہ نے کہا آج روئے زمین کا علم دفن ہو گیا ہے

یہ بارہ حضرات اپنے وقت میں اپنے اپنے علاقے میں درس وافتاء کا مرجع رہے ان دنوں ان کی پیروی امت میں جاری رہی۔

# تابعین کے دوسرے طبقہ کے بارہ امام

## جنکی اپنے اپنے حلقہ میں تقلید جاری رہی اور امت ان کے فتووں پر عمل کرتی رہی

## ۱۔امام ابراہیم نخعیؒ (۹۵ھ)

آپ حضرت علقمہ حضرت مسروق اور حضرت اسود کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی وارث بنے حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔(تذکرہ)

اس دور میں جب اکثر اہل علم عجم النسل یا موالی میں سے تھے یہ عرب ہونے میں نمایاں تھے۔اعمش کہتے ہیں ابراہیم علم حدیث کے نقاد تھے۔

علامہ شعبی کو جب آپ کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا آپ نے اپنے پیچھے اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں چھوڑا۔امام ابوحنیفہؒ حماد کے واسطہ سے آپ کے علم کے وارث ہوئے۔

## ۲۔امام زین العابدین (۹۴ھ)

حضرت علی بن الحسینؒ، حضرت ام المومنینؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت

عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نامور شاگرد تھے۔

زہری کہتے ہیں میں نے ان کے زمانے میں ان سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا آپ علامہ شعبی کے ہم خیال تھے اور حدیث کم روایت کرنا پسند کرتے تھے۔

## ۳۔امام سعید بن جبیرؒ (۹۸ھ)

کوفہ کے مشہور فقیہ اور حضرت ابن عباسؓ کے مشہور شاگرد تھے کوفہ کے لوگ جب حج پر آئے تو آپ سے مسائل پوچھنے لگتے آپ فرماتے کیا تم میں سعید بن جبیرؒ نہیں ہیں؟ یعنی ان پر اعتماد کیوں نہیں کرتے۔ اس سے پتہ چلا ان دنوں مسائل زیادہ تر اعتماد پر مانے جاتے تھے اور مسائل معلوم کرنے کے لیے دلائل کا مطالعہ کرنا ضروری نہ سمجھا جاتا تھا

## ۴۔امام ربانی امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ)

حضرت انسؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں فقہ وحدیث میں امامت کے درجہ پر پہنچے شعیب بن حجاب کہتے ہیں مجھے علامہ شعبی نے وصیت کی تھی کہ علم کی طلب ہے تو ابن سیرینؒ کے حلقہ درس کو لازم پکڑنا۔ خواب کی تعبیر میں آپ نہایت بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔

## ۵۔علامۃ التابعین ابوعمرو الشعبیؒ (۱۰۳ھ)

حضرت ام المومنینؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور کئی دوسرے صحابہؓ سے علم حاصل کیا پانچ سو صحابہ کرامؓ کی زیارت کی تھی ان سے ملاقات بھی رہی اور ان سے روایات بھی لیں۔

مکحول شامی (۱۱۳ھ) کہتے ہیں میں نے شعبی سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا امام ابراہیم نخعیؒ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے تھے ابومجلز کہتے ہیں آپ فقہ میں حضرت سعید بن المسیبؒ سے بھی آگے تھے۔

امام بن سیرینؒ کہتے ہیں میں کوفہ آیا تو امام شعبی کا بہت بڑا حلقہ درس دیکھا حالانکہ اس وقت صحابہ کرامؓ بکثرت موجود تھے علامہ شعبی کہتے ہیں صلحائے امت زیادہ حدیث بیان کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ (تذکرہ)

علامہ شعبی کہتے ہیں میں کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے سوا کسی کو فقیہ نہیں سمجھتا۔ اس پر قیس ارقب نے کہا آپ حضرت علیؓ کے شاگردوں کو نہیں جانتے؟ آپ

نے فرمایا جانتا ہوں۔ علامہ شعبیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے استاد تھے گوآپ نے حضرت حماد بن ابی سلیمان کی مسند علمی اختیار فرمائی۔

## ۶۔ حضرت خارجہ بن زیدؒ (۹۹ھ)

مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ ہیں آپ حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے تھے جو شخص حضرت زید بن ثابتؓ کے علمی مقام کو جانتا ہے وہ اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت خارجہ کس بلند مرتبہ کے عالم ہوں گے بایں ہمہ آپ قلیل الحدیث تھے زیادہ حدیث روایت کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ علم حدیث میں کسی کم درجہ میں تھے۔

## ۷۔ حضرت سالم بن عبداللہؒ (۱۰۶ھ)

حضرت عمرؓ کے پوتے اور مدینہ منورہ کے نامور فقیہ ہیں حافظ ذہبی لکھتے ہیں آپ کا قول حجت سمجھا جاتا تھا۔ لوگ آپ کے فتوے پر بلا طلب دلیل عمل کرتے تھے۔ آپ نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور حضرت ام المومنینؓ سے اور حضرت سعید بن المسیبؒ سے اکتساب علم کیا آپ کے شاگردوں میں حضرت عمرو بن دینار، زہری اور صالح بن کیسان بہت ممتاز ہیں۔

## ۸۔ حضرت سلیمان بن یسارؒ (۱۰۴ھ)

مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ ہیں حضرت زید بن ثابتؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین حضرت میمونہؓ سے اکتساب علم کیا آپ کا شمار ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔

جب کوئی شخص حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس فتوی لینے جاتا تو آپ فرماتے سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ۔ ان دنوں فتوی لیتے وقت دلائل کا مطالبہ نہ ہوتا تھا دین فقہاء کے اعتماد پر حاصل کیا جاتا تھا۔

## ۹۔ حضرت قاسم بن محمدؒ (۱۰۸ھ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور مدینہ کے ممتاز فقیہ تھے اپنی پھوپھی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت معاویہؓ سے اکتساب علم کیا۔ یحیٰی بن سعید الانصاری کہتے ہیں مدینہ میں کوئی ایسا عالم نہیں جسے ہم قاسم پر برتری دے سکیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔

## ۱۰۔امام مکحول بن ابی القاسم الہذلیؒ (۱۱۳ھ)

اہل شام کے مقتدر فقیہ اور محدث تھے ابو حاتم کہتے ہیں میں نے شام میں مکحول سے بڑا فقہ وحدیث کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

آپ پر انکار تقدیر کی تہمت لگی مگر آپ کا دامن بحمداللہ اس سے پاک اور صاف ہی ثابت ہوا۔

## ۱۱۔امام عطاء بن ابی رباحؒ (۱۱۴ھ)

اہل مکہ کے مفتی اور محدث اور فقیہ تھے حضرت ام المومنینؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ سے اکتساب علم کیا۔محمد بن عبداللہ الدیناج کہتے ہیں میں نے عطاء سے بہتر کوئی نہیں دیکھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ مکہ آئے تو اگر کوئی آپ سے مسئلہ پوچھتا تو فرماتے عطاء تم میں موجود ہیں اور تم مسائل پوچھنے میرے پاس آتے ہو۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی کہتے اے اہل مکہ! تم عطاء کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسائل پوچھنے آتے ہو۔

آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد تھے امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں میں نے عطاء سے افضل کوئی راوی حدیث نہیں دیکھا۔

## ۱۲۔حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ (۱۲۰ھ)

آپ حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۵ھ) کے علمی جانشین ہیں حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے امام شعبہ (۱۶۰ھ) اور امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) نے بھی آپ سے حدیث روایت کی ہے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلم نے بھی آپ سے روایات لی ہیں۔(الاکمال ص۵۹۶)

امام بخاریؒ کے ہاں حماد بن ابی سلیمان کس صف کے عالم تھے اسے دیکھیے:۔

**وقال سعید بن المسیب و ابن جبیرو ابراھیم وقتا دہ وحماد یقضی یوما مکانہ.** (صحیح بخاری جلد۱، ص۲۵۹)

اور آپ کتاب الوضو میں بھی لکھ آتے ہیں:۔

**وقال حماد لاباس بریش المیتۃ وقال الزھری فی عظام الموتی نحو الفیل وغیرہ ادرکت ناسا من سلف العلماء**

يمتشطون بها ...... وقال ابن سيرين وابراهيم لاباس بتجارة العاج (ایضاً ص ۴۷)

وقال حماد اذا اقر مرة عند الحاكم رجم. (ایضاً جلد۲، ص ۱۰۶۳)

پھر آپ نے حماد کو ابراہیم نخعی سے روایت کرتے بھی پیش کیا ہے:۔

وقال حماد عن ابراهيم النخعي ان كان عليهم ازار فسلم والا فلا تسلم. (ایضاً جلد۱، ص ۳۰)

حماد اور ابراہیم تک امام بخاری کی سند کیا ہے؟ اس کے لیے امام بخاری کی عبارت دیکھیں:۔

وقال النخعي اذا كان المستحلف ظالما فنية الحالف و ان كان مظلوما فنية المستحلف. (صحیح بخاری جلد۲، ص ۱۰۲۸)

صحیح بخاری میں اسے تعلیقاً روایت کیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس سے پردہ اٹھایا ہے کہ نخعی سے یہ بات امام محمد بن حسن نے بواسطہ امام ابی حنیفہ نقل کی ہے امام محمد نے اسے موصولاً کتاب الآثار میں روایت کیا ہے۔

وصله محمد بن الحسن في كتاب الآثار عن ابي حنيفة عن حماد. (فتح الباری جلد۱۲، ص ۴۰۲ بیروت)

## دوسری صدی کے بارہ امام ائمہ مجتہدین

## جو اپنے اپنے علاقوں میں فتووں کا مرجع بنے اور امت میں انکی پیروی سمٹ آئی

دوسری صدی کے نصف اول تک فقہائے تابعین بڑی تعداد میں موجود رہے اور عام تابعین اعتماداً ان کے فتووں پر ان سے دلیل مانگے بغیر عمل کرتے رہے لیکن اعتماد کے یہ حلقے پھر سمٹنے لگے اور صرف چار پانچ علمی مراکز ایسے رہے جن کے گرد علماء اچھی خاصی عقیدت میں جمع ہوتے تھے یہاں تک کہ مستقل مکاتب فکر کے طور پر ان کی شہرت ہوئی پھر ان مکاتب فکر میں جو علماء زیادہ ممتاز ہوئے پوری قلمرو اسلامی میں ان کی پیروی جاری ہوئی اس مطلق تقلید سے کبھی کسی علمی حلقے میں ان دنوں انکار نہیں کیا گیا۔

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اثرات چھائے رہے اور دوسری صدی کے

نصف ثانی میں وہاں حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) کے حلقہ ہائے اعتماد قائم ہوئے بصرہ میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اثرات رہے۔

مدینہ منورہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے زیر اثر مدینہ کے فقہائے سبعہ کی علمی آماجگاہ تھا اب حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی درس گاہ تھا۔

مصر میں حضرت لیث بن سعد (۱۷۵ھ) کی اپنی علمی مسند تھی مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے زیادہ اثرات تھے اور ان کے شاگردوں کے وسیع حلقے تھے پھر حضرت امام شافعیؒ کا حلقہ عقیدت بھی یہیں بنا گو آپ کچھ عرصہ مصر میں بھی رہے۔

شام میں حضرت ابوالدرداءؓ کے بعد امام مکحول (۱۱۳ھ) درس وافتاء کا مرجع بنے اب اس علاقہ میں امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) کی پیروی جاری ہوئی امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ) کے علوم کا سرچشمہ امام جعفر صادقؒ بنے حضرت امام جعفر صادقؒ کے علوم کی یہ لائن اس سے مختلف ہے جس میں ان کے نام سے غیر مستند خیالات کو فقہ جعفری کی سند دے دی گئی ہے۔

الغرض پوری قلمرو اسلامی میں جو ائمہ مجتہدین نمایاں ہوئے اور امت میں کثیر تعداد علماء سمٹ سمٹ کر اب ان کے حلقوں میں جمع ہونے لگے فقہ کے وہ بارہ امام یہ ہیں:۔

۱۔ امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ)
۲۔ امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ)
۳۔ امام اوزاعیؒ (۱۵۳)
۴۔ امام زفرؒ (۱۵۸ھ)
۵۔ امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ)
۶۔ امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ)
۷۔ امام مالکؒ (۱۷۹ھ)
۸۔ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)
۹۔ امام محمدؒ (۱۸۹ھ)
۱۰۔ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)
۱۱۔ امام اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ)
۱۲۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)

ان بارہ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہؒ کی پیروی سب سے زیادہ جاری ہوئی۔

فقہ حنفی کی عالمگیر وسیع مقبولیت تاریخ کا ایک ناقابل انکار تسلسل ہے سو ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ذکر ذرا تفصیل سے کریں گے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی آپ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

اسلامی دنیا کے اکثر حصے میں آپ ہی کے مقلد و معتقد ہیں اور ان ممالک میں آپ کا مذہب صدیوں سے رائج ہے براعظم ایشیا کے اکثر ملکوں میں صرف آپ ہی کے مقلد ہیں

اوران میں اکثر آپ ہی کی فقہ کے مطابق امور شریعت فیصلہ پائے ہیں دیگر مذاہب کے مقلد ان کے مقابلے میں بالکل ہی تھوڑے ہیں۔ (احکام المرام ص ۶۵)

## فقہ حنفی کی وسیع عالمگیر مقبولیت

ہم جلد اول میں اس پر سیر حاصل بحث کر آئے ہیں یہاں موقع کی ضرورت سے ہم اس مختصر تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وسنت اور آثار صحابہؓ کی روشنی میں جن مسائل کا استنباط کیا اور آپ کے اصحاب نے بحث ومباحثہ کے بعد جنہیں قبول کیا اسے قلم بند کرلیا جاتا تھا۔ حضرت امامؒ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے اور آخر ۱۵۰ھ تک یہ خدمت برابر جاری رہی۔

حافظ ابوالمحاسن کے بیان کے مطابق اس مجموعہ فقہ کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔ باب الطہارت، باب الصلوۃ، باب الصوم پہلے عبادات کے ابواب اس کے بعد معاملات پھر سب سے آخر میں میراث کے ابواب۔ (سیرت النعمان)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حین حیات ہی میں اس مجموعہ نے مقبولیت عامہ حاصل کرلی تھی آپ کے دور میں جو حضرات ائمہ موجود تھے وہ بھی اس مجموعہ مسائل سے نقلیں لیتے تھے اور اس مجموعہ فقہ سے بے نیاز نہ تھے۔ حضرت امام مالکؒ آپ کی کتابوں کو دیکھتے اور استفادہ کرتے رہے امام اوزاعیؒ نے بھی اس کے بعض ابواب دیکھے۔ امام سفیان ثوریؒ کے سرہانے کتاب الرہن دیکھی گئی آپ اس کا مطالعہ کرتے رہے غرضیکہ سب اہل اسلام حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اس علمی اور فقہی کاوش سے برابر مستفید ہوتے رہے اور مانتے رہے کہ سب لوگ فقہ میں حضرت امام کے عیال (بچے) ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو جو اس وقت قبولیت عطا فرمائی وہ اہل علم پر مخفی نہیں صدیوں تک فقہ حنفی کا سکہ چلتا رہا اور اکثر ممالک اسلامیہ میں ان کے شہروں میں فقہ حنفی پر عمل ہوتا رہا امام سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) اپنے زمانے کی بات کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک دنیا کے کناروں تک پہنچ گیا ہے۔ (وقد بلغ فی الآفاق)

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) امام ابویوسف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے امام صاحب کا علم زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلا دیا (نشر علم ابی

حنیفۃ فی اقطار الارض)

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ عراق، ہندوستان، چین، ماوراء النہر اور عرب کے سب شہروں میں (بلاد العجم کلھا) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے اور آپ ہی کی فقہ کا ہر جگہ غلبہ رہا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۸)

صاحب مجمع البحار علامہ طاہر فتنی (۹۸۲ھ) نے المغنی میں فقہ حنفی کا سارے آفاق میں پھیل جانا اور روئے زمین کو ڈھک لینا بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ اگر مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کا سر خفی نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب قریب اہل اسلام اس کی تقلید کے جھنڈے تلے جمع نہ ہو جاتے۔ ملا علی قاری نے دسویں صدی کی بات لکھی ہے کہ اہل اسلام کے دو ثلث فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) بارہویں صدی کا حال لکھتے ہیں:-

بس در جمیع بلداں و جمیع اقالیم بادشاہاں حنفی اند و قضاۃ و اکثر مدرساں و اکثر عوام حنفی۔ (کلمات طیبات ص ۱۶۸)

پھر چودہویں صدی میں مصر کے مشہور محقق شیخ ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں کہ:-

یہ مذہب مشرق و مغرب تک پھیل گیا اس کے متبعین کی بڑی کثرت پائی جاتی ہے۔ (حیات امام ابوحنیفہ ص ۷۶۲)

پھر جن لوگوں کے ہاتھوں میں عنان حکومت رہی وہ بھی فقہ حنفی پر عمل کرتے رہے مؤرخین کے بقول اکثر سلاطین اسلام حنفی تھے اور آج بھی خطہ ارضی پر نظر کی جائے تو احناف اور فقہ حنفی کی مقبولیت کسی سے ڈھکی چھپی نہ رہے گی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی خداداد ذہانت و فراست سے جن مسائل کا (قرآن و حدیث کی روشنی میں) استنباط کیا اس کی اہمیت و افادیت ہر دور میں برابر تسلیم کی گئی اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصول و قواعد کو بعد میں آنے والے مجتہدین نے ہمیشہ پیش نظر رکھا اسی لیے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے علی الاعلان حضرت امام ابوحنیفہؒ کو تمام فقہاء کا سرتاج اور بعد میں آنے والے تمام فقہاء کو آپ کے عیال قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ اور آپ کی اس علمی کاوش کی مقبولیت کے اسباب جو بھی ہوں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کو جس مقبولیت سے نوازا ہے اس کی

کوئی مثال نہیں جب سے اس فقہ کی تدوین ہوئی اسی وقت سے یہ کائنات میں لحہ لحہ ترقی پذیر رہی اور علماء لکھتے ہیں کہ انشاء اللہ اس کی مقبولیت اور بھی ترقی کرتی رہے گی۔

امام شعرانی (۹۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

> جس قدر زمانہ دراز ہوتا جائے گا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متبعین اور مقلدین اور بڑھتے جائیں گے اور آپ کے اور آپ کے مقلدین کے اقوال میں عقیدت اور نمایاں ہوتی جائے گی۔ (کتاب المیزان جلد ا، ص ۱۹۳)

## مقام امامت پر پہنچنے کی سعادت

یہ محض عطاء الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقبول بندے کی محبت اور عقیدت عامہ بنی آدم کے دلوں میں اتار دے اور اس میں نسبت بھی اس کے اپنے دین کی ہو جس کی تعمیل میں قومیں اس کی امامت میں چلیں حضرت امام کے مقام امامت پر پہنچنے کی یہ سعادت تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ امام شعرانی لکھتے ہیں:۔

> اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور بندوں کی امامت کے لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو پسند فرمایا ہے اور ان کے پیرو ہر زمانہ میں تا قیامت بڑھتے رہیں گے اور وہ پیرو ایسے راسخ القدم ہوں گے کہ اگر ان میں سے کسی کو قید کر دیا جائے یا پیٹا جائے اور اس سے کہا جائے کہ امام صاحب کے طریقہ کو چھوڑ دے تو وہ ہرگز اس کے چھوڑنے کو منظور نہ کرے گا۔ خدا تعالیٰ ان سے اور ان کے متبعین سے اور ہر اس شخص سے جو آپ کے ادب کو ملحوظ رکھے اور تمام ائمہ سے راضی رہے۔

(کتاب المیزان جلد ا، ص ۱۷۰ اُردو)

یہ بارہ ائمہ مجتہدین وہ حضرات ہیں کہ اسلام میں تشریع ان کے دور میں ضابطوں میں ڈھلی۔ یہ اصحاب فن ائمہ مجتہدین ہیں جنہوں نے اصول مدون کیے اور اسلام میں قانون سازی اصولی شکلوں میں سامنے آئی۔ پیشتر اس کے کہ ہم ان کا ترتیب وار تذکرہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی علمی حالت پر ایک مختصر تبصرہ کر دیں۔

## فقہاء تابعین کے بعد مسلمانوں کی علمی حالت

صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور میں مسلمانوں کی عملی حالت بہت اچھی تھی عمل کی قوت نے

ابھی انہیں دین کے علمی قواعد وضوابط کی ضرورت محسوس نہ ہونے دی تھی جہاں مسلمانوں کو ضرورت ہوتی وقت کے فقہاء اور مفتیوں سے پوچھ کر مسائل پر عمل کر لیتے۔ فقہاء صحابہؓ اپنے وقت میں فتویٰ دیتے رہے اور فقہاء تابعین اپنے وقت میں مسلمانوں کی عملی راہنمائی کرتے رہے لیکن فقہاء تابعین کے بعد جب مسلمان دنیا کی ایک بڑی طاقت بن گئے تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اب مسلمان علماء اپنے علمی قواعد وضوابط کو اس طرح مرتب کریں کہ ان کے رہوارِ عمل پر علم کی لگام آ جائے۔ یہاں مسلمان علماء کو اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جس سے ہر دانشور قوم اپنے دنیوی علوم وتجربات سے گزرتی ہے۔

## دنیوی علم کے چار مختلف مدارج

۱۔ ہر صنعت کے کچھ لوگ موجد ہوتے ہیں ان کی انسانی تجربات اور مشاہدات پر گہری نظر ہوتی ہے ایسے ماہرین کے فکر وعمل سے دنیا میں ایجادات وجود میں آئیں ایسے لوگ اس فن کے موجد شمار ہوتے ہیں دنیا میں انہیں اس فن کا موجد اور اس علم کا مدون کہا جاتا ہے۔

۲۔ پھر وہ لوگ آتے ہیں جو کسی علم وفن کے موجد تو نہیں ہوتے لیکن پہلے جو علم وفن مدون ہوا اس کے پورے ماہر ہوتے ہیں اور اپنی مزید تحقیق سے وہ اس علم وفن کی نوک پلک اور سنوارتے ہیں اور اس لائن میں پیش آنے والے حوادث کا حل وہ اس فن کے اصولوں پر خود معلوم کر لیتے ہیں۔

۳۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو خود نہ اس علم وفن کے مدون ہیں نہ محقق لیکن پہلے دونوں طبقوں سے جو کچھ ملا وہ اس کے حافظ اور علمبردار ہو گئے اور ان کی روشنی میں وہ عام لوگوں اور کارکنوں کی عملی راہنمائی کرنے لگے۔ دنیا میں صنائع اور کاروبار کی جملہ عملی رونقیں انہی سے قائم ہوئی ہیں۔

۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس علم کے ثمرات سے عملاً بہرہ ور ہوتے ہیں حصول علم میں ان کی کوئی خاص محبت نہیں ہوتی لیکن پہلے تینوں طبقوں کا وہ دل ودماغ سے احترام کرتے ہیں اور عملاً ان کے دائرہ تقلید میں چلتے ہیں۔

مسلمانوں کے علوم دینیہ کی تاریخ بھی اس صورت حال سے کچھ زیادہ مختلف نہیں صحابہؓ اور تابعین کے دور میں مسلمانوں کی عملی قوت اس زور پر تھی کہ انہوں نے اپنے علوم فنون

کو مرتب کرنے کی زیادہ ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ لیکن اب جوں جوں ضرورات بڑھتی گئیں اس ضرورت کا احساس ابھرتا گیا یہاں تک کہ اس دور کے فقہائے اسلام نے علم کی اس وادی میں قدم رکھا اور دیکھتے دیکھتے اسلام کے علم فقہ کے قواعد وضوابط مرتب ہو گئے۔

پہلے درجے میں جو مرد آہن اس کے لیے آگے بڑھا وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ تھے آپ نے اپنے ساتھ چالیس فقہائے کرام کو شامل کر کے تیس سال کی محنت سے اسلام کے علم فقہ کی تدوین کی اور آپ کے بعد جو بھی اس میدان میں آیا اسے حضرت امام کی اس امامت کبری کا اقرار کرنا پڑا حتی کہ امام شافعیؒ بھی برملا کہتے تھے سب لوگ علم فقہ میں ابوحنیفہؒ کے بچے اور احسان مند ہیں۔

دوسرے درجے میں امام مالک، امام ابویوسف، امام زفر، امام لیث مصری، امام محمد، امام شافعی، امام اسحٰق بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، امام طحاوی اور امام کرخی سرفہرست ہیں۔ انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ کے فقہی خاکہ میں اپنی اپنی تحقیقات کا رنگ بھرا اور اسلام کا علم فقہ نکھرتا گیا۔

یہاں تک کہ تمام اختلافات اپنے اندر سمیٹتے ہوئے فقہ کے یہ چار سکول (School) قائم ہو گئے ان چاروں میں یہ اصولی اقرار پایا گیا کہ سب لوگ علم فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔ امام زفر، امام یوسف اور امام محمد تو کھلے طور پر حضرت امام کے اصولوں پر چلے اور امام مالک اور امام شافعی نے گو اپنے اصول بھی قائم کیے لیکن پھر بھی امام ابوحنیفہ کی سربراہی کا کھلے طور پر اقرار کرتے رہے۔

الناس كلهم عيال ابى حنيفة فى الفقه.

تیسرے درجے کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے پہلے دونوں طبقوں کی محنتوں کو سامنے رکھ کر اس فن پر کتابیں مرتب کیں۔ امام محمد اور امام طحاوی کی پیروی میں علامہ قدوری (۴۲۸ھ) حافظ جصاص رازی (۳۷۰ھ) علامہ برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ (۵۹۳ھ) اور علامہ کاسانی (۵۸۷ھ) زیادہ نمایاں ہوئے۔

امام مالک کی پیروی میں ان کے طریق کے علمبردار ابن القاسم (۱۹۱ھ) اور ابن الوہب ہوئے پھر امام ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) قاضی عیاض (۵۴۴ھ) اس لائن میں زیادہ نمایاں ہوئے۔

امام شافعی کی پیروی میں امام مزنی (۲۶۴ھ) امام بخاری (۲۵۶ھ) اور امام بیہقی (۴۵۸ھ) چلے۔

اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی پیروی میں امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) امام ابن قدامہ (۶۲۰ھ) آگے بڑھے۔ امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) امام اوزاعی (۱۵۷ھ) اور اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) اور ان حضرات کے اصحاب بھی اپنے اپنے پیرایہ میں چلتے رہے۔

چوتھے درجہ میں پھر شیئہ مقلدین ہیں جو ان ائمہ فقہ کی علمی محنتوں سے بہرہ ور ہوئے اور انہوں نے فتاویٰ مرتب کر کے اپنے اپنے حلقہ میں عوام کی راہنمائی کی۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ایک اسلام کے لیے یہ عمل کی چار راہیں کیوں قائم ہوگئیں اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اسلام کے دائرہ وسعت عمل میں مختلف فقہی راہیں قائم تھیں مسالک اربعہ نے ان تمام فقہی اختلافات کو سمیٹ کر چار میں بند کر دیا۔ یہ امت پر ان کا بڑا احسان ہے کہ پندرہ بیس راہوں کو وہ چار پر لے آئے پھر عملاً ہر ایک دائرہ میں ایک ہی راہ زیر عمل رہی کسی کے لیے چاروں راہیں کھولنے کا اصول اختیار نہ کیا گیا سو دیکھا جائے تو عملاً ہر ایک شخص کے لیے ایک راہ عمل ہی قائم رہی۔

اب ہر شخص کے لیے فقہی راہ عمل ایک ہے جس طرح اسلام میں ایک خدا ایک کتاب ایک پیغمبر اور ایک قبلہ ہے اسی طرح اپنے طریقے پر عمل کرتے ہوئے فقہی راہ عمل بھی ہر ایک کے لیے ایک ہے۔ یہ جو چار مذاہب کا اقرار ہے یہ ان اختلافات کو برداشت کرنے کے لیے ہے کیونکہ ہر ایک مذہب کے پیچھے کچھ صحابہ کھڑے ہیں۔ سو ضروری ہوا کہ اپنے طریقے پر عمل کرتے ہوئے باقی تین مذاہب کو بھی ممکن الصواب سمجھا جائے گو اپنے مذہب کو بالکل صواب جانو۔ اس صورت فکر میں سب صحابہؓ کا احترام بھی قائم رہتا ہے اور ان دوسرے ائمہ کا احترام بھی۔ تاہم عمل کے لیے ہر ایک کے لیے ایک ہی راہ رہی یہ نہیں کہ عام مسلمان کبھی کسی امام کے مقلد ہو جائیں اور کبھی کسی دوسرے امام کے۔ خواہش نفس یا سہولت عمل کے لیے ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ اپنے کو تقلید شخصی کے دائرہ میں رکھو نہ یہ کہ ہر ایک کے لیے ایک مسئلے میں اسلام کے چار دروازے کھلے ہوں یہ ایک دین ہے اور راہ عمل کے طور پر ہر ایک کا ایک مذہب ہونا چاہیے نہ کہ چار یا پندرہ بیس۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں یہ رافضی ہیں جو مسلمانوں کو چار مذاہب کا طعنہ دیتے ہیں

اس سے ان کا مقصد صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنا ہوتا ہے کہ دیکھو وہ آپس میں کس طرح مختلف رہے یہاں تک کہ ائمہ کو ان اختلافات کے سائے میں مختلف مذاہب ترتیب دینے پڑے۔ سو جو لوگ امت مسلمہ میں ان چار مذاہب کو محل طعن سمجھتے ہیں امام ابن تیمیہ کے ہاں وہ روافض ہیں۔ غیر مقلدین بھی اگر یہی کریں تو وہ چھوٹے رافضی سمجھے جائیں گے وہ حافظ ابن تیمیہ کے مسلک پر ہرگز نہیں ہیں وہ رافضی ہیں جو ائمہ کے اختلافات کو بہانہ بنا کر صحابہ کرامؓ کے اختلافات پر پھر انہیں بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

## صحابہؓ کے فقہی اختلاف کو برداشت کرنے کی علمی تجویز

یاد رکھیے یہ چار فقہی مذاہب کا اقرار مسلمانوں میں فرقوں کی معرکہ آرائی سے بچنے، ایک دوسرے کے اجتہاد کو برداشت کرنے اور اختلافات صحابہؓ میں سب کو حق پر سمجھنے کی ایک علمی تجویز ہے اگر اسے بطور اصول تسلیم نہ کیا گیا تو مسلمانوں میں علمی اور فقہی اختلافات اتنے ابھریں گے کہ پھر امت میں کسی میں بھی دوسرے کے لیے قوت برداشت نہ رہے گی اور فروعات کے اختلافات کو حق اور باطل کا اختلافات سمجھا جانے لگے گا اور پھر باطل کو برداشت نہ کرنے کی آگ بڑی تیزی سے بھڑکے گی۔

ائمہ اربعہ کی محنتیں اس لیے لائق داد ہیں کہ صحابہؓ اور تابعین میں جو فقہی اختلافات پہلے تھے ان ائمہ مجتہدین کے فقہ کے اصولوں کو طے کرنے کے باعث وہ کم ہوتے گئے اب کسی مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ جو اختلافات دکھائی دیں گے وہ چار سے متجاوز نہ ہوں گے۔ ان فقہاء نے اختلافات پیدا نہیں کیے انہیں کم کیا ہے اور ان میں جو اختلافات ہیں وہ انہوں نے پہلے دور کے صحابہؓ اور تابعین سے لیے ہیں اور ان میں یہ اختلافات وسعت عمل کے مختلف پیمانے تھے تفریق امت اور انتشار کا سامان ہرگز نہ تھے۔

اب ہم ان ائمہ مجتہدین کرام کا ترتیب وار ذکر کرتے ہیں جن کے نام پر آج اجتہاد کی دنیا قائم ہے ان سب میں نمایاں شخصیت امام ابوحنیفہؒ کی ہے لیکن آخرت کی طرف پہلا قدم حضرت امام جعفر صادقؒ کا اٹھا امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) اور امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) دونوں امام محمد باقر (۱۱۴ھ) کے شاگرد ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کو خاندان رسالت سے جو نسبت ہے اس کے پیش نظر ہم فقہ کے بارہ مجتہدین کا آغاز ان سے کرتے ہیں۔ للتبرک به لعلو مرتبته و وفور علمه۔

# ائمہ اعلام از مجتہدین کرام

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

اسلام میں جو اکابر دور اول میں بطور مجتہد معروف ہوئے ان میں یہ بارہ اکابر صف اول کے مجتہدین ہیں۔ ان کی پیروی کسی نہ کسی شکل میں امت میں جاری ہوئی گو اب صرف چار مذاہب موجود ہیں۔ ہم ذیل میں سن وار ان کا کچھ ذکر کرتے ہیں واللہ ھو الموفق والمعین.

## ا۔ حضرت امام جعفر بن محمدؒ (۱۴۸ھ)

حضرت امام جعفر صادق مدنی فقیہ مدینہ قاسم بن محمدؒ (۱۰۷ھ) کی صاحبزادی (حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی پڑپوتی) ام فروہؓ کے صاحبزادے ہیں ام فروہؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ، سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پوتی ہیں سو آپ کو حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں کی خاندانی نسبتیں حاصل رہیں آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے استاد حضرت امام عطاءؒ کے نامور شاگرد تھے۔

حفص بن غیاث (۱۹۶ھ) کہتے ہیں میں نے آپ (حضرت امام جعفر صادقؒ) سے سنا کہ جتنی مجھے حضرت علی المرتضیٰؓ کی شفاعت کی امید ہے اتنی ہی مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شفاعت کی بھی امید ہے کیونکہ انہوں نے مجھے دو دفعہ جنا ہے آپ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ دونوں ۸۰ھ میں ایک ہی سال پیدا ہوئے وفات میں حضرت امام جعفر صادقؒ دو سال پہلے عالم آخرت کو سدھارے یہ دو سال وہ ہیں جن میں امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے امام ابوحنیفہؒ سے اکتساب علم کیا۔ رب العزت کو امام محمدؒ کو یہ عزت دینی منظور تھی اس لیے امام ابوحنیفہؒ کی عمر دو سال آگے رہی آپ (امام ابوحنیفہؒ) اور امام جعفر صادقؒ ایک جان دو قالب تھے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کیا واقعی علم میں مرتبہ امامت پر پہنچے؟ اس کے لیے صرف امام ابوحنیفہؒ کی شہادت کافی ہے آپ سے زیادہ فقہ کو جاننے والا اور کون ہوگا؟ آپ فرماتے ہیں:

میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱، ص ۱۴۶)

آپ نے اپنے نانا قاسم بن محمد، اپنے والد امام محمد باقر، حضرت زبیر کے بیٹے عروہ، امام ابوحنیفہ کے استاد امام عطاء، امام مالک کے استاد امام نافع اور کئی دوسرے علماء سے اکتساب علم کیا آپ کے والد امام محمد باقر نے حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوسعید الخدری انصاری، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اپنے والد علی بن الحسین (زین العابدین) سے علم حاصل کیا۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں حضرات پوری طرح علم کے مرتبہ امامت پر فائز تھے اور اہل سنت کے حلقوں میں انہیں امام کہنا خود اہل سنت کا ایک اعزاز ہے۔

یاد رکھیے اہل سنت کے لٹریچر میں ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کسی آسمانی مرتبہ امامت کا داعی نہیں ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں آپؒ کو بدگمان کرنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن جب آپ امام ابوحنیفہ سے بالمشافہ ملے تو ساری بدگمانی دور ہو گئی اور آپ نے اسی مجلس میں اٹھ کر امام ابوحنیفہ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد آپ ہمیشہ حضرت امام کے علم و فضل کی مدح فرماتے رہے۔

جس طرح امام بخاری نے صحیح میں امام ابوحنیفہ سے روایت نہیں کی اسی طرح امام جعفر صادق سے بھی شاید ہی کوئی روایت ملے لیکن اس سے ان دونوں اماموں کی شان میں کمی نہیں ہوتی امام بخاری نے بہت سی صحیح احادیث بھی تو چھوڑی ہیں۔ یہاں بھی علم کے دو جلیل القدر امام ایک صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

## امام جعفر صادقؒ کے بڑے بڑے شاگرد

آپ کے شاگردوں میں امام مالکؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام سفیان بن عیینہؒ، حاتم بن اسماعیل، یحییٰ بن سعید القطان، امام جریجؒ، امام شعبہ ابو عاصم النبیل، موسیٰ کاظم اور دوسرے کئی حضرات ہیں۔ آپ باوجودیکہ مجتہد تھے مگر آپ کا مذہب اور سلسلہ تقلید آگے نہ چلا یہ اس لیے کہ شیعوں نے آپ کے نام پر ایک اپنی فقہ مرتب کر لی اسے ہی اب فقہ جعفری کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔

اثنا عشریوں کے ائمہ حدیث نے (جیسے محمد بن یعقوب کلینی ۳۲۸ھ) اپنا یہ اصول

بنالیا کہ کسی امام کی حدیث کسی دوسرے امام کے نام سے روایت کی جائے یہ سب جائز ہے۔ نیز ان لوگوں نے عمل کے دومیزان قائم کیے تھے ایک کھلا اور ایک چھپا اور اپنی روایات میں تقیہ کو ایک اساسی جگہ دی ہے اب ان دو پہلوؤں سے یہ یقین کرنا مشکل ہوگیا کہ کون سی بات ان کی ہے اور کون سی ان کی نہیں۔

کس کا یقین کیجیے کس کا یقین نہ کیجیے
لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

تاہم یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق ایک بہت بڑے فقیہ تھے اور امام مجتہد تھے لیکن جو فقہ ان کے نام سے فقہ جعفری کے طور پر معروف کروی گئی ہے ہماری تحقیق کے مطابق یہ ان کی نہیں۔ امام جعفر صادق بلاشبہ صادق تھے آپ نے ہرگز تقیہ کا کوئی دروازہ نہیں کھول رکھا تھا جس سے ہزاروں افراد دائرہ اسلام میں آتے جاتے رہے ہوں۔

ان لوگوں کی ان غلطیوں کی وجہ سے ان حضرات کے علم کا ایک بہت بڑا خزانہ مشتبہ ہو کر رہ گیا ہے۔ یوں کچھیے ضائع ہوگیا ہے یہ اسی طرح ہوا جیسے حضرت علی المرتضیٰؓ کے نام پر اس قدر جھوٹ بولا گیا کہ اب ان کی بھی صرف اسی بات کو محدثین قبول کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے ذریعہ پہنچے۔ شیعوں کی اس دو عملی سے دنیائے اسلام کو جو نقصان پہنچا یہ اس داستان غم کو دہرانے کا موقع نہیں ہے۔

حضرت امام مسلم (۲۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

عن ابی اسحق قال لما احدثوا تلک الاشیاء بعد علی قال رجلٍ من اصحاب علی قاتلهم الله ای علمٍ افسدوا ......
سمعت المغیرة یقول لم یکن یصدق علی علیّ فی الحدیث عنه الامن أصحاب عبد الله بن مسعود.

(صحیح مسلم جلد ا، ص ۱۰)

ترجمہ: جب ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے ان کے نام سے نئی نئی باتیں گھڑیں تو حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا اللہ انہیں برباد کرے کتنے بڑے علم کو انہوں نے فاسد کردیا ہے میں نے مغیرہ کو کہتے سنا حضرت علیؓ سے روایت شدہ کسی حدیث کو سچا نہ سمجھا جائے

جب تک کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے روایت نہ ہو۔

## ائمہ اہل بیت اہلسنّت کے حدیثی لٹریچر میں

اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ اہل السنۃ کے ہاں ائمہ اہل بیت وہ امام زین العابدین ہوں یا امام محمد باقر، امام جعفر صادق ہوں یا امام موسیٰ کاظم سب کے سب اہل سنت تھے اور ان کی ان کے ہاں وہی قدر و منزلت ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کی ہے یا امام شافعی اور امام احمد کی ہے۔ ہم اثنا عشری شیعوں کی اس بات کو درست نہیں سمجھتے کہ ان ائمہ اہل بیت کا دیگر اہلسنت کے بالمقابل کوئی علیحدہ مذہب تھا۔

حضرت امام جعفر صادق کے اس مختصر تذکرہ میں ہم نے ضروری جانا ہے کہ کچھ شواہد عرض کر دیں جن سے ثابت ہوا کہ اہلسنّت کے حدیثی لٹریچر میں اہل بیت کا ذکر اور ان کی روایات فراواں موجود ہیں۔

۱۔ اہلسنّت کی کتب حدیث میں جہاں اور صحابہؓ کے فضائل و مناقب کے ابواب ہیں وہاں حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے فضائل و مناقب بھی اسی طرح موجود ہیں دیکھیے صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مستدرک حاکم وغیرھا من کتب الحدیث۔

۲۔ مسند ابی یعلیٰ موصلی میں، مسند امام احمد میں، مسند ابی داؤد طیالسی میں، حضرت علی المرتضیٰؓ کی مسندات مستقل طور پر مروی ہیں اور اہل سنت کے ہاں بڑی قدر سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

۳۔ بہت سی اسانید حدیث میں ان حضرات کے نام بطور روای حدیث ملیں گے جن میں یہ حضرات اپنے آباء کرام سے بھی اور دیگر صحابہ کرامؓ اور روات سے بھی احادیث روایت کرتے ہیں۔

# ۲۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ)

**الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!**

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی کہ ایمان ثریا ستاروں پر بھی جا لٹکے تو بھی ابناء فارس سے ایک شخص اسے پالے گا۔ یہ پیشگوئی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے صحیح مسلم جلد۲، ص۳۱۲ میں موجود ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ عقیدہ اسلامی کے خلاف جبر و قدر، اعتزال اور رفض وخوارج کے فتنے عراق میں اٹھے اور اللہ تعالی نے وہیں سے حضرت امام کو عقائد راشدہ کی حفاظت کے لیے لاکھڑا کیا اور آپ نے اسلام کے تمام ضروری عقائد فقہ اکبر کے نام سے ایک رسالہ میں ترتیب دے دیئے اور پوری امت کے ایمان کو بچالیا۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

علم وعقائد اور کلام میں لوگ ابوحنیفہ کے عیال اور خوشہ چیں ہیں۔

(بغدادی جلد۱۳، ص۱۶۱)

علم عقائد کی صحت فقہ اکبر ہے اور حضرت امام نے اسی نام سے اپنا عقیدہ مرتب فرمایا اور نقشہ عمل کی صحت فقہ اصغر ہے اب فقہ کا لفظ زیادہ اسی نوع علم پر آتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں کہ علم عقائد کو سب سے پہلے آپ نے ایک ترتیب دی۔ فجزاہ اللّٰہ عنا احسن الجزاء

پھر آپ کے سلسلہ کے امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے اس موضوع کو لیا اور عقیدہ طحاوی مرتب فرمائی سعودی عرب میں عقائد کی یہ کتاب درسا پڑھائی جاتی ہے سو بقول علماء محققینؒ حضرت امام حضورؐ کی اس پیشگوئی کا مصداق ٹھہرے وہ پیشگوئی یہ تھی۔

ایمان ثریا پر بھی جا لٹکے تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسے پالے گا اس کا مصداق حضرت امام ابوحنیفہؒ تھے۔

اس کا اعتراف دوسرے مسالک والوں نے بھی کیا ہے۔ حضرت امام سیوطی (۹۱۱ھ)

باوجود شافعی المسلک ہونے کے اس حدیث کا مصداق حضرت امام صاحب کو قرار دیتے ہیں۔
(تبییض الصحیفہ ص ۳)

خطیب تبریزی صاحب مشکوۃ شافعی المسلک ہیں مگر انہوں نے بھی حضرت امام کے علو مرتبہ اور وفور علم کی شہادت دی ہے۔ (الاکمال ص ۶۲۴)

## بشارت ثریا کا مصداق

علامہ ابن حجر مکی (۹۷۵ھ) لکھتے ہیں:۔

**قال بعض تلامذة الجلال وما جزم به شيخنامن ان الامام اباحنيفة هو المراد من هذا الحديث ظاهر لاشك فيه.**

(الخیرات الحسان)

ترجمہ: امام سیوطی کے بعض شاگردوں نے بتایا کہ آپ بڑے وثوق اور پختہ یقین سے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مراد امام ابوحنیفہ ہی ہیں اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

امام ابوحنیفہؒ دریں حکم داخل است کہ خداتعالی علم فقہ را بر دست وے شائع ساخت وجمعے از اہل اسلام را بآں فقہ مہذب گردانیدہ خصوصا متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است بس در جمیع بلدان وجمیع اقالیم بادشاہ حنفی اند وقضاۃ واکثر مدرساں واکثر عوام حنفی۔

(کلمات طیبات ص ۱۶۸ طبع دہلی تالیف شاہ ولی اللہؒ)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ اس بشارت میں داخل ہیں اللہ تعالی نے علم فقہ ان کے ہاتھ سے پھیلایا ہے اور اہل اسلام کے ایک بڑے طبقہ کو ان کی فقہ سے متمتع کیا ہے خاص طور پر اس دور آخر میں کہ سلطنت اسی مذہب کی ہے تمام علاقوں میں اور ولایات میں حکمران اسی طریقے کے ہیں جج صاحبان اور مدرسین (اساتذہ) زیادہ اسی طریقے کے پائے جاتے ہیں۔

امام ابوداؤد صاحب السنن فرماتے ہیں:۔

ان ابا حنیفۃ کان اماما۔ (تذکرہ جلد۵،ص۱۶۰)

ترجمہ: بے شک ابوحنیفہ "مسلمہ امام تھے۔

علامہ ذہبی حنبلی ہیں مگر حضرت امام کے بارے میں صاف لکھتے ہیں:۔

کان اماما ورعا عالما عاملا متعبدا کبیر الشان۔

(ایضاً ص۱۶۸)

آپ نے حضرت امام کو امام اعظم کے لقب سے ذکر کیا ہے۔

اسلام میں جو لوگ مجتہد تسلیم کیے گئے ہیں اور امت میں ان کی پیروی بالاجماع جاری ہوئی حضرت امام ان میں سے ایک ہیں۔ حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں:۔

الامام فقیہ العراق احد ائمۃ الاسلام والسادۃ الاعلام احدارکان العلماء احدائمۃ الاربعۃ اصحاب المذاہب المتبوعۃ۔ (البدایہ جلد۱،ص۱۰۷)

ترجمہ: عراق کے بڑے فقیہ ائمہ اسلام میں سے ایک اور علم کے بڑے سرداروں میں سے ایک، بنیادی علماء میں سے ایک، ائمہ اربعہ میں سے ایک اور جن حضرات کی امت میں تقلید جاری ہوئی ان میں سے ایک ہیں۔

سو حضرت امام جعفر صادق کے نام سے جو فقہ شیعہ حضرات نے وضع کر رکھی ہے اس کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

ومن اکاذیبھم وزعمھم ان ھذہ الرسائل من کلام جعفر بن محمد الصادق والعلماء یعلمون انھا انما وضعت بعد المائۃ الثالثۃ زمان بناء القاھرۃ۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد۳۵،ص۱۳۴)

ترجمہ: ان لوگوں کا جھوٹ اور گمان ہے کہ یہ رسائل امام جعفر صادقؒ کے ہیں اور علماء جانتے ہیں کہ یہ رسائل تو تیسری صدی میں جب قاہرہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا وضع کیے گئے۔

شیعہ کے بارہویں امام کی پیدائش (۲۸۴ھ) ہے سو اس سے پہلے ان کا مذہب

اصولی طور پر کہیں طے شدہ نہیں ہوسکتا سو یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ فقہ جعفری کی اساس تیسری صدی میں ہی کہیں رکھی ہوگئی۔ واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال

## حضرت امامؒ کا تعارف

حضرت امام ابوحنیفہؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ۶۹ سال بعد ۸۰ھ میں پیدا ہوئے آپ کا نام نعمان اور والد کا نام ثابت تھا فارسی النسل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں حضرت انسؓ (۹۳ھ) کی کئی دفعہ زیارت کی حضرت عامر بن واثلہ الاسقعؓ (۱۰۲ھ) کی وفات کے وقت حضرت امام کی عمر ۲۲ سال کی تھی سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ تابعی تھے۔ حافظ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:۔

مولده سنة ثمانين راى انس بن مالک غير مرة لماقدم عليهم الكوفة. (تذکرہ جلد ا، ص ۱۵۸ تہذیب جلد ۱۰، ص ۴۴۹)

ترجمہ: آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کو کئی دفعہ دیکھا جب وہ آپ کے پاس کوفہ آیا کرتے تھے۔

اگر آپ نے ان سے حدیث روایت نہیں کی تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ آپ نے ان سے کوئی حدیث سنی نہیں یا یہ کہ آپؒ نے آپؓ کو کبھی نماز پڑھتے نہ دیکھا ہوگا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کوفہ کی منفرد عادت رہی کہ وہ بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث روایت نہ کرتے تھے روایت نہ سننے سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ خطیب بغدادی (۴۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

ان اهل الكوفة لم يكن الواحد منهم يسمع الحديث الا بعد استكماله عشرين سنة. (الکفایہ ص ۵۴)

ترجمہ: بے شک اہل کوفہ میں سے کوئی شخص حدیث کا باقاعدہ سماع نہ کرتا تھا جب تک کہ زندگی کے بیس سال پورے نہ کرلے۔

اگر آپ نے کہیں ان سے کوئی حدیث روایت کی تو وہ بطور تبرک کی ہے۔ کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے صغر سنی میں سنی روایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نہیں کیں؟ آپ نے حضرت انسؓ کو کئی دفعہ دیکھا تو ظاہر ہے کہ آپ پر یہ بات مخفی نہ رہی ہوگی کہ آپ رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے یا نہ؟ اور آمین آہستہ کہتے ہیں یا بالجہر؟ اور جب

حضرت انسؓ کوفہ میں آئے تو کیا ان پر یہ بات مخفی رہی ہوگی کہ اہل کوفہ سب کے سب رفع یدین عندالرکوع کے قائل نہیں وہ امام حماد ہوں یا ان کے شاگرد امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری ہوں یا کوئی اور صاحب یقیناً حضرت انسؓ سے یہ بات مخفی نہ رہی ہوگی کہ اہل کوفہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے۔

## حضرت امامؒ کی تابعیت

ائمہ اربعہ میں تابعی ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) نے حنبلی ہونے کے باوجود آپ کو امام اعظم کے اعزاز سے ذکر کیا ہے۔ مولانا محمد ابراہیم میر صاحب بھی آپ کو الملقب بالامام الاعظم علیہ الرحمة والرضوان کہہ کر ذکر کرتے ہیں اور آپ کے تذکرہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

آپ کے شاگرد امامت کے بلند رتبوں پر پہنچے چنانچہ ان میں امام ابویوسف قاضی القضاۃ اور امام محمد اور امام عبداللہ بن مبارک اور امام زفر وغیرہم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بھی الحطہ میں آپ کو امام اعظم لکھتے ہیں:۔

وابوحنیفه النعمان بن ثابت الامام الاعظم. (الحطہ ص ۴۲)

نواب صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

امام ابواعظم ابوحنیفہ کوفی وے چنانکہ در علم دین منصب امامت دارد

ترجمہ: امام اعظم ابوحنیفہ کوفی وہ شخصیت ہیں جو علم دین میں منصب امامت رکھتے ہیں۔

جب آپ علم دین میں امامت کے مقام پر پہنچے تو کیا علم حدیث علوم دینیہ میں سے نہیں؟ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ علم حدیث میں بھی مقام امامت پر تھے۔

## حضرت امام اور علم حدیث

ناقدین رجال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں دیگر حفاظ حدیث کے ساتھ آپ کا بھی ذکر کر کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حافظ الحدیث بھی تھے۔ علامہ ذہبی نے آپ کا تعارف محدثین کے طریقے پر اس طرح کرایا ہے:۔

حدث عن عطاء ونافع وعبدالرحمن بن هرمزالاعرج وسلمة بن كهيل وابی جعفر محمد بن علی وقتادة وعمر بن دينا روابی اسحق وخلق کثير وحدث عنه وکيع ويزيد بن هارون وسعدبن الصلت وابوعاصم وعبد الرزاق وعبدالله بن موسی و ابو نعيم وابو عبدالرحمن المقری وبشر کثير وکان اماما ورعا. (تذکرہ جلد ا، ص ۱۶۸)

اصطلاح محدثین میں حافظ الحدیث وہ ہوتا ہے جسے کم از کم ایک لاکھ حدیث یاد ہو۔

اس سے پہلے حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھ چکے ہیں:۔

قد قال الامام علی بن المدينی ابو حنيفه روی عنه الثوری وابن المبارک وحماد بن زيد وهشام ووکيع وعباد بن العوام وجعفر بن عون وهوثقة لاباس به وکان شعبه حسن الرای فيه.

ترجمہ: امام علی بن المدینی نے کہا ہے امام ابوحنیفہ سے امام سفیان الثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام بن عروہ، امام وکیع، عباد بن العوام، جعفر بن عون نے حدیث روایت کی ہے اور آپ ثقہ ہیں امام شعبہ کی رائے بھی آپ کے بارے میں بہت اچھی تھی۔

خطیب تبریزی صاحب مشکوۃ (۷۴۲ھ) لکھتے ہیں:۔

روی عنه عبدالله بن مبارک ووکيع بن الجراح ويزيد بن هارون والقاضی ابويوسف ومحمد بن الحسن الشيبانی.

(الاکمال ص ۶۲۴)

ترجمہ: حضرت امام عبداللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، امام ابویوسف اور امام محمد بن حسن الشیبانی نے آپ سے حدیث کی روایت لی ہے۔

صدرالائمہ لکھتے ہیں:۔

وعبدالله بن يزيد هو ابو عبدالرحمن المقری من حفاظ

اصحاب الحدیث و کبرائهم اکثر عن ابی حنیفة الروایة فی الحدیث. (مناقب موافق جلد۲، ص۳۲)

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن المقری، عبداللہ بن یزید اصحاب الحدیث میں سے اور بڑے محدثین میں سے ہیں انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت احادیث روایت کی ہیں۔

کیا اب بھی کوئی کہہ سکے گا کہ حضرت امام قلیل الحدیث تھے؟ ہرگز نہیں صرف یہی نہیں کہ بے شمار حفاظ حدیث نے آپ سے روایتیں لیں بلکہ محدثین عظام رواۃ حدیث پر آپ کے قول سے سند لیتے تھے۔ جرح وتعدیل کے معاملے میں آپ کا قول معتبر مانا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر زید بن عیاش کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

قال ابو حنیفه انه مجهول. (تہذیب التہذیب جلد۳، ص۴۲۴)

جابر جعفی کے بارے میں حضرت امام کا قول نقل کیا ہے کہ:۔

مالقیت فیمن لقیت اکذب من جعفر الجعفی (ایضاً جلد۲، ص۴۸)

ناقد فن رجال علامہ ذہبی نے بھی آپ کے قول سے سند لی ہے امام عطاء کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قال ابو حنیفه مارایت احدا افضل من عطاء. (تذکرہ جلد۱، ص۹۳)

علامہ ذہبی نے ربیعہ اور ابوالزناد کے بارے میں امام صاحب کی یہ رائے نقل کی ہے:۔

رایت الربیعة وابا الزناد وابو الزناد افـ الرجلین.

(تذکرہ جلد۱، ص۱۲۷)

حضرت امام بیہقی نے بھی اس معاملے میں آپ سے سند لی ہے آپ لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا سفیان ثوریؒ روایت میں کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔

اکتب عنه ماخلا حدیث ابی اسحق عن الحارث عن علی وحدیث جابر الجعفی. (کتاب القراۃ للبیہقی ص۱۳۴)

سفیان ثوری جیسے محدث کے بارے میں آپ سے پوچھنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ رواۃ حدیث کے بارے میں بھی کس قدر بالغ النظر سمجھے جاتے تھے اور حضرات محدثین کے ہاں آپ کا قول ہمیشہ لائق اعتماد اور جرح وتعدیل میں قابل اعتبار سمجھا جاتا تھا۔

جرح وتعدیل اور اسماء الرجال کی کتابوں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بہت سے اقوال مختلف راویوں کے بارے میں ملتے ہیں۔

## حضرت امامؒ کی روایت حدیث

یہ درست ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کم روایت کی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کا علم حدیث کسی دوسرے سے کم تھا۔ کثرت روایت والے حامل فقہ تو ہو سکتے ہیں لیکن حامل فقہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ فقیہ بھی ہو۔ فقیہ کی علمی ذمہ داری بہت اونچی ہے وہ اگر روایت حدیث پر وقت نہ لگائے تو یہ اس کے حق میں کوئی عیب نہیں یہ کوئی کمی شمار نہ ہوگا۔ جس طرح ڈاکٹر کے پاس زیادہ دوائیں نہ رکھی ہو تو اس کا علم کمپاؤنڈر سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ فقہ حدیث فقیہ کا موضوع ہوتا ہے اسے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ یہ حدیث کتنے طرق سے مروی ہے جب اسے اس کی صحت یا تواتر پر یقین ہوجائے تو وہ اس پر اپنا فیصلہ مرتب کرلیتا ہے حدیث ضعیف ہوتو بھی اس سے اس درجے کا کام لے لیتا ہے۔ جس درجے کا کام ضعیف حدیث دے سکتی ہے طرق کی دیگر بحثوں میں صرف محدثین ہی الجھتے ہیں۔

حضرت الامامؒ کی شروط روایت اتنی کڑی تھیں کہ آپ کو حدیث روایت کرنے کی بہت کم ضرورت پڑی بایں ہمہ آپ محدثین میں کثیر الحدیث سمجھے گئے علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ:

روی حماد بن زید عن ابی حنیفة احادیث کثیرة.

(الانتقاء ص ۱۳۰)

ترجمہ: حماد بن زید نے امام ابوحنیفہ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔

امام اسد بن عمرو (۱۹۰ھ) جن کے پاس علامہ ابن سعد کی بہت حدیثیں تھیں۔

وکان عنده حدیث کثیر. (بغدادی جلد ۷، ص ۱۶)

حضرت امام ابوحنیفہؒ ان سے آگے بلند درجے کے امام الحدیث تھے ابن عدی (۳۶۵ھ) امام اسد کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

ولیس فی اصحاب الرای بعد ابی حنیفة اکثر حدیثا منه.

(لسان المیزان جلد ۱، ص ۳۸۳)

ترجمہ: اصحاب الرائے میں امام ابوحنیفہ کے بعد اسد بن عمرو سے زیادہ

حدیث جاننے والا کوئی نہ تھا۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت امام اہل علم میں کثیر الحدیث سمجھے جاتے تھے قلیل الحدیث نہیں اور اگر کہیں کسی کے ہاں یہ لفظ بھی ملے تو اس کا معنی علم کم رکھنے والا نہیں صرف آپ کا اشتغال بالروایۃ کم سمجھا جائے گا۔ تاہم امام دارقطنی نے اپنی سنن میں ۳۳ جگہ حضرت امام کی روایت سے احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کس پائے کے محدث ہیں اس سے کون ناواقف ہوگا وہ خود کہتے ہیں:۔

**اول من صیرنی محدثا ابوحنیفه. (ابن خلکان)**

ترجمہ: مجھے جس شخص نے محدث بنایا اور اس مقام تک پہنچایا وہ ابوحنیفہ ہیں۔

یحییٰ بن زکریا کی جلالت شان سے کون واقف نہیں آپ حضرت امام کے ان اصحاب میں سے ہیں جو تدوین علم میں آپ کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ امام مسعر بن کدام (۱۵۵ھ) کو کون نہیں جانتا آپ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ حضرت امام کے ہم سبق تھے آپ فرماتے ہیں:۔

**طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزهد فبرع علینا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ماترون. (الانتقاء ص ۲۷)**

ترجمہ: میں طلب حدیث میں ابوحنیفہ کے ساتھ رہا وہ اس فن میں (حدیث میں) ہم سب سے بڑھ گئے۔ ہم زہد و تقوے میں لگے تو اس میں بھی وہ ہم سے آگے نکل گئے ہم فقہ میں اکٹھے تھے آپ جس مقام پر پہنچے اسے تم سب دیکھ رہے ہو۔

اجلہ محدثین کی یہ شہادتیں بتلا رہی ہیں کہ آپ کل علم حدیث کا احاطہ کیے ہوئے تھے آپ نے اپنے بیٹے حماد کو وصیت میں جن پانچ احادیث کی طرف توجہ دلائی ان کے بارے میں فرمایا:۔

**جمعتها من خمس مائة الف حدیث. (الوصیۃ ص ۶۵)**

ترجمہ: میں نے یہ پانچ حدیثیں پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چنی ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی نظر کم از کم پانچ لاکھ احادیث پر ضرور تھی۔
اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس دور میں کسی امام کا مجتہد تسلیم کیا جانا بدوں اس درجہ کے علم حدیث کے کسی طرح ممکن نہ تھا حضرت امام احمدؒ سے پوچھا گیا:۔

اذا حفظ الرجل مائة الف حديث يكون فقيها؟ قال لا فمائتي الف؟ قال لا قال فثلا ث مائة الف؟ قال لاقال فاربع مائة الف؟ قال الامام بيده هكذا وحركها اى لعله يصلح ان يكون فقيها مجتهدا يفتي الناس. (اعلام الموقعین جلدا، ص ۴۵)

ترجمہ: جب کوئی شخص لاکھ حدیثیں یاد کر لے تو کیا وہ فقیہ ہو سکے گا؟ آپ نے کہا نہیں تو پھر دو لاکھ پر (کیا اسے فقیہ مان سکیں گے؟) آپ نے کہا نہیں تو پھر تین لاکھ پر؟ فرمایا نہیں تو پھر چار لاکھ پر؟ اس پر امام نے ہاتھ سے اشارہ کیا ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ فقیہ اور مجتہد ہو جائے۔

سو آپ کا مجتہد ہونا ہمیں اس سے مستغنی کر دیتا ہے کہ ہم آپ کے علم حدیث میں کوئی شک کریں۔ مولانا فضل حسین بہاری آپ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

آپ کا مجتہد متبع سنت متقی اور پرہیزگار ہونا ہی آپ کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔ (الحیات ص ۵۹۴)

امام محمد بن سماعہ کہتے ہیں کہ:

ان الامام ذكر في تصانيفه نيفا وسبعين الف حديث وانتخب الاثار من اربعين الف حديث.

(مناقب علی القاری بذیل الجواہر جلد ۲ ص ۴۷۴ ومناقب موفق جلدا، ص ۹۵)

ترجمہ: حضرت امام نے اپنی تصانیف میں اٹھتر ہزار حدیثیں روایت کی ہیں اور چالیس ہزار کے قریب آثار صحابہ نقل کیے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان کریں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کریں پھر بھی آپ کے علم حدیث کو نشانہ طنز و تشنیع بنایا جائے تو اس کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ ستر ہزار کو سترہ کہنے والے امام محمد کی کتاب الآثار ہی کو دیکھ لیں کہ اس میں کتنی حدیثیں حضرت امام نے روایت کی ہیں۔ اللهم احفظنا من

سوء الفهم وسوء الظن ولان بعض الظن اثم.

امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں وکیع کو آپ کی کل احادیث یاد تھیں اور انہوں نے حضرت امام سے بہت ذخیرہ احادیث لیا حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:۔

کان یحفظ حدیثه کله و کان قد سمع من ابی حنیفة حدیثا کثیرا. (کتاب الانتقاص ۱۵۰ جامع بیان العلم جلد ۲، ص ۱۴۹)

ترجمہ: یحییٰ بن معین کو تمام احادیث یاد تھیں اور انہوں نے بہت سا ذخیرہ احادیث امام ابوحنیفہؒ سے لیا۔

کیا اس میں حضرت امام کے کثیر الحدیث ہونے کی شہادت نہیں ہے؟ سو یہ کہنا کہ حضرت امام کو شاید فلاں فلاں حدیثیں نہ پہنچی ہوں وہ سوء ظنی ہے جسے قرآن کریم نے گناہ قرار دیا ہے ان بعض الظن اثم

مجدد مائۃ وہم ملا علی القاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

فالظن بابی حنیفة ان هذه الاحادیث لم تبلغه ولو بلغته لقال بها هذا من بعض الظن فان حسن الظن بابی حنیفه انه احاط بالاحادیث الشریفه من الصحیحة والضعیفه ولکنه رجح الحدیث الدال علی الحرمة اوحمله علی الکراهة جمعا بین الاحادیث وعملا بالروایه والدرایة. (سند الانام ص ۵۲)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ بدگمانی کہ یہ احادیث آپ کو نہ پہنچی تھیں اگر پہنچی ہوتیں تو آپ ضرور ان کے مطابق فیصلہ فرماتے یہ گمان وہ بدگمانی ہے جسے قرآن نے گناہ قرار دیا ہے امام ابوحنیفہ سے نیک گمان یہ ہے کہ آپ تمام احادیث صحیحہ اور ضعیفہ کو جانتے ہوئے تھے لیکن آپ نے اس حدیث کو ترجیح دی ہے جو اس کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے یا آپ نے اسے کراہت (تحریمی) پر محمول کیا ہے اس طریق سے سب حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں اور روایت اور درایت دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔

حضرت امام قرون وسطیٰ تک صحابہ اور تابعین کے علم کے اسی طرح وارث شمار

ہوئے ہیں جس طرح حضرت سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، امام شعبہ، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام وکیع، امام ابو یوسف اور عبدالرحمٰن بن المہدی۔ یہ سب حضرات ایک ہی صف کے محدث اور فقیہ ہیں۔ علامہ ذہبی علم منطق، جدول اور حکمت پر نفرت کی نگاہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لم تکن واللہ من علم الصحابة والتابعین ولا من علم الاوزاعی والثوری ومالک وابی حنیفه وابن ابی ذئب وشعبه ولا واللہ عرفها ابن المبارک ولا ابویوسف ولا وکیع ولاابن المهدی...... بل کانت علو مهم القران والحدیث والفقه والنحو وشبه ذلک. (تذکرہ جلد ۱، ص ۹۲)

ترجمہ: یہ معقولات بخدا صحابہ اور تابعین کا علم نہ تھا نہ امام اوزاعی، امام ثوری، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا علم تھا نہ امام ابن ابی ذئب اور نہ امام الجرح والتعدیل امام شعبہ کا بخدا نہ انہیں امام عبداللہ بن مبارک نے مانا نہ امام ابو یوسف نے نہ وکیع نے نہ عبدالرحمٰن بن المہدی نے ان حضرات کے علوم تو قرآن وحدیث اور فقہ اور نحو وغیرہ تھے۔

اس سے پہلے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی ائمہ حدیث میں امام ابوحنیفہ کو امام سفیان الثوری وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) اور یحیٰی بن سعید القطان کی صف میں اس طرح ذکر کر آئے ہیں:۔

وهولاء کلهم یعظمون السنة والحدیث ومنهم من یمیل الی مذهب العراقیین کابی حنیفة والثوری ونحوهما کوکیع ویحی بن سعید ومنهم من یمیل الی مذهب المدنیین مالک ونحوه کعبد الرحمن بن مهدی.

(فتاویٰ حافظ ابن تیمیہ جلد ۲۰ ص ۴۱)

ترجمہ: اور یہ حضرات سب سنت اور حدیث دونوں کی عظمت کا عقیدہ رکھتے تھے پھر ان میں وہ بھی تھے جو عراقی مکتب فکر کے تھے جیسے ابوحنیفہ سفیان الثوری اور حضرت وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) اور یحیٰی بن

سعید القطان (۱۹۸ھ) اور وہ بھی تھے جو حجازی فکر رکھتے تھے جیسے امام
مالک (۱۷۹ھ) اور عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ)

دیکھیے حافظ ابن تیمیہ امام ابوحنیفہ کو کس صف کے علماء میں ذکر کرتے ہیں وہی جو
حدیث میں چوٹی کے امام سمجھے گئے ہیں۔

اس سے بھی پہلے حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کتاب التمہید میں امام ابوحنیفہؒ
کو اس صف میں ذکر کر آئے ہیں۔

وكان الثورى والا وزاعى و الشافعى و ابوحنيفة و
ابويوسف و محمد واحمد بن حنبل واسحق بن راهويه.

(کتاب التمہید جلد۴، ص۲۷۱)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

وعلى هذا اكثر اهل العلم بالحجاز والعراق من اهل الفقه
والحديث وممن قال بهذا الثورى والا وزاعى وعبدالله بن
الحسن العنبرى والحسن بن حى وابوحنيفة والشافعى.

(کتاب التمہید جلد۴، ص۲۷۱)

ترجمہ: اس پر حجاز اور عراق کے فقہ وحدیث کے اکثر عالم جمع ہیں امام
سفیان ثوری، اوزاعی، عبداللہ بن حسن، حسن بن حی اور ابوحنیفہ اور شافعی
نے یہی بات کہی ہے۔

ومن ظن بابى حنيفة وغيره من ائمة المسلمين انهم
يتعمدون مخالفة الحديث الصحيح لقياس اوغيره فقد
اخطأ منهم وتكلم امابظن واما بهوى. (جلد۲۰ص۳۰۴)

ترجمہ: اور جس نے ابوحنیفہ اور ان جیسے دوسرے ائمۃ المسلمین کے
بارے میں یہ گمان کیا ہے کہ وہ جان بوجھ کر صحیح حدیث کی مخالفت
کرتے ہیں قیاس یا کسی اور سبب سے سو اس نے غلطی کی ہے اور اس کا
یہ کلام سوء ظن (بدگمانی) کے باعث ہے یا وہ نفسانی خواہشات میں پکڑا
ہوا ہے۔

اس صف میں امام ابو یوسف اور امام محمد کا ذکر بھی قابل غور ہے اس کی تفصیل ان کے اپنے تذکرہ میں آئے گی۔

غور کیجیے امام ابوحنیفہ کو کن کے پائے کا عالم مانا جارہا ہے؟ اور کن کے ساتھ شمار کیا جا رہا ہے؟ کیا امام ابو یوسف اور امام وکیع بن الجراح برابر کے کفہ میزان پرنہیں رکھے گئے پھر آگے امام بخاری امام مسلم اور امام نسائی کو بھی انہی علوم کا ترجمان بتلایا ہے جن کا اوپر ذکر ہوا اب امام نسائی کی ایک سند ملاحظہ کیجیے۔

اخبرنا علی بن حجر قال اخبرنا عیسی بن یونس عن النعمان بن ثابت ابو حنیفه. (سنن کبری للنسائی جلد۴، ص۳۲۲)

اس وقت ہم اس پر بحث کرنا نہیں چاہتے کہ سنن نسائی المجتبیٰ سے اس روایت کو کیوں نکال دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب اور تہذیب میں نشان دیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے ترمذی اور نسائی نے بھی تخریج روایت کی ہے اسی طرح مسند ابوداؤد الطیالسی اور معجم صغیر طبرانی میں بھی اور مستدرک حاکم میں بھی حضرت امام کی روایات ملتی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت امام سے ایک حدیث مروی نہیں بایں ہمہ صاحب مشکوٰۃ علامہ خطیب تبریزی نے الاکمال میں حضرت امام کے وفور علم (اچھلتے علم) کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے:۔

فانه كان عالما عاملا ورعا زاهد عابدا اماما فی علوم الشريعة والغرض بايرادذكره فی هذا الكتاب وان لم نروعنه حديثا فی المشكوة للتبرک به لعلومرتبته وو فور علمه. (الاکمال ص ۶۲۵)

ترجمہ: کیونکہ وہ عالم باعمل نہایت محتاط دنیا سے بے رغبت عبادت گزار اور علوم شریعت کے امام تھے اور اگرچہ ہم مشکوٰۃ میں ان سے کوئی حدیث نہیں لائے مگر ان کے بلند مرتبہ اور وفور علم کی وجہ سے اور برکت حاصل کرنے کے لیے ہم نے ان کا یہاں تذکرہ کیا ہے۔

اب آپ ہی بتائیں علوم شریعت جن میں آپ علی الاطلاق امام ٹھہرے کیا علم

حدیث ان میں داخل نہیں ؟اور کیا آپ نے نہیں سوچا کہ ان دنوں علم کسے کہا جاتا تھا ؟ آپ جس علم کا سمندر موجزن تھے اس کے لیے وفور علم سے بڑھ کر اور کون سی تعبیر ہے جو یہاں اس سے آگے ذکر کی جاسکتی تھی

ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء ولو کرہ الاعداء من کل حاسد

حضرت عبدالرحمٰن المقری (۲۱۳ھ) جب آپ سے روایت کرتے تو فرماتے کہ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے بیان کی ہے جو فن حدیث میں بادشاہوں کا بادشاہ تھا خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

کان اذا حدث عن ابی حنیفة قال حدثنا شاھنشاہ.

(بغدادی جلد ۱۳، ص ۳۴۵)

آپ جب ابوحنیفہ سے کوئی حدیث روایت کرتے تو کہتے ہیں یہ حدیث اس شخص نے سنائی جو (اس فن میں) بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔

آپ امام شافعیؒ کو دیگر مسائل میں حضرت امام سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن وہ بھی برملا کہتے ہیں کہ سب علماء فقہ میں حضرت امام کے عیال ہی ہیں:۔

من اراد الفقه فهو عیال ابی حنیفه. (الانتقاء ص ۱۳۶ لابن عبدالبر)

من اراد ان یعرف الفقه فلیلزم اباحنیفه و اصحابه فان الناس کلهم عیال علیه فی الفقه. (بغدادی جلد ۱۳، ص ۳۴۶)

ترجمہ: جو علم فقہ جاننا چاہے اسے امام ابوحنیفہ اور اس کے شاگردوں کی مجلس لازم پکڑنا ہوگی کیونکہ سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔

علامہ محمد بن ابراہیم الیمانی (۸۰۰ھ) کس دلسوز پیرائے میں ان علمائے اعلام کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے حضرت امام کی عبقریت کے آگے اپنے علم کے بازو خم کیے ہیں:۔

لوکان الامام ابوحنیفة جاھلا ومن حلیة العلم عاطلا ماتطابقت جبال العلم من الحنفیة علی الاشتغال بمذا ھبه کالقاضی ابی یوسف ومحمد بن الحسن الشیبانی والطحاوی والکرخی وامثالھم واضعافھم فعلماء الطائفة الحنفیة فی

الهند والشام ومصرو اليمن والجزيرة والحرمين والعراقين منذ مائة وخمسين من الهجرة الى هذا التاريخ يزيد على ست مائة سنة فهم الوف لايحصرون وعوالم لايحصون من اهل العلم والفتوى والورع والتقوى. (الروض الباسم)

ترجمہ: اگر امام ابوحنیفہ واقعی علم سے خالی ہوتے تو بڑے بڑے علم کے پہاڑ جیسے قاضی ابو یوسف، امام محمد، امام طحاوی، امام کرخی اور ان کے مرتبے کے اور علماء اور ان سے کئی گنا زیادہ امام ابوحنیفہ کے مذہب پر کیسے لگ جاتے علماء احناف ہند شام مصر یمن جزیرہ حرمین اور عراقین میں ۱۵۰ھ سے اب تک کہ چھ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے لاکھوں ہیں کہ گنے نہیں جاسکتے۔

## حضرات اہلحدیث (باصطلاح جدید) کا اقرار

مشہور اہلحدیث عالم مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:۔

آپ کا دماغ فقہی مسائل کے استخراج اور اصول مقرر کرنے کے لیے نہایت مناسب تھا اور آپ کی قوت استدلال نہایت زبردست تھی۔

(احکام المرام ص ۵۵)

مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی (گوجرانولہ) عراق سے اٹھنے والے فتنوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

جس قدر یہ زمین سنگلاخ تھی اس قدر وہاں اعتقادی اور عملی اصطلاح کے لیے ایک آہنی مرد کی ضرورت تھی جس کے علم و عقل کی پہنایاں اس سرزمین کے مفاسد کو سمیٹ لیں۔ میری ناقص رائے میں یہ آہنی شخص حضرت امام ابوحنیفہ تھے جن کی فقہی موشگافیوں نے اعتزال و تجہم کے ساتھ رفض و تشیع کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اللهم ارحمه واجعل الجنة الفردوس مأواه. (فتاویٰ سلفیہ ص ۱۴۱)

حضرت امام کے مخالف بلکہ دشمن بھی ان کی ان خوبیوں سے ناواقف نہیں تھے اگر

اس دور پرفتن میں یہ مقدس شخصیت سرزمین کوفہ میں موجود نہ ہوتی تو شاید اس سرزمین کا حشر بھی عاد وثمود یا قوم لوط جیسا ہوتا۔

رہا یہ وہم کہ آپ پر فقہ کا غلبہ تھا اس لیے آپ زیادہ رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے سو اس کے جواب میں ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ اس سوء ظن سے پہلے کم از کم ایک دفعہ آپ کے نظریۂ حدیث پر ضرور غور کریں اسے ہم مستقل عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

## حضرت امام کا نظریۂ حدیث

حافظ ذہبی نے آپ کا نظریۂ حدیث آپ کے اپنے الفاظ میں اس طرح نقل کیا ہے:۔

۱۔ **اخذ بکتاب اللّٰہ فمالم اجد فبسنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والاثار الصحاح عنه التي فشت في ایدی الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول اصحابه اخذ بقول من شئت واما اذا انتهی الامرالی ابراهیم والشعبی والحسن وعطاء فاجتهد کما اجتهدوا۔**

(الانتقا لابن عبدالبر ص۲، ص۶۵ تذکرہ الحفاظ میزان کبریٰ جلد۱)

ترجمہ: میں فیصلہ کتاب اللہ سے لیتا ہوں اس سے نہ ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان آثار سے لیتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقہ راویوں کے ذریعہ پھیل چکے ہوں ان میں بھی نہ ملے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے جو مجھے پسند آئے اسے لے لیتا ہوں لیکن جب معاملہ دوسرے مجتہدین امام ابراہیم نخعی، علامہ شعبی، حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح مکی تک آئے تو میں اجتہاد کرتا ہوں جیسے انہوں نے اپنے وقتوں میں اجتہاد کیا۔

جو لوگ حضرت امام شعبی اور امام ابراہیم نخعی کے علمی مرتبہ سے واقف ہیں انہیں علم ہونا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اپنے آپ کو اسی صف کا عالم سمجھتے تھے۔ یہ حضرات بے شک آپ کے اساتذہ بھی تھے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کئی دفعہ شاگرد اساتذہ پر علم میں سبقت بھی لے گئے ہیں۔

۲۔ آپ رواۃ حدیث کو اس موضوع کی دوسری احادیث اور قرآنی مطالب ملا کر دیکھتے جو روایت اس اجماعی موقف سے علیحدہ رہتی آپ اسے عمل کے لیے قبول نہ فرماتے اور اس کا نام شاذ رکھتے یہ آپ کی اپنی اصطلاح تھی۔ حافظ بن عبدالبر مالکی (۴۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

انه كان يذهب فى ذلک الى عرضها على ما اجتمع عليه من الاحاديث ومعانى القران فماشذ من ذلک رده سماه شاذا. (الموافقات جلد۲، ص۲۶)

ترجمہ: آپ ہر روایت کو کتاب وسنت کے اس مجموعی موقف پر پیش کرتے جو آپ کے ہاں قائم تھا اور جو بات اس کے خلاف ہوا سے رد فرماتے اور اس کا نام شاذ رکھتے۔

۳۔ حدیث آپ کے ہاں ان تمام مراحل سے گزر کر سنت کے درجہ کو پہنچی تھی آپ حدیث کے اس قدر گرویدہ تھے کہ حدیث ضعیف بھی ہوتو اس کے مقابلے میں قیاس کو جگہ نہ دیتے تھے حدیث کو آگے رکھتے اور اسے قیاس پر مقدم کرتے تھے۔ حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

فتقديم الحديث الضعيف واثارالصحابة على القياس والراى قوله وقول احمد. (اعلام الموقعين جلد۱، ص۸۸)

ترجمہ: حدیث ضعیف بھی ہوتو اسے اور آثار صحابہ کو رائے اور قیاس پر مقدم کرنا یہ امام ابوحنیفہ کا فیصلہ تھا اور یہی مذہب امام احمد کا ہے۔

۴۔ ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) احناف کا یہی مذہب نقل کرتے ہیں:۔

ان مذهبهم القوى تقديم الحديث الضعيف على القياس المجرد الذى يحتمل التزييف. (مرقات جلد۱، ص۳)

ترجمہ: علماء حنفیہ کا قوی مذہب ضعیف حدیث کو ترجیح دینا ہے محض قیاس کے مقابلہ میں جو خطاء کا احتمال رکھتا ہے۔

حضرت امام صاحبؒ فرماتے ہیں:

لم تزل الناس فى صلاح مادام فيهم من يطلب الحديث فاذا طلبوا العلم بلاحديث فسدوا. (میزان کبریٰ للشعرانی جلد۱، ص۵۱)

ترجمہ: جب تک لوگوں میں حدیث کے طالب رہے اس وقت تک لوگ درست رہے اور جب انہوں نے حدیث کو چھوڑ کر علم حاصل کرنا شروع کیا تو خراب ہو گئے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ابن حزم کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث اولی عنده من الرای والقیاس

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث رائے اور قیاس سے بہتر ہے۔

قیاس (کسی منصوص مسئلے پر غیر منصوص مسائل کو قیاس کرنا) تمام ائمہ مجتہدین کے نزدیک حجت ہے اور اس پر اجماع ہے۔ ضعیف حدیث کو اس پر مقدم کرنا بتلاتا ہے کہ ضعیف حدیث میں حجت ہونے کی قیاس سے زیادہ اہلیت ہے گو اس کا درجہ اپنا ہو۔ حسن اور صحیح اس پر ترجیح بایں وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں سنن اربعہ میں ضعیف احادیث بھی حسن اور صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہیں گو اب شیخ البانی نے انہیں علیحدہ کر دیا ہے اور وہ علیحدہ چھپی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

## ۳۔ امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزائیؒ (۱۵۷ھ)

امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی اپنے زمانہ کے مشہور محدث فقیہ اور مجتہد تھے علامہ ذہبی آپ کو شیخ الاسلام اور الحافظ لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ اس قابل تھے کہ آپ کو خلیفہ وقت بنایا جائے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد۱، ص ۱۵۵)

حافظ ابن کثیر آپ کو الامام الجلیل علامۃ الوقت اور فقیہ امام اہل الشام لکھتے ہیں۔ (البدایہ جلد ۱۰، ص ۱۱۵)

حافظ ابن حجر آپ کو الفقیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

(تہذیب جلد ۶، ص ۲۳۸)

امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی سے دین اور فقہ کا بڑا ذخیرہ منقول ہے آپ اہل شام کا مرجع اور مفتی اعظم تھے مدتوں اہل شام میں آپ کی تقلید اور پیروی کی جاتی رہی ہے۔

امام عبید اللہ بن عبدالکریم فرماتے ہیں کہ میں نے اوزاعی سے بڑا عاقل، متقی، عالم، فصیح، باوقار، علیم اور خاموش طبع دوسرا کوئی نہیں دیکھا۔ سفیان بن عیینہ آپ کو امام اہل زمانہ کہتے تھے ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ کثیر الحدیث والعلم والفقہ تھے۔ (ایضاً جلد ۶، ص ۲۴۰)

ابن مہدی کا بیان ہے کہ حدیث کے مرکزی امام چار ہیں جن میں امام اوزاعی بھی شامل ہیں اور فرماتے ہیں کہ اہل شام میں ان سے بڑا سنت کا کوئی عالم نہ تھا۔

**ما کان اهل الشام اعلم بالسنة منه. (ایضاً)**

امام ابو اسحٰق فزاری کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کے لیے خلیفہ انتخاب کرنے کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں امام اوزاعی کا انتخاب کروں گا۔

(تذکرہ جلد ۱، ص ۱۵۵)

اہل شام کے ساتھ ساتھ اہل اندلس میں بھی ایک عرصہ تک آپ کی تقلید جاری رہی ہے۔ (البدایہ جلد ۱۰، ص ۱۱۵)

ابو عبدالملک القرطبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حکم بن ہشام (۲۵۶ھ) کے زمانہ میں اندلس میں آپ کی رائے پر فتویٰ دیا جاتا تھا۔ (تہذیب جلد ۶، ص ۲۴۲)

آپؒ ائمہ اربعہ کی طرح اس وقت کے امام متبوع رہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ کا اصل فن کتاب وسنت اور اس سے استنباط کردہ فقہ تھا۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۱۵۵)

آپ کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تعارف حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) سے ہوا آپ فن حدیث کی تکمیل کے لیے شام گئے تو امام اوزاعی نے ان سے پوچھا یہ ابوحنیفہ کون ہیں جو دین میں نئی باتیں پیدا کرتے ہیں؟ کچھ دن بعد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ان کے پاس گئے تو کچھ اجزاء اوراق ساتھ لیتے گئے سرنامہ پر لکھا تھا:۔

**قال نعمان بن ثابت**

آپ نے پوچھا یہ نعمان کون بزرگ ہیں؟ آپ نے کہا:۔

عراق کے ایک شیخ ہیں جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔

حضرت عبداللہ ابن المبارک نے عرض کی یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتاتے تھے۔

امام اوزاعی نے اپنی غلطی پر ندامت وافسوس کا اظہار فرمایا پھر ایسا ہوا کہ حج کے موقعہ پر امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ کی ملاقات ہوگئی اتفاق سے عبداللہ بن مبارک بھی موجود

تھے امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی کے سامنے مسائل کی اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد امام اوزاعی نے عبداللہ بن مبارک سے کہا:۔

اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے لوگ ان سے حسد کرتے ہیں بلاشبہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا میں افسوس کرتا ہوں۔ (ایضاً)

کاش کہ زبان دراز اہلحدیث (باصطلاح جدید) حضرات اس سے عبرت پکڑیں اور حضرت امام کی شان میں گستاخی اور بے ادبی سے بچیں۔

امام اوزاعیؒ باوجود یکہ امام ابوحنیفہؒ سے چھوٹے تھے آپ نے ان سے روایۃ الاکابر عن الاصاغر کے طور پر روایت بھی لی ہے حضرت امام نے اس طرح امام مالک سے بھی روایت لی ہے حضرت امام بخاری نے اس طرح اپنے شاگرد امام ترمذی سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔

امام اوزاعی امام ابوحنیفہ کے علم وفضل اور عمق فقہ کے بہت معترف تھے آپ حضرت امام کے بارے فرماتے ہیں:۔

هو من اعلم الناس بمعضلات المسائل.

(مناقب کردری جلد ۱، ص ۹۰ تبییض الصحیفہ للسیوطی ۲۸)

ترجمہ: پیچیدہ مسائل کے جاننے والوں میں سے وہ ایک تھے۔

آپ چاہیں گے کہ امام اوزاعی کے ایک مسئلے پر آپ کی نظر بھی ہو جائے تا کہ آپ اس میں ان کے ساتھ چل سکیں تو لیجیے مثال کے طور پر ایک مسئلہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ قرأت خلف الامام کے مسئلے میں امام اوزاعی کی یہ تحقیق تھی کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب نہیں علامہ ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:۔

وهذا مالک فی اهل الحجاز وهذا الثوری فی اهل العراق وهذا الاوزاعی فی اهل الشام ...... ماقالوا الرجل صلی وقرأ امامه ولم یقرأ هو صلاته باطلة ولانها قراۃ لاتجب علی المسبوق فلم تجب علی غیره کالسورة فاما حدیث عبادة بن الصامت فهو محمول علی غیر المأموم الخ.

ترجمہ: یہ اہل حجاز میں امام مالک ہیں، اہل عراق میں امام ثوری ہیں،

اہل شام میں اوزاعی ہیں، ان میں سے کوئی نہیں کہتا کہ کسی شخص نے نماز پڑھی اور اس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی تو اس کی یہ نماز باطل ہے (استغفر اللہ) اور یہ اس لیے کہ قرأت مسبوق پر واجب نہیں تو کسی دوسرے پر یہ کیسے واجب کی جاسکتی ہے ہاں حضرت عبادہ بن الصامت کی جو حدیث ہے (کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب) غیر ماموم پر محمول ہے مقتدی کے لیے نہیں یعنی جو منفرد ہو اس کی نماز سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر درست نہیں ہوتی۔

## ۴۔ حضرت امام زفر بن الہذیل العنبریؒ (۱۵۸ھ)

حضرت امام زفر بن الہذیلؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بلند پایہ شاگرد تھے بیس سال کے قریب حضرت الامام کے ساتھ رہے جس طرح حضرت الامام کے کمالات میں ان کا سب سے بڑا کمال آپ کی زبردست قوت استدلال اور ملکہ استنباط واستخراج ہے۔ اسی طرح آپ کے شاگردوں میں سے کسی میں یہ شان تفقہ اور صحت قیاس منتقل ہوئی تو وہ امام زفر ہیں۔ امام ابو یوسفؒ حدیث میں آگے تھے امام محمدؒ علوم قرآن اور عربیت میں اور امام زفرؒ فقہ میں سب پر سبقت لے گئے۔ حضرت الامام کی وفات کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا اور آپ کی تالیف دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں ورنہ حضرت الامام کا مذہب انہی کے نام سے آگے چلتا۔

حضرت علامہ ذہبی حضرت امام کے حلقہ درس کے کبار علماء کا ذکر کرتے سب سے پہلے امام زفر کا نام لیتے ہیں پھر امام ابو یوسفؒ کا آپ لکھتے ہیں:۔

> تفقه به جماعة من الكبار منهم زفر بن الهذيل وابويوسف القاضي. (مناقب للذہبی ص۱۲)
>
> ترجمہ: حضرت الامام سے کبار علماء کی جماعت نے فقہ حاصل کی ان میں سے زفر بن ہذیلؒ اور ابو یوسف قاضی ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حکومت کی طرف سے عہدۂ قضا کی پیش کش قبول نہ کی تو دوسرے نمبر پر امام زفر کو یہ پیش کش کی گئی تھی تاہم آپ نے بھی ان کو مسترد کردیا اور اس کے نتیجے میں آپ کو روپوش ہونا پڑا تیسرے نمبر پر یہ پیشکش امام ابو یوسف کو ہوئی آپ وسیع مجتہدانہ

شان رکھتے تھے آپ نے یہ پیشکش قبول فرمالی اس سے بھی حضرت امام زفرؒ کے علمی مقام کی زبردست قوی شہادت ملتی ہے تاہم امام زفر امام ابویوسف کی بڑی قدر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابویوسف اس وقت کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ حضرت امام محمدؒ جامع کبیر میں جہاں جہاں حضرت امام کے اقوال لاتے ہیں وہاں امام زفر اور امام ابویوسف کے اقوال بھی لائے ہیں اور ان پر بحث کرتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ امام زفر کو اپنے سے آگے کا درجہ دیتے تھے **فجزاهم الله كلهم احسن الجزاء**

حضرت امام زفر عربی النسل تھے اصفہان میں پیدا ہوئے۔ شروع میں آپ پر حدیث کا غلبہ تھا۔ علامہ نووی نقل کرتے ہیں:۔

**كان من اصحاب الحديث.** (تہذیب الاسماء واللغات)

ترجمہ: آپ محدثین میں سے تھے۔

امام یحییٰ بن معین آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

**صاحب الراى ثقة مامون.** (مفتاح السعادة طاش کبریٰ جلد ۲، ص ۱۱۴)

ترجمہ: مجتہد، ثقہ اور فن حدیث میں مامون تھے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں ابن حبان نے آپ کو ثقات میں شمار کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ آپ متقن حافظ حدیث تھے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں:۔

آپ صاحب عقل صاحب دین اور صاحب ورع تھے اور رواۃ حدیث میں ثقہ تھے۔

حضرت امام زفر نے امام اعمش (۱۴۸ھ) امام یحییٰ بن سعید الانصاری (۱۴۳ھ) امام سعید بن ابی عروبہ (۱۵۶ھ) اور ایوب سختیانی (۱۳۱ھ) سے حدیث پڑھی۔ امام وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) حضرت امام زفر کے آخری دنوں میں صبح شام آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

حضرت امام زفر کی روایت حدیث اور امام سفیان ثوری کی روایت حدیث میں عجیب توارد ملتا ہے آپ نے تو حدیث کی کوئی بڑی کتاب مرتب نہ کی لیکن امام سفیان ثوری نے حدیث پر جامع سفیان مرتب کرلی اسے امام زفر نے بصرہ میں دیکھا تو انہیں یہ سب اپنی مرویات نظر آئیں اور اس توارد سے بہت حیران ہوئے آپ نے فرمایا:۔

هذا کلا منا ینسب الی غیرنا. (الجواہر المضیہ جلد۲)

ترجمہ: یہ باتیں تو ہماری ہیں لیکن نسبت ان کی اور طرف ہے۔

حضرت امام زفرؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے صرف فقہ نہیں حدیث بھی روایت کی ہے حضرت امام کی کتاب الآثار جس طرح دوسرے تلامذہ نے آپ سے روایت کی ہے آپ نے بھی حضرت امام صاحب سے وہ روایات نقل کی ہیں۔ حافظ سمعانی کتاب الانساب میں ایک جگہ احمد بن بکر بن یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

یروی عن ابی وھب محمد بن مزاحم المروزی عن زفر عن ابی حنیفه کتاب الاثار. (ایضاً ص۶۲)

امام طبرانی المعجم الصغیر میں ایک سند اس طرح لائے ہیں:۔

حدثنا احمد بن رسته بن عمر الاصفهانی حدثنا المغیرة الحکم بن ایوب عن زفر بن الهذیل عن ابی حنیفة.

(المعجم الصغیر للطبرانی ص۳۲)

ناسخ و منسوخ کے ابواب میں آپ اپنے زمانے کے امام سمجھے جاتے تھے۔ حافظ ابونعیم کہتے ہیں میں حدیثیں امام زفر کے سامنے پیش کیا کرتا تھا اور آپ ان میں سے ناسخ و منسوخ کی نشاندہی کرتے جاتے حدیث کی یہ بالغ نظری بہت کم محدثین کو حاصل ہوتی ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

کنت اعرض الاحادیث علی زفر فیقول هذا ناسخ وهذا منسوخ وهذا یؤخذ به وهذا یرفض. (سیر اعلام النبلاء جلد۸، ص۳۸)

اس سے پہلے آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں:۔

هومن بحور العلم واذکیاء الوقت تفقه بابی حنیفة وهو اکبر تلامذته کان یدری الحدیث ویتقنه. (سیر اعلام النبلاء ص۳۸)

ترجمہ: آپ علم کا سمندر اور وقت کے نہایت ذہین تھے آپ نے فقہ امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کی آپ حدیث کو جانتے تھے اور اس میں پختگی رکھتے تھے۔

## ایک مسئلے کی تحقیق کے لیے آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے

محمد بن وہب کہتے ہیں کہ آپ اصلاً تو اصحاب الحدیث میں سے تھے لیکن ایک مسئلے کی تحقیق کے لیے حضرت امام کے پاس آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ حضرت امام نے آپ کے ذوق قیاس اور عمق استدلال کو ایسا چمکایا کہ پھر اس حلقے کے بھی سردار بن گئے آپ کے دس چوٹی کے شاگردوں میں جو تدوین فقہ میں آپ کے ساتھ رہے آپ کا نام بھی آتا ہے بلکہ کتاب السیر کا املاء کرنے والے بھی آپ ہی تھے۔

**کان اصحاب ابی حنیفة الذین دونوا الکتب اربعین رجلا کان فی العشرة المتقد مین ابویوسف وزفر.** (الجواہر المضیہ جلد۲، ص۲۱۱)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے جن شاگردوں نے کتب فقہ کی تدوین کی وہ چالیس تھے ان میں سے دس چوٹی کے شاگردوں میں امام یوسفؒ اور امام زفرؒ تھے۔

حضرت امام آپ کو امام من ائمۃ المسلمین کہتے تھے آپ کو دین کے نشانوں میں سے ایک نشان سمجھتے۔ فضل بن دکین (۲۱۹ھ) نے آپ کے اعلیٰ فقہی مقام کا اعتراف فرمایا ہے۔

امام ابوبکر محمد بن جعفر الہذلی (۱۹۳ھ) کی علمی شخصیت سے کون وقف نہیں آپ بیس سال امام شعبہ کی مجلس میں رہے امام سفیان ثوری اور امام سفیان بن عیینہ سے بھی حدیث روایت کی اور آپ سے امام احمد، امام یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور اسحٰق بن راہویہ جیسے کابر محدثین نے روایت لی ہے۔ امام وکیع آپ کے مجموعہ کتب کو اصح الکتاب کہتے تھے۔ حافظ ابن حجر آپ کی علمی منزلت بیان کرتے ہوئے آپ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

**کان فقیه البدن و کان ینظر فی فقه زفر.**

(تہذیب التہذیب جلد۹، ص۹۸)

ترجمہ: امام ابوبکر محمد بن جعفر سراپا فقہ تھے اور امام زفر کی فقہ کی کتابیں دیکھتے رہتے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ان دنوں ائمہ اعلام امام ابوحنیفہ کی فقہ کے طالب ہوتے تھے اس انداز میں کوئی دوسری فقہ جو ان دنوں میں مرجع خلائق تھی وہ فقہ امام زفر تھی اور بڑے بڑے ائمہ فن اور جبال علم امام زفر کی کتابوں سے علم کی راہیں دیکھتے رہتے۔

مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی بھی آپ سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں آپ امام زفر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

آپ کے شاگرد امامت کے بلند رتبوں کو پہنچے چنانچہ ان میں امام ابو یوسف قاضی القضاۃ اور امام محمد اور امام عبداللہ بن مبارک اور امام زفر وغیرہم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے ہیں۔(احکام المرام باحیاء مآثر علماء اسلام ص ۵۵)

حضرت علامہ کوثری نے حضرت امام زفر کے حالات پر ایک جامع کتاب لمعات النظر فی سیرت الامام زفر تالیف کی ہے جو قابل دید ہے۔

## ۵۔امام سفیان بن سعید الثوریؒ (۱۶۱ھ)

حضرت امام سفیان الثوری کوفہ کے رہنے والے تھے۔خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ ائمہ مسلمین میں سے تھے اور بہت بڑے امام تھے اور اعلام دین کے بہت بڑے علَم تھے ان کی امامت پر سب کی اتفاق ہے۔(تہذیب جلد ۴،ص ۱۱۴)

علامہ ذہبی نے آپ کو الامام شیخ الاسلام سید الحفاظ الفقیہ لکھا ہے۔

(تذکرہ جلد ۱،ص ۱۹۰)

امام شعبہ امام یحییٰ بن معین، حافظ ابن حجر اور محدثین کی ایک کثیر جماعت آپ کو فن حدیث میں امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں۔

(تہذیب جلد ۴،ص ۱۱۳)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سفیان احد ائمۃ الاسلام اور عابد و مقتدیٰ اور احد التابعین تھے۔(البدایہ جلد ۱۰،ص ۱۳۴)

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث سنی ہیں جن میں سے سفیان سے افضل کسی کو نہ پایا۔امام اوزاعی کا کہنا ہے کہ سفیان الثوری کے سوا اس سرزمین پر کوئی بھی ایسا نہیں رہا کہ جس پر تمام امت متفق ہو۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ آپ کے مقلد پانچویں صدی کے بعد تک پائے جاتے رہے۔(تدریب الراوی ص ۳۶۰)

نواب صدیق حسن خاں بھی لکھتے ہیں:۔

امام سفیان الثوری از اصحاب مذاہب متبوعہ بود محدث جلیل وعارف نبیل علم را با سلوک یکجا داشت۔ (تقصار ص ۲۷)

امام نسائی فرماتے ہیں کہ ان کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ ان کو ثقہ کہا جائے آپ تو ان ائمہ میں سے ایک تھے جن کے بارے میں امید کرتا ہوں کہ خدا نے ان کو متقین کا امام بنایا ہے۔

**وقال النسائی ھواجل من ان یقال فیہ ثقة وھواحد الائمة الذین ارجوا ان یکون ممن جعله الله للمتقین اماما.**

(تہذیب جلد ۴، ص ۱۱۴)

کوفہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا حضرت علی المرتضٰی کی آمد کے باعث علم کا گہوارہ بنا ہوا تھا گو کہ حضرت امام ابوحنیفہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے جانشین ہوئے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اختلاف ائمہ میں اہل کوفہ کے الفاظ ان کو بھی شامل سمجھے جاتے ہیں۔

خطیب تبریزی صاحب مشکوۃ لکھتے ہیں:۔

**سفیان الثوری امام فی الحدیث و لیس بامام فی السنة والاوزاعی امام فی السنة ولیس بامام فی الحدیث و مالک ابن انس امام فی جمیعھما** (الاکمال ص ۶۲۸)

آپ نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا تھا جس کا نام جامع سفیان الثوری تھا یہ مجموعہ آپ نے کوفہ میں تحریر کیا تھا فتح الباری وغیرہ میں جامع سفیان الثوری کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔

**عن ثابت الزاھد قال کان اذااشکل علی الثوری مسئلة قال ما یحسن جوابھا الا من حسدنا ہ ثم یسأل عن اصحابه ویقول ماقال فیه صاحبکم فیحفظ الجواب ثم یفتی به.**

(دیکھیے فتح الباری کتاب الجہاد جلد ۶، ص ۵۳)

ترجمہ: ثابت زاہد (جو کہ امام سفیان الثوری کے تلامذہ اور امام بخاری اور امام ترمذی کے اساتذہ میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ جب امام سفیان الثوری کو کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو فرماتے کہ اس

کا جواب بہتر طور پر وہی دے سکتا ہے جس پر ہم لوگ (یعنی تم لوگ )حسد کرتے ہیں (یعنی امام ابوحنیفہ) پھر امام ابوحنیفہ کے تلامذہ سے پوچھتے کہ بتلاؤ تمہارے استاد اس بارے میں کیا فرماتے ہیں اور پھر اس کو یاد رکھتے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حدیث کا عالم فقط وہی نہیں جسے حدیث کے الفاظ زیادہ یاد ہوں بلکہ حدیث کا اصل عالم اور امام وہی ہے جو حدیث کے معانی اور اس کے حقائق و دقائق کو بخوبی سمجھتا ہو اور حدیث کی حفاظت و خدمت کا جذبہ رکھتا ہو امام ابوحنیفہ حدیث کے اس قدر قائل تھے کہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے آپ فرماتے ہیں:۔

**الحدیث الضعیف احب الی من رای الرجال**

ان کا مشہور قول ہے کوفہ کے محدثین حدیث کے بغیر فقیہ بنا جرم سمجھتے تھے۔

**وکان سفیان الثوری وابن عیینة وعبداللّٰہ بن سنان یقولون لوکان احدنا قاضیا لضربنا بالجرید فقیھا لایتعلم الحدیث ومحدثا لایتعلم الفقه.** (لواقح الانوار ص ۳۶)

ترجمہ: سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن سنان کہا کرتے تھے کہ اگر ہم میں سے کوئی قاضی ہو جائے تو دو شخصوں کو ضرور کوڑے لگائیں ایک وہ کہ جو فقہ سیکھتا ہو اور حدیث کا علم نہ حاصل کرتا ہو اور ایک وہ جو حدیث پڑھتا ہو مگر فقہ حاصل نہ کرتا ہو۔

ابتداء میں آپ کو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے کچھ غلط فہمی تھی مگر پھر آپ حضرت امام کے بیحد مداح ہو گئے تھے اور اپنی سابقہ باتوں پر افسوس کرتے تھے بلکہ آپ اس پر بھی نادم تھے اور استغفار کیا کرتے تھے کہ آپ سے دوسرے بے انصاف معاندین امام صاحب کے مقابلہ میں امام صاحب کی جانب سے جس قدر مدافعت کا حق تھا وہ ادا نہ ہو سکا۔

(تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۲۱۱)

آپ حضرت امام ابوحنیفہ کے علم وفضل کے معترف تھے عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری سے سنا آپ فرماتے ہیں:۔

**کان ابوحنیفة شدید الاخذ للعلم ذابا عن حرم اللّٰہ ان**

تستحل یاخذ بماصح من الاحادیث التی کانت یحملها الثقات وبالاخر من فعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبما ادرک علیہ علماء الکوفۃ ثم شنع علیہ قوم یغفراللّٰہ لنا ولهم. (الانتقاء ص۱۴۲، لابن عبدالبر مالکی)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ علم کے سخت اخّاذ تھے اللہ کی حرمتوں کو توڑا جائے اس کے اسے بچانے والے تھے ان احادیث کو لیتے جنہیں ثقہ راوی روایت کرتے آئے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کے لینے والے تھے اور اس موقف کے پابند رہے جس پر آپ نے علماء کوفہ کو مجتمع دیکھا پھر ایسے لوگ بھی اٹھے ہیں جو ان کی برائیاں کرتے ہیں اللہ ہم سب کو معاف فرمائے۔

آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ حضرت امام ابوسفیان حدیث کے بہت بڑے امام تھے مگر اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ کوفی ہونے کے سلسلہ میں آپ حتی الوسع حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مکتب فکر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ قرأت خلف الامام اور مسئلہ رفع الیدین میں آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ساتھ ہی رہے۔

حافظ ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:۔

وجملۃ ذلک ان القراۃ غیر واجبۃ علی الماموم فیما جهربه الامام ولا فیما اسرّبه نص علیه احمد فی روایۃ الجماعۃ و بذلک قال الزهری والثوری وابن عیینه ومالک و ابو حنیفه. (المغنی لابن قدامہ جلد۱، ص۵۶۸)

ترجمہ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت (فاتحہ اور مازاد علی الفاتحہ) واجب نہیں جب امام جہر کر رہا ہو اور نہ اس وقت جب نماز سری ہو اس پر امام احمد نے اور محدثین کی ایک جماعت نے نص فرمائی ہے زہری، ثوری، سفیان بن عیینہ، مالک اور ابوحنیفہ سب یہی کہتے ہیں۔

امام شمس الدین ابن قدامہ (۶۸۲ھ) لکھتے ہیں:۔

ولا تجب القرأۃ علی الماموم هذا قول اکثر اهل العلم وممن

**كان لايرى القرأة خلف الامام على وابن عباس وابن مسعود و ابو سعيد و زيد بن ثابت وعقبة بن عامر وجابر وابن عمر وحذيفة بن اليمان وبه يقول الثورى.** (شرح مقنع جلد۲،ص۱۱)

ترجمہ: مقتدی پر امام کے پیچھے قرأت واجب نہیں اکثر اہل العلم کا یہی فیصلہ ہے اور جو حضرات قرأت خلف الامام کو جائز نہ سمجھتے رہے ان میں حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، عقبہ بن عامرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ معروف ہیں اور امام سفیان ثوریؒ کا فیصلہ بھی یہی تھا۔

۲۔ امام کے پیچھے آمین کس طرح کہی جائے اس میں بھی آپ اور حضرت امام ابوحنیفہ ایک ہیں۔ علامہ ابن حزم شرح موطا میں لکھتے ہیں:۔

**ان سفيان الثورى واباحنيفة يقولان ان الامام يقولها سرا وذهبوا الى تقليد عمر بن الخطاب وابن مسعود.**

(المحلی جلد۳،ص۲۶۴)

ترجمہ: امام سفیان ثوری اور امام حنیفہ دونوں کہتے ہیں کہ امام آمین بالجہر نہ کہے سرا کہے اور اس میں ان حضرات نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی تقلید کی ہے۔

۳۔ مسئلہ رفع الیدین عندالرکوع کو بھی لیجیے آپ اس کے بھی قائل نہ تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی روایت کو آپ نے اس لیے عمل کے لیے نہ اپنایا کہ اس کے راوی حضرت ابن عمرؓ کا خود اس پر عمل نہ تھا۔ حضرت امام ترمذیؒ (۱۷۹ھ) ترک رفع الیدین عندالرکوع کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

**وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين وهو قول سفيان واهل الكوفة.**

(جامع ترمذی جلد۱،ص۳۵)

ترجمہ: یہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنا یہ ایک صحابی کا نہیں غیر واحد

من اہل العلم صحابہ وتابعین کا فیصلہ ہے یہی امام سفیان الثوری کی رائے ہے اور یہی اہل کوفہ پورے علاقہ کا فیصلہ ہے۔

حضرت امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ سفیان الثوری اپنے اجتہاد میں مجھ سے زیادہ امام ابوحنیفہ کی متابعت کرتے ہیں، مگر چونکہ ان کی درسگاہ دوسری تھی اس لیے ان کے مسائل فقہ حنفی میں نہ آسکے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے مسائل حضرت امام کے بہت قریب تھے۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں:۔

سفیان الثوری اکثر متابعة لابی حنیفة منی.

(الجواہر المضیہ جلد۲)

ترجمہ: سفیان الثوری مجھ سے زیادہ امام ابوحنیفہ کی متابعت میں چلتے ہیں۔

حضرت امام کے شاگرد علی بن المسہر (۱۸۹ھ) موصل کے قاضی تھے حضرت امام کی کتابوں کو یہ لے جا کر امام سفیان الثوری کو دکھاتے تھے۔

چنانچہ حضرت امام زفر (۱۵۸ھ) نے جب جامع سفیان ثوری کو دیکھا تو فرمایا یہ ہمارا علم ہے جو اوروں کے ناموں سے شہرت پا رہا ہے۔

## ۶۔امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ)

حضرت امام لیث بن سعد مصری اصلا اصفہان کے باشندے تھے مگر پھر مصر کو اپنا وطن بنا لیا اور وہاں کے بلند پایہ عالم اور محدث کے طور پر شہرت پائی۔ آپ حضرت عطا بن ابی رباح (۱۱۴ھ) امام نافع (۱۱۷ھ) امام زہری (۱۲۴ھ) وغیرہم سے حدیث پڑھی آپ کے اساتذہ حدیث میں سعید مقبری، ابوزبیر مکی، ابن ابی ملیکہ، جعفر بن ربیعہ اور یزید بن حبیب بھی معروف محدثین ہیں۔ مصری حکومت پر آپ کے زبردست اثرات تھے۔

حضرت امام احمد آپ کو کثیر العلم اور صحیح الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب جلد۸، ص۴۶۱)

علامہ ابن سعد کہتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے مفتی تھے اور کثیر الحدیث ہیں:۔

کان قد اشتغل بالفتوی فی زمانه و کان ثقة کثیر الحدیث.

(ایضاً)

ابن وہب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے لیث سے بڑا فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ (ابن خلکان جلد۱، ص۴۳۸)

حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ لیث امام مالک سے زیادہ احادیث وآثار کا اتباع کرتے تھے۔

قال حرملة سمعت الشافعي يقول الليث اتبع للاثر من مالك. (تہذیب جلد۸، ص۴۶۳)

ابویعلی خلیلی آپ کو اپنے وقت کے مسلم امام کہتے ہیں:۔

كان امام وقته بلامد افعة. (ایضاً ص۴۶۵)

امام نووی امام لیث کی مہارت فقہ پر علماء کا اجماع نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کمال تفقہ کی وجہ سے آپ اپنے زمانہ میں مصر میں مفتی اعظم کے مرتبہ پر فائز تھے۔

(تہذیب الاسماء للنووی جلد۱، ص۷۴)

علامہ ذہبی آپ کو الامام الحافظ اور علماء مصر کے شیخ ورئیس کہتے ہیں۔

(تذکرہ جلد۱، ص۲۰۷)

حافظ ابن کثیر آپ کو امام فی الفقہ والحدیث والعربیہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ (البدایہ جلد۱۰، ص۱۶۶)

یحیٰی بن بکیر آپ کو سراپا فقیہ کہتے ہیں۔ كان فقيه البدن۔

(تہذیب جلد۸، ص۴۶۳)

حضرت امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ امام لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے مگر افسوس کہ ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا۔

حافظ ابن حجر نے الرحمۃ الغیثیہ فی الترجمۃ اللیثیہ میں اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ضائع کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ ان کے شاگردوں نے تدوین کی امام لیث کے تلامذہ نے آپ کے مذہب کی نشرواشاعت نہیں کی۔

یحیٰی بن بکیر بھی یہی کہتے ہیں:۔

الليث افقه من مالك ولكن كانت الخطوة لمالك.

(ایضاً)

آپ علم کے اس اونچے مقام پر تھے کہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام
مالک کے ستر مسائل ایسے شمار کیے جنہیں خلاف سنت پایا چنانچہ میں
نے امام مالک کو ان کے بارے میں لکھ کر بھیج دیا۔

(جامع بیان العلم جلد۲، ص ۱۴۸)

آپ کے مسائل فقہ حنفی کے بہت قریب ہیں اور یہ فقہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر (شخصی فتوں کی شکل میں نہیں بلکہ شورائی سطح پر) مرتب ہو رہی تھی اس لیے ممکن ہے کہ آپ نے اس وجہ سے اپنے مذہب کی علیحدہ ترتیب پسند نہ فرمائی ہو یا آپ کے شاگردوں نے اس طرف توجہ نہ دی ہو قاضی ابن خلکان نے آپ کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ آپ عملاً حنفی المذہب تھے۔ (الجواہر المضیہ جلد ۱، ص ۴۱۶)

اسی طرح اکثر عالم آپ کو حنفی ہی لکھتے ہیں شارح بخاری شیخ الاسلام قاضی زکریا انصاری نے شرح بخاری میں اس پر جزم کیا ہے اور حافظ ابن ابی العوام نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ امام اعظم کے عملاً تلمیذ ہیں۔ آپ اکثر حضرت امام کی خبر سنتے کہ حج کے لیے آرہے ہیں تو یہ بھی حج کے لیے مکہ مکرمہ پہنچتے اور حضرت امام سے مختلف ابواب کے مسائل دریافت فرماتے اور حضرت امام کی اصابت رائے اور سرعت جواب پر حیرت کیا کرتے تھے۔

(دیکھئے تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۲۱۲)

شارح بخاری حضرت علامہ شہاب الدین قسطلانی (۹۲۳ھ) آپ کو حنفی لکھتے ہیں۔
آپ کے حنفی المذہب ہونے کی نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے بھی شہادت دی ہے:۔

وے حنفی مذہب بود وقضائے مصر داشت

(اتحاف النبلاء المتقین ص ۲۳۷)

ترجمہ: آپ (عملاً) حنفی طریق پر تھے اور مصر کے بڑے قاضی تھے۔

آپ کا امام ابو حنیفہ سے فکر و نظر کا توارد بتلا رہا ہے کہ باوجود یکہ آپ خود امام مجتہد تھے۔ (جیسا کہ امام شافعی کی شہادت سے پتہ چلتا ہے) دنیائے علم نے آپ کو حنفی سمجھا یہ فقہ حنفی کی مقبولیت اور اس کی ایک اور جہت تصویب ہے۔

امام لیث جب عراق آئے تو خلیفہ بغداد نے اپنے وزیر یعقوب سے کہا کہ اس شیخ

کی مجلس لازم پکڑلو، میرے علم کے مطابق یہی اس وقت کا سب سے بڑا عالم ہے۔

حضرت امام لیث قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے حافظ ابن قدامہ لکھتے ہیں آپ کا مسلک ترک القرآۃ خلف الامام کا تھا:۔

وھذا اللیث فی اھل مصر۔ (المغنی جلد ۱، ص ۵۶۴)

علامہ ابن عبدالبر مالکی نے استذکار میں بھی آپ کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ بھی کہتے ہیں کہ آپ قرأت خلف الامام کو واجب نہ جانتے تھے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲، ص ۱۴۲)

## ۷۔ حضرت امام مالک بن انسؒ

حضرت امام مالک امام دارالہجرۃ کے نام سے مشہور ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ میں انہی کا فتویٰ چلتا تھا اور لوگ ان کی بات پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، آپ تبع تابعین سے ہیں، آپ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد نوسو کے قریب بتلائی جاتی ہے جن میں تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے۔ (تہذیب الاسماء)

علامہ ذہبی آپ کو امام دارالہجرہ شیخ الاسلام بلند پایہ حافظ حدیث اور امت مسلمہ کے نامور فقیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۱۷۵)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں فقہ کا لفظ کس عظمت کا حامل تھا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام مالک احدا الائمۃ الاربعۃ اصحاب المذاہب المتبوعہ ہیں۔ (البدایہ جلد ۱۰، ص ۱۷۴)

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امت میں کسی فقہی مکتب فکر کا قیام اور پھر اس کی تقلید کا جاری ہونا اور ان مکاتب فکر کا مذاہب متبوعہ کہلانا ہرگز کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

حافظ ابن حجر آپ کو الفقیہ احد اعلام الاسلام اور امام دارالہجرۃ لکھتے ہیں۔

(تہذیب جلد ۱۰، ص ۵)

حضرت امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا اور اچھی پرکھ کرنے والا نہیں دیکھا۔ (تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۱۲۹)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالک خدا کی مخلوق پر تابعین کے بعد حجت تھے۔

(التہذیب)

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک احادیث میں ستارے کی طرح ہیں:۔

اذا جاء الاثر فمالک النجم. (ایضاً)

امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اگر حدیث کے ایک حصے پر بھی شک پڑ جاتا تو پوری کی پوری روایت ترک کر دیتے تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ہم تو امام مالک کے آثار کا اتباع کرتے ہیں:۔

انما کنا نتبع اثار مالک. (تہذیب التہذیب جلد ۱۰، ص ۹)

امام احمد اسحٰق بن ابراہیم سے نقل کرتے ہیں کہ اگر امام مالک امام اوزاعی اور امام ثوری کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو وہی مسئلہ حق اور سنت ہوگا اگر اس میں نص موجود نہ ہو۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۱۹۵)

اتنے بڑے بڑے لوگوں کا اپنے بڑوں کی پیروی میں چلنا بتلاتا ہے کہ سلف کی اتباع ہرگز کوئی عیب نہیں یہ ہمیشہ سے اس امت کا سرمایہ افتخار رہا ہے۔

حضرت امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ میں تو ایک انسان ہوں میرے قول میں صواب وخطاء دونوں کا احتمال ہے اس لیے میرے اس قول کو لو جو سنت کے موافق ہو جو نہ ہو اسے رہنے دو۔ آپ نے فرمایا:۔

انما انا بشرا خطی. واصیب فانظر وافی زایی فما وافق السنة فخذوا به. (تہذیب ص ۹)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک اپنے شاگردوں کو احادیث کا اتباع کرنے کی بجائے سنت کو اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے اور آپ نے انہیں ہمیشہ سنت تلاش کرنے کی تاکید کی تھی آپ نے فما وافق السنة کہہ کر بتلا دیا کہ احادیث کی طرف رجوع کرنے کی بجائے سنت کی تلاش کرو، حدیث محض ایک ذخیرہ علم ہے، اس میں صرف وہ راہ اختیار کرو جو سنت کے درجہ میں آچکی ہو۔

حضرات محدثین کے ہاں اصح الاسانید میں بحث مشہور ہے امام بخاری سے جب یہ سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

مالک عن نافع عن ابن عمر قال البخاری باصح الاسانید

مالک عن نافع عن ابن عمر. (ایضاً جلد ۱۰، ص ۶)

حافظ ذہبی نے امام مالک کا تعارف یوں کرایا ہے کہ آپ کی ذات میں وہ خوبیاں پائی جاتی ہیں جو کسی دوسرے میں ہرگز جمع نہیں ہوئیں:۔

۱۔اولاً درازی عمر اور علو روایت

۲۔روشن دماغی فہم وفراست اور وسعت علم

۳۔آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر محدثین کا اتفاق

۴۔آپ کی دیانت عدالت اور اتباع سنت پر سب کا اجماع

۵۔فقہ حدیث فتوی نویسی اور صحت قواعد میں برتری (تذکرہ جلد ۱، ص ۱۷۹)

حضرت امام مالکؒ کے تلامذہ میں امام لیث، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی اور امام محمد جیسی ہستیاں اور دوسرے کئی نامور محدثین وفقہاء ہیں آپ کا مسلک اندلس اور مغرب میں بھی پہنچا افریقی ممالک بالخصوص مغربی افریقہ میں زیادہ تر انہیں کے مقلد ہیں۔

(بستان المحدثین ص ۲۶)

یہ نہ سمجھیے کہ امام مالک اتنی ہی احادیث کے حافظ تھے جتنی مؤطا میں لکھی ہیں نہیں آپ خود فرماتے ہیں:۔

کتبت بیدی مائة الف حدیث. (ترتیب المدارک ص ۱۲۱)

ترجمہ: میں نے اپنے ہاتھ سے لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔

عن ابن الھیاب ان الامام مالکا روا مائة الف حدیث.

(شرح موطا للزرقانی جلد ۱، ص ۷)

ترجمہ: بے شک امام مالکؒ نے ایک لاکھ احادیث روایت کی ہیں۔

حضرت امام مالک اس جلالت علم کے باوجود حضرت امام ابوحنیفہ کے بے حد معتقد تھے امام شافعی نے امام داوردی سے نقل کیا ہے:

۱۔ نظر مالک فی کتب ابی حنیفة وانتفاعه بها. (انتقاء ص ۱۴)

ترجمہ: امام مالک کا امام ابوحنیفہ کی تحریرات میں نظر کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ثابت ہے۔

مذکورہ بالا روایت ابوالعباس احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی العوام کی کتاب اضافات اخبار ابی حنیفہ سے لی گئی ہے جو مکتبہ ظاہریہ دمشق میں نمبر ۶۳ میں موجود ہے۔

۲۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے داوردی سے دریافت کیا کہ کیا مدینہ میں اس کا کوئی قائل تھا کہ مہر ربع دینار سے کم نہ ہونا چاہیے؟ کہا نہیں واللہ مجھے معلوم نہیں کہ امام مالک سے قبل کوئی اس کا قائل ہوا ہو اور میرا خیال ہے امام مالک نے اس کو امام ابوحنیفہ سے لیا ہوگا۔ (کتاب الام جلد ۷، ص ۳۴۸)

۳۔ امام داوردی کہتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا کہ میرے پاس امام ابوحنیفہ کے فقہ کے ستر ہزار مسائل ہیں۔ (مناقب موفق جلد ۱، ص ۹۶)

یہ روایت علامہ مسعود بن شیبہ نے امام طحاوی کی کتاب اخبار اصحاب الامام سے بھی نقل کی ہے۔

۴۔ علامہ قاضی عیاض اوائل مدارک میں امام لیث کی زبانی امام مالک کا یہ جملہ نقل فرماتے ہیں:۔

اے مصری! میں نے اس طرح ابوحنیفہ کی موجودگی میں پسینہ پونچھا تھا انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا ان کا اس پر سکوت میرے لیے سند ہے وہ بڑے فقیہ ہیں اور بہت بڑے امام ہیں۔ (فتح الملہم جلد ۱، ص ۷۱)

۵۔ اسماعیل بن اسحٰق بن محمد کہتے ہیں کہ امام مالک کئی مسائل میں امام ابوحنیفہ کا قول معتبر سمجھتے تھے۔ (مناقب موفق جلد ۲، ص ۳۳ بسند صحیح)

۶۔ امام مالک کی فقہ اکثر اوقات امام ابوحنیفہ کی فقہ سے متفق ہو جاتی ہے۔

(ایضاً جلد ۲، ص ۳۳ عن محمد بن عمر)

۷۔ علامہ ضمیری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امام مالک سے پوچھا کہ جس کے پاس دو کپڑے ہوں، جن میں ایک بغیر تعیین کے پاک اور دوسرا ناپاک ہو تو نماز کس میں پڑھے؟ فرمایا کہ تحری کر کے ایک میں پڑھ لے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کی رائے تو یہ ہے کہ ہر ایک میں نماز پڑھے۔ تو امام مالک نے فوراً اس سائل کو واپس بلایا اور وہ مسئلہ بتلایا جو امام صاحبؒ کی رائے تھی۔ (تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۱۲۸)

## حدیث کی خدمت

حدیث کی خدمت میں آپ نے حدیث کی مشہور کتاب تالیف کی اس کتاب کو مرتب کرنے کے بعد ستر علماء کے سامنے پیش کیا گیا تو سب نے مؤاطات (موافقت)

ظاہر کی اسی لیے اس کا نام مؤطا رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے قول کے مطابق مؤطا میں ۱۷۰۰ کے قریب روایات ہیں جن میں سے ۶۰۰ مسند اور ۳۰۰ مرسل ہیں بقایا فتاویٰ صحابہؓ اور اقوال تابعین ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے مؤطا پڑھنے والے حضرات میں امام شافعی، یحییٰ اندلسی اور امام محمد کے اسماء سرفہرست ہیں امام شافعی فرماتے ہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ المؤطا مگر یہ بات اس وقت کی ہے جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم تالیف نہ ہوئی تھیں۔

ان میں سے کسی کتاب کو اصح الکتب کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان میں کوئی غلط بات نہیں ہے یہ صرف کتاب اللہ کی شان ہے کہ اس میں کوئی غلط بات نہیں اس سے پہلے کوئی کتاب قرآن کی ثانی نہیں امام دار قطنی نے صحیح بخاری کی کئی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور اس پر ایک کتاب تعصبات علی البخاری کے نام سے لکھی ہے۔

مؤطا امام مالک میں بھی اس طرح کئی فروگذاشتیں موجود ہیں امام مالکؒ نے محمد بن یوسف عن السائب بن یزید کی روایت میں جواحدی عشرہ کے الفاظ روایت کیے وہ عبدالرزاق عن داؤد بن قیس عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید کی روایت میں احدی وعشرین ہیں۔

(دیکھئے المصنف لعبد الرزاق جلد ۳، ص ۲۶۰)

تاہم مجموعی طور پر مؤطا واقعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

محدث نے الفاظ حدیث کی خدمت کی تو اس کا نام حافظ حدیث ہوا، اور مجتہد نے معانی حدیث کی خدمت کی تو اس کا نام عالم حدیث اور فقیہ ہوا، امام مالک میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں خصوصیات ودیعت فرمائی تھیں کہ احادیث کا ذخیرہ بھی جمع کیا اور فقہ کے امام بھی ٹھہرے۔

**اخرج ابن ابی حاتم من طریق مالک بن انس عن ربیعة قال ان اللہ تبارک وتعالی انزل الیکم الکتاب مفصلا وترک موضعا للسنة وسن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وترک فیها موضعا للرای.**

ترجمہ: امام مالک امام ربیعہ سے نقل کرتے ہیں کہ ربیعہ نے فرمایا کہ

اللہ تعالی نے ایک مفصل کتاب نازل فرمائی اور اس میں حدیث کے
لیے جگہ چھوڑی اور آنحضرتؐ نے بہت سی باتیں حدیث میں بیان
فرمائیں اور قیاس کے لیے جگہ باقی رکھی۔

نقل روایت میں الفاظ مقصود بالذات نہیں مقصود اطاعت اور اتباع شریعت ہے اور یہ مقصد معانی کے سمجھنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے مقصود بالذات معنی ہیں الفاظ نہیں الفاظ بالعرض ہیں۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ نہ سمجھا جائے کہ امام مالک کو بس یہی احادیث یاد تھیں جو مؤطا میں ہیں ایسا نہیں شارح مؤطا زرقانی لکھتے ہیں:۔

جلس للدرس و هو ابن سبعة عشر عاما و كتب بيده
الشريفة مأة الف حديث ولما دفن اخرج من بيته صناديق
من الاحاديث. (مقدمہ اوجز المسالک ص ۱۳)

## امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی اصول حدیث میں موافقت

۱۔ دونوں حضرات روایت حدیث کے دور اول سے تعلق رکھتے ہیں کہ جب حدیث کو اعتماد پر قبول کیا جاتا تھا ہم اسے دور اعتماد سے یاد کرتے ہیں۔

۲۔ دونوں حضرات کے نزدیک مرسل روایات حجت سمجھی گئی ہیں اور تابعی کبیر پر اعتماد کیا گیا ہے۔

۳۔ دونوں حضرات کے ہاں زور اعتماد پر ہے اسناد پر نہیں بڑا عالم روایت منقطع بھی نقل کرے تو اس میں ایک وزن ہوتا ہے

مؤطا امام مالک، کتاب الآثار للامام محمد، المصنف لعبد الرزاق اور اس دور کی دوسری کتابوں میں آپ کو متصل اسانید بہت کم ملیں گی کیونکہ یہ دور اعتماد تھا اتصال سند کے بجائے شخصیت دیکھی جاتی تھی کہ کون اسے بیان کررہا ہے اور اس پر اعتماد کرلیا جاتا تھا۔ حضرت امام مسلم فرماتے ہیں کہ جب اعتقادی فتنوں نے جنم لیا تو پھر اسناد کو اہمیت دی گئی۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسناد نقل روایات کا دوسرا دور ہے پہلا دور وہی تھا جو امام ابوحنیفہؒ اور

امام مالکؒ کا دور تھا دوسرا دور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے امام مسلم لکھتے ہیں:۔

لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی اھل السنة فیوخذ حدیثھم.

(صحیح مسلم جلد۱، ص۱۰)

## حضرت امام مالکؒ کے بعض مسائل

۱۔حضرت امام مالک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہ تھے۔حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں:۔

واما الماموم فالامام یحمل عنه القراۃ لا جماعھم علی انه اذا ادرکه راکعا انه یکبر ویرکع ولا یقرأ شیئا.

(کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینہ المالکی جلد۱، ص۲۰۱)

ترجمہ: رہا مقتدی تو اس کے پڑھنے کا بوجھ امام نے اٹھالیا ہے کیونکہ فقہاء کا اجماع ہے کہ مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا تو وہ تکبیر کہے اور رکوع میں چلا جائے اور کچھ نہ پڑھے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

وتسقط عن الماموم مع امامه قرأۃ ام القران اذا ادرکه راکعا فرکع قبل ان یرفع الامام رأسه. (ایضاً جلد۱، ص۲۱۰)

ترجمہ: امام کے پیچھے ہونے سے مقتدی سے سورۃ فاتحہ پڑھنی ساقط ہو جاتی ہے جب وہ اسے رکوع میں پالے، بشرطیکہ مقتدی نے رکوع اس وقت کیا ہو کہ ابھی امام نے سر نہ اٹھایا ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے سری نمازوں میں بھی آپ سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب نہ جانتے تھے۔مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں:۔

امام مالک سری نمازوں میں بھی وجوب قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

(دیکھئے تحفۃ الاحوذی جلد۱، ص۲۵۷)

## ۶۔ مسئلہ آمین میں حضرت امام مالکؒ کا موقف

حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ آمین آہستہ کہنی چاہیے:۔

قال مالک ویخفی من خلف الامام امین. (مدونہ کبریٰ جلد ا، ص ۷۱)

حافظ ابن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں:۔

فاذا فرغ منها قال امین سرا او اسمع نفسه.

(کتاب الکافی جلد ا، ص ۲۰۶)

ترجمہ: جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو تو آمین آہستہ کہے یا اس طرح کہے کہ خود سن پائے۔ (اور بس)

## ۳۔ رفع الیدین عندالرکوع میں امام مالکؒ کا مذہب

حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں رفع الیدین عندالرکوع کی روایت تو درج نہیں کی لیکن رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کی روایت درج کی ہے تاہم آپ کا اپنا عمل اس پر بھی نہ تھا آپ نہ رکوع جاتے وقت رفع یدین کرتے اور نہ رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے آپ کے شاگرد ابن القاسم اور ابن وہب دونوں امام مالک کا مذہب ترک رفع یدین نقل کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) کہتے ہیں:۔

اعتماد هم في الاحكام والفتوى على مارواه ابن القاسم عن مالک سواء وافق ما فى المؤطا ام لا وقد جمع بعض المغاربة كتابا فيما خالف فيه المالكية نصوص المؤطا كا لرفع عند الركوع والاعتدال. (تعجیل المنفعہ ص ۴)

ترجمہ: مالکیہ کا فقہ اور فتاویٰ میں اعتماد ان روایات پر ہے جو آپ سے ابن القاسم نے روایت کی ہیں۔ وہ مؤطا امام مالک کی روایات کے موافق ہوں یا نہ...... مراکش کے بعض علماء نے ان روایات کو یکجا بھی کا کیا ہے جن میں فقہ مالکی نے بعض نصوص مؤطا کی مخالفت کی ہے جیسے مسئلہ رفع یدین وقت رکوع۔

آپ کے شاگرد ابن القاسم مدونہ کبری میں لکھتے ہیں:۔

**قال مالک لااعرف رفع الیدین فی شیٔ من تکبیر الصلوۃ لافی خفض ولافی رفع الا فی افتتاح الصلوۃ قال ابن القاسم وکان رفع الیدین عند مالک ضعیفا.** (مدونہ کبریٰ ص ۶۸)

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں نماز میں کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں نہ رکوع کو جاتے نہ اٹھتے وقت سوائے شروع کے رفع یدین کے رفع یدین کی روایات امام مالک کے نزدیک ضعیف تھیں۔

سو جس طرح مؤطا امام محمد میں رفع الیدین عند الرکوع کی روایات کا ہونا امام محمد کے اپنے عمل کی دلیل نہیں اسی طرح مؤطا امام مالک میں رفع یدین کی روایت کا ہونا امام مالک کے مذہب کی دلیل نہیں یہ روایات ان حضرات نے بطور محدث روایت کی ہیں بطور مجتہد ان کے فیصلے وہ ہیں جو ان کی کتب فقہ میں ہیں۔

حضرت امام مالکؒ کے شاگرد ابن القاسم آپ سے رفع الیدین عند الرکوع کو ضعیف بتلاتے ہیں سو حضرت امام مالک کا اپنا عمل ابن عمرؓ کی اس روایت پر نہیں تھا جو مؤطا میں موجود ہے۔ ابن القاسم کو مالکی فقہ میں وہی مقام حاصل ہے جو حضرت امام محمد کو حنفی مذہب میں ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی نے بھی امام مالک کا یہی مذہب نقل کیا ہے کہ رفع یدین صرف شروع نماز میں کیا جائے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کی رفع یدین نہ کرنے کی احادیث کو ترجیح دی جائے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

**فمنهم من اقتصر به علی الاحرام فقط ترجیحا لحدیث عبداللّٰہ بن مسعود وحدیث براء بن عاذب وهو مذهب مالک لموافقة العمل به.** (بدایۃ المجتہد جلد۱، ص ۱۱۴)

ترجمہ: فقہاء ایسے بھی ہوئے ہیں جو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے پر اقتصار کرتے ہیں یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براء بن عازب کی روایت کو ترجیح دینا ہے امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے یہ اس حدیث کے موافق ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرات براء بن عازبؓ سے منقول ہے۔

علامہ ابن رشد کے بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک حضرت ابن عمرؓ کی روایت سنت قائمہ کے درجہ میں نہیں کہ اس پر عمل کرتے ہوئے رفع یدین عند الرکوع شروع کرلیا جائے اور اس کا وہ وزن نہیں جو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیان کردہ روایت کا ہے۔ امام مالکؒ موطا میں ابن عمرؓ کی روایت کو نقل کرنے کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کو حضور کا آخری عمل سمجھتے تھے آپ کا مذہب ترک رفع یدین کا ہی تھا۔

حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اس پر لکھتے ہیں:۔

**وهوا شهر الروايات عن مالک.**

(نووی شرح صحیح مسلم جلد۱، ص۱۶۸)

ترجمہ: امام مالکؒ کے اپنے مذہب کے بارے جو روایات ہیں ان میں سب سے اشہر رکوع کے وقت اور اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنا ہی ہے۔

علامہ ابن دقیق العیدؒ (۷۰۲ھ) لکھتے ہیں۔

**وهو ابو حنيفة لايرى الرفع فى غير الافتتاح وهو المشهور عند اصحاب مالک والمعمول به عند المتاخرين منهم.**

(احکام الاحکام جلد۱، ص۲۲۰)

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہ شروع نماز کے سوا اور کہیں رفع یدین کے قائل نہیں امام مالکؒ کے شاگردوں میں یہی بات زیادہ شہرت رکھتی ہے اور مالکیہ کے تمام متاخرین کے ہاں عمل اسی پر ہے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ قلمرو اسلامی کے دو سب سے معروف صوبے حجاز اور عراق ان دنوں ترک رفع یدین پر عمل پیرا تھے یہ نہیں ہوسکتا کہ تمام اہل مدینہ تو نمازوں میں رکوع کے وقت رفع یدین کریں اور آمین بھی زور سے کہیں اور امام دار الھجرۃ نہ یہ رفع یدین کرے اور نہ آمین بالجہر کہے۔

## ایک شبہ کا ازالہ

جب امام مالکؒ کا نظریہ حدیث ہی یہ تھا کہ عمل اہل مدینہ کو سنت قائمہ مانا جائے تو

یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ امام مالکؒ کے دور میں مدینہ شریف میں مسجد نبوی میں رفع یدین عام ہوتا ہو۔ اس وقت جس طرح تمام اہل کوفہ ترک رفع یدین پر متفق تھے تمام اہل مدینہ بھی ترک رفع یدین پر جمع تھے اور یہی امام مالکؒ کی اپنی تحقیق تھی۔

حافظ ابن حجر شافعیؒ ہونے کے ناطے لکھتے ہیں:۔

**قال ابن عبدالبر لم یرواحدعن مالک ترک الرفع فیها الاابن القاسم والذی ناخذ به الرفع لحدیث ابن عمر.**

(فتح الباری جلد۲، ص۱۸۲)

ترجمہ: ابن عبدالبر کہتے ہیں امام مالکؒ سے ترک رفع صرف ابن القاسم روایت کرتے ہیں اور کوئی نہیں کرتا ہم رفع کے حامی ہیں کیونکہ حدیث ابن عمرؓ یہی بتلاتی ہے

حافظ ابن حجرؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ چونکہ مالکی مذہب کی بنا ابن القاسم کی روایت پر ہے اس لیے مالکیوں نے ترک رفع اختیار کرر کھا ہے ورنہ امام مالکؒ کے دوسرے شاگرد ترک رفع یدین پر متفق نہ تھے۔

## جواب

حافظ ابن حجرؒ کا حافظ ابن البرؒ سے یہ نقل کرنا درست نہیں کہ امام مالکؒ سے سوائے ابن القاسم کے اور کوئی ترک رفع الیدین کو نقل نہیں کرتا یہ بھی صحیح نہیں کہ ابن عبدالبر خود رفع کے قائل تھے ابن عبدالبرؒ نے کتاب التمہید میں کھلے طور پر اپنا مذہب ترک رفع یدین بیان کیا ہے حافظ ابن حجرؒ سے ابن عبدالبرؒ کا مذہب نقل کرنے میں یہاں غلطی ہوئی ہے۔

علامہ ابن رشدؒ نہایت صراحت کے ساتھ امام مالکؒ کا عمل ترک رفع بتلاتے ہیں اور حدیث عبداللہ بن مسعودؓ اور حدیث براء بن عازبؓ کو حدیث ابن عمرؓ پر ترجیح دیتے ہیں۔ پھر علامہ ابن دقیق العید اصحاب مالک اور جملہ متاخرین سے بھی امام مالک کا یہی مذہب نقل کرتے ہیں اور امام نووی اس ترک رفع کو امام مالکؒ کی مشہور روایت بتلاتے ہیں۔ مجتہدین کا مذہب ان کی کتب فقہ سے جانا جاتا ہے محض روایات سے نہیں فافہم وتدبر۔ امام وہب بھی امام مالک سے ترک رفع الیدین نقل کرتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ حدیث پر عمل کے بجائے سنت پر عمل کے داعی رہے ہیں اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت تھی ترکت فیکم امرین میں امر ثانی سنت ہے حدیث نہیں۔ امام مالکؒ عمل اہل مدینہ کے ترجمان بھی تھے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دواماً رکوع کے وقت رفع یدین کیا ہوتا تو مدینہ منورہ میں ضرور اس پر عام عمل ہوتا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک صدی کے اندر اندر عام مسلمان اتنے عام عمل کو چھوڑ دیں لازماً اس کے مقابل کوئی دوسری روایت ہوگی جس نے اہل مدینہ کو اس عمل پر ڈال رکھا تھا۔ حافظ ابن قیم حنبلیؒ کی یہ شہادت ملاحظہ فرمائیے:۔

من اصول مالک اتباع اهل المدينة وان خالف الحديث.

(بدائع الفوائد جلد ۴، ص ۳۲)

ترجمہ: امام مالک کا نظریہ حدیث یہ ہے کہ اہل مدینہ کی سنت قائمہ کو دیکھیں گو وہ ظاہر حدیث کے خلاف ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ محض حدیث سے راہ عمل اختیار کرنا درست نہیں ایک حدیث کے مقابل دوسری حدیث ہوسکتی ہے اس لیے لازماً ایک کو چھوڑا جائے گا لیکن سنت کی مخالفت کی کوئی گنجائش نہیں کیوں کہ یہ اب صرف حدیث نہیں سنت کا درجہ پا چلی اور اصحاب رسول کے عمل نے اس کی توثیق و تصدیق کردی ہے اب اس کی مخالفت کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔

## ۴۔ طلاق ثلثہ میں امام مالکؒ کا مذہب

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی ایک نہیں۔ آپ کی یہ رائے مؤطا امام مالک میں موجود ہے۔ (دیکھیے مؤطا ۲۰۹)

حضرت امام ترمذیؒ آپ کا مذہب نقل کرتے ہیں کہ:۔

قال مالک بن انس فی البتة ان کان قد دخل بها فهی ثلاث تطليقات. (جامع ترمذی جلد ۱، ص ۱۴۰)

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں زن مدخولہ بہا کو طلاق بتہ دی جائے تو تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک لفظ البتہ کو بھی تین پر ہی محمول سمجھا جائے گا

مشہور مالکی مجتہد علامہ محمد بن احمد المعروف بابن رشد المالکی (۵۹۵ھ) کہتے ہیں کہ:۔

اکناف واطراف اور شہروں کے مشہور فقہاء کہتے ہیں کہ ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس کے بعد عورت اس مرد کے لیے حرام ہوجائے گی جیسی تیسری طلاق کے بعد حرام ہوجاتی ہے اہل ظاہر اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔

(بدایۃ المجتہد جلد۲، ص۶۰)

یہ گروہ کون سا ہے جو بغیر کسی امام کے گروہ ہے اغلب ہے کہ اس سے شیعہ مراد ہیں

علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی (۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں:۔

والجمهور على وقوع الثلاث بل حكى ابن عبدالبر الاجماع قائلا ان خلافه شاذ لايلتفت اليه. (زرقانی شرح المؤطا جلد۳، ص۱۶۷)

ترجمہ: جمہور مالکیہ کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی بلکہ ابن عبدالبر نے اس پر اجماع کیا ہے۔ اس کے الٹ کرنا ایک شاذ عمل کو اپنانا ہے اس کی طرف دھیان نہ کرنا چاہیے۔

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) نے شرح مسلم میں امام مالکؒ کا یہی مذہب بتایا ہے۔

(نووی جلد۱، ص۴۷۸)

علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) نے عمدۃ القاری میں امام مالکؒ کا مسلک یہی بیان کیا ہے۔

(عمدۃ القاری جلد۹، ص۵۳۷)

امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے بھی ائمہ اربعہ کا یہی مذہب بیان کیا ہے۔ (دیکھئے مسالک الحنفاء ص۵۶ وبہ قال العلامہ امیر یمانیؒ (۱۱۸۲ھ) فی سبل السلام جلد۳ ص۲۱۵)

علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار جلد۶، ص۲۴۵ میں، مشہور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق صاحب نے عون المعبود جلد، ص۲۲۹ پر ائمہ اربعہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں امام مالکؒ کے نزدیک تین ہی ہیں ایک نہیں۔

## حجاز کا مسلکی تعارف

امام مالکؒ کا تعارف مدینہ منورہ اور خطہ حجاز کا تعارف ہے آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ ان دنوں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کے فقہی مواقف میں چنداں اختلاف نہ تھا مسائل مشہورہ میں حضرت امام مالک کا مذہب آپ پڑھ چکے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام محمدؒ بطور محدث بہت سی روایات ایسی بھی نقل کرتے ہیں جو ان حضرات کا اپنا مسلک مختار نہیں ہوتا اور آپ کے لاتعداد شاگرد آپ سے ان احادیث کی روایت کرتے ہیں لیکن آپ کا اپنا فقہی مذہب محض حدیث پر نہیں عمل اہل مدینہ اور ان کی سنت قائمہ پر مبنی ہوتا ہے۔ آپ کے شاگرد ابن القاسم آپ کے مذہب کو تفصیلاً نقل کرتے ہیں اور فقہ مالکی میں آپ (امام مالکؒ) سے انہی کی روایت زیادہ معتبر ٹھہرائی گئی ہے۔

یہ بات ضرور پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت امامؒ کے فقہی مذہب کو سمجھنے کے لیے محض مؤطا کافی نہیں اور نہ ہی مؤطا سے آپ کا مذہب نکھرتا ہے آپ کا فقہی مذہب فقہ مالکی میں دیکھا جائے گا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مالکی حضرات (جن میں محدث فقیہ وغیرہ سبھی ہیں) حضرت امام مالکؒ کے مذہب کو ہی نہ سمجھ پائیں جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں آپ سمجھئے کہ وہ خود ناسمجھ ہیں جو دوسروں کو سمجھانے اور مالکی محدثوں کو راہ راست پر لانے چلے ہیں۔

**اعاذنا اللہ من سوء الا دب فی شان المحدثین والفقھاء الکبار**

## عالم اسلام کے پہلے چیف جسٹس

## ۸۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیمؒ (۱۸۲ھ)

حضرت امام ابو یوسفؒ خاندان انصار سے تعلق رکھتے ہیں آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے چوٹی کے شاگرد ہیں۔

**کان اکبر اصحاب ابی حنیفة.** (البدایہ جلد ۱۰، ص ۱۸۰)

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں سترہ سال (اور ایک روایت کے مطابق ۲۹ سال) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں رہا ہوں بجز حالت مرض کے میں کبھی بھی آپ سے جدا نہیں ہوا، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔

(حسن التقاضی للعلامۃ الکوثری)

آپ نے امام اعمش، ہمام بن عروہ، محمد بن اسحٰق، یحییٰ بن سعید وغیرہم سے بھی حدیث کا سماع کیا ہے۔

علامہ ذہبی آپ کو الامام العلامۃ اور فقیہ العراقیین کہتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۲۶۹)

امام بخاری کے شیخ علی بن مدینی آپ کو صدوق کہتے ہیں۔ (البدایہ ص ۱۸۰)

امام یحییٰ بن معین آپ کو ثقہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابو یوسف سے زیادہ حدیث بیان کرنے والا اور اس فن میں ان سے زیادہ پختہ کوئی نہیں پایا گیا آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابو یوسف حدیث کے عالم اور متبع سنت تھے۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۲۳۰)

امام مزنی (۲۶۴ھ) کہتے ہیں:۔

کان ابویوسف اتبعهم للحديث. (البدایہ لابن کثیر ص ۱۸۰)

امام احمد فرماتے ہیں کہ ابو یوسف حدیث کے معاملہ میں منصف تھے۔

(تذکرہ جلد ۱، ص ۲۳۰)

امام یحییٰ بن معین امام احمد اور امام علی بن مدینی سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام ابو یوسف حدیث میں ثقہ ہیں۔ (بغدادی جلد ۱۴، ص ۲۴۳)

ابن خلکان کہتے ہیں کہ ابو یوسف حافظ اور کثیر الحدیث ہیں۔

(تاریخ ابن خلکان جلد ۲، ص ۳۰۳)

امام بیہقی کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف ثقہ ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۱، ص ۳۴۷)

علامہ ذہبی نے آپ کو حسن الحدیث کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک جلد ۱، ص ۳۷۷)

امام ابن حبان کہتے ہیں کہ ابو یوسف شیخ اور متقن ہیں۔

(لسان المیزان جلد ۶، ص ۳۰۱)

محمد بن جریر طبری کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف فقیہ عالم اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں پچاس ساٹھ حدیثیں وہ ایک مجلس میں سن کر یاد کر لیتے تھے۔ (الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۷۲)

علامہ ابن سعد ابن سماعہ سے ایک سند اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

حدثنا ابويوسف القاضي عن عثمان بن عبدالله.

(الاصابہ جلد ۱، ص ۲۱۴)

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

**یقال فی اصحاب ابی حنیفة ابو یوسف اعلمهم بالحدیث وزفر اطردهم للقیاس والحسن بن زیاداکثرهم تفریعا ومحمد اعلمهم بالعربیة والحساب.**

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد۲۰،ص ۳۰۸)

علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ:۔

میرے علم میں ایسا قاضی سوائے امام ابو یوسف کے کوئی نہیں جس کا حکم مشرق تا مغرب چلتا ہو۔(حسن التقاضی ص ۵۴)

علامہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ:۔

مشرق تا مغرب قضاۃ کی تقرری انہی کے سپرد تھی۔(الجواہر المضیہ جلد۲،ص ۲۲۱)

محمد بن جعفرؒ کا قول ہے کہ امام ابو یوسفؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ (شذرات الذہب لابن حماد الحنبلی)

ہلال بن یحییٰ بصریؒ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف تفسیر، مغازی اور ایام العرب کے حافظ تھے اور ان کے علوم متعارفہ میں سے ایک فقہ بھی تھا۔

عبداللہ بن داؤد حزیبی کا کہنا ہے کہ امام ابو یوسفؒ تمام فقہی علمی مسائل پر ایسا عبور رکھتے تھے کہ وہ سب ان کے سامنے کف دست پر ہوں۔

داؤد بن رشید کہتے ہیں کہ اگر امام اعظمؒ کا کوئی شاگرد بھی امام ابو یوسفؒ کے سوا نہ ہوتا تو یہی فخر ان کے لیے کافی تھا، میں جب کبھی ان کو کسی علمی موضوع پر بحث کرتے ہوئے دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی بڑے سمندر میں سے نکال نکال کر علم کے دریا بہا رہے ہیں، علم حدیث علم فقہ اور علم کلام سب ان کے روبرو تھا۔(تذکرہ محدثین جلد۱،ص ۱۷۲)

علامہ مدائنی کہتے ہیں کہ جب آپ بصرہ میں آئے تو ہم نے آپ سے بھرپور استفادہ کیا آپ درس میں حدیث بیان کرتے اور فقہی آراء بھی ان کے ساتھ ساتھ بیان فرماتے تھے۔(جزء الذہبی ص ۱۷۲)

حضرت امام ابو یوسفؒ نے احکام قضاۃ میں زیادہ استفادہ قاضی ابن ابی لیلی سے کیا تھا اور فقہ حدیث میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے استفادہ فرمایا۔

امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا کی کوئی مجلس امام ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی مجلس علمی سے زیادہ محبوب نہ تھی خود فرماتے ہیں:۔

ما رأیت فقیها افقه من ابی حنیفة ولا قاضیا خیرا من ابن ابی لیلی. (مناقب کردری)

ترجمہ: نہ تو میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ دیکھا ہے اور نہ ابن ابی لیلیٰ سے بہتر کسی کو قاضی پایا ہے۔

امام ابو یوسف یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت امام سے بڑھ کر حدیث کی تفسیر جاننے والا اور فقہی نکات پرکھنے والا کوئی نہیں میں بسا اوقات کسی حدیث کی طرف مائل ہو جاتا لیکن (جب حضرت امام تنبیہ فرماتے تو مجھے پتہ چلتا کہ) امام ابوحنیفہ اس صحیح حدیث پر مجھ سے زیادہ نگاہ رکھتے ہیں:۔

وکنت ربما ملت الی الحدیث وکان هوا بصر بالحدیث الصحیح منی. (مقدمہ اعلاء السنن جلد ۱، ص ۲)

حضرت امام ابو یوسف کو امام ابوحنیفہ کی علمی مجالس اتنی محبوب تھیں کہ آپ اپنے بیٹے کے انتقال پر اس کے جنازے اور تدفین میں اس لیے شریک نہ ہوئے کہ کہیں امام ابوحنیفہ کے علمی اور فقہی جواہر پاروں سے محرومی نہ ہو جائے اور اس کی ہمیشہ کے لیے دل میں حسرت رہ جائے:۔

مخافة ان یفوتنی من ابی حنیفة شیء ولا تذهب حسرته عنی. (مناقب موفق جلد ۲، ص ۲۱۵)

حضرت امام ابو یوسف یہ بھی فرمایا کرتے تھے:۔

انی لا دعو لابی حنیفة قبل ابوی. (عقود الجمان ص ۱۹۸)

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابو یوسف کو غضب کا حافظہ عطا فرمایا تھا، کسی مجلس میں ساٹھ سے زیادہ احادیث بھی سنتے تو اسی وقت آپ کو یاد ہو جاتی تھیں۔ علامہ ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

ابن جوزی کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف امت کے ان قوی الحفظ بزرگوں میں سے ہیں جن کا حافظہ عالمی سطح پر ضرب المثل رہا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید آپ کے ہم سبق تھے وہ کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کا حافظہ ایسا قوی تھا کہ ان کو سب حدیثیں زبانی یاد ہو جایا کرتی تھیں اور درس لکھنے کے بعد لکھنے والے ان کے حفظ سے اپنی لکھی ہوئی احادیث کی تصحیح کیا کرتے تھے۔

(حسن التقاضی ص ۱۵ بغدادی ص ۱۴)

مرض الموت میں بھی آپ علمی گفتگو میں مشغول رہے اور ہمیشہ آپ کے علم میں تیقظ ہی رہا، آخر تک علم فقہ پر آپ کا غلبہ تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ علم فقہ کے سوا جو دوسرے علوم میرے پاس تھے ان کی بنیاد قوت حافظہ پر تھی اور وہ شدت مرض کی وجہ سے جاتی رہی اور علم فقہ تو میری ذات ہے شروع سے آج تک اس کے ساتھ تلبس رہا۔ علم فقہ میں میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کئی سال تک اپنے وطن سے غیر حاضر رہے پھر واپس آئے۔ تو کیا وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جائیگا۔ (حسن التقاضی ص ۵۴)

حضرت امام ابو یوسفؒ نے علم اصول فقہ کی تدوین فرمائی اس لیے آپ کو اس علم کا مدون اول کہا جاتا ہے۔ محمد بن جعفر کا بیان ہے:۔

واول من وضع الكتاب فی اصول الفقه علی مذهب ابی حنيفة ابو يوسف. (مفتاح السعادة، مناقب کردری)

حضرت امام ابو یوسفؒ کی چھوٹی بڑی بہت تالیفات ہیں جن میں کتاب الآثار کتاب الخراج زیادہ مشہور ہیں مسجد حرام میں منصب وعظ کے حامل شیخ یحییٰ الغزی ص ۹۰۸ھ میں جب شہر زبید پہنچے تو کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے تین سو مجلدات میں امالی ابو یوسف شہر غزہ کے ایک کتب خانے میں دیکھی وہ جگہ صرف امام ابو یوسف کی تالیفات کے لیے مخصوص تھی۔ (حسن التقاضی للعلامۃ الکوثری)

صاحب کشف الظنون نے بھی لکھا ہے امام ابو یوسف کے امالی تین سو مجلدات میں تھے۔ (تذکرہ محدثین ص ۷۷)

امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا لقب سب سے پہلے خلیفہ ہادی نے دیا تھا اور آپ کو قاضی قضاۃ الدنیا بھی کہا جاتا رہا ہے آپ کا فتوی اور علمی دبدبہ ان تمام جگہوں پر حاوی تھا جہاں جہاں خلیفہ کی حکمرانی تھی۔ (البدایہ جلد ۱۰، ص ۱۸۰)

علامہ ذہبی نے آپ کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ہے۔ (تذکرہ جلد ا،

ص ۲۳۰) جو مناقب الامام ابی یوسفؒ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

مصر کے محدث کبیر اور عالم شہیر علامہ زاہد الکوثری نے حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابو یوسف قاضی میں امام ابو یوسف کے حالات پر گرانقدر مواد جمع فرمایا ہے فجزاھم اللہ فی الدارین احسن الجزاء

## امام ابو یوسفؒ اپنے استاد کی نظر میں

حضرت امام ابو یوسفؒ اپنے شیخ واستاد حضرت امام ابو حنیفہؒ کی نگاہ میں کیا تھے؟ اسے خود حضرت امام کی زبان فیض ترجمان سے سنیں۔ ایک مرتبہ حضرت امام ابو یوسفؒ بیمار ہوئے، حضرت امامؒ عیادت کے لیے تشریف لائے، آپ نے امام ابو یوسفؒ سے فرمایا:۔

مجھ کو تم سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں اور تم اہل اسلام کے لیے بڑے مفید ثابت ہو سکتے ہو اور میں اپنے بعد تم ہی کو چھوڑ کر جاؤں گا۔ (مناقب کردری تذکرہ امام ابو یوسف)

ایک دفعہ حضرت امام ابو یوسف کی بیماری پر آپ کو لوگوں نے بڑا متفکر پایا، کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو ارشاد فرمایا:۔

اگر یہ جوان انتقال کر گیا تو اس زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا۔

(حسن التقاضی ص ۲۸، مناقب موفق جلد ۲)

حضرت الامام کے پوتے اسماعیل فرماتے ہیں کہ میرے دادا کے خاص دس اصحاب تھے لیکن ان میں امام ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ (اسماعیل کی غالباً امام زفرؒ سے ملاقات نہ ہوئی ہوگی) (سیر الصحابہ جلد ۸، ص ۶۹)

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

اللہ اعلم اصحابہ کہ آپ ان کے شاگردوں میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

(البدایہ جلد ۱۰، ص ۱۸۰)

## امام ابو یوسفؒ کے اہم تلامذہ

امام ابو یوسفؒ کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ کے شیخ احمد بن منیعؒ اور علی بن المدینیؒ، مذہب امام مالک کے مدون اسد بن فرات، امام محمد بن الحسنؒ، بشر بن الولیدؒ، یحیٰی بن معینؒ اور امام وکیعؒ جیسے جلیل القدر اکابر ہیں حضرت امام ابو یوسفؒ کس پائے کے

فقیہ تھے اسے علامہ مرجانی (۱۳۰۶ھ) سے سنیے:۔

وحالھم فی الفقه ان لم یکن ارفع من مالک والشافعی وامثا لھما فلیسوا بدونھما. (بحوالہ سیر الصحابہ جلد ۸، ص ۱۱۷)

ترجمہ: امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مرتبہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ سے بلند نہیں ہے تو ان سے کمتر بھی نہیں ہے فرحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة۔

## مسائل مشہورہ میں امام ابو یوسفؒ کا مذہب

حضرت امام ابو یوسفؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب خاص اور تلمیذ رشید تھے لیکن خود بھی حدیث اور فقہ میں بلند مجتہد تھے انہیں بعض مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف بھی رہا لیکن مسائل مشہورہ میں آپ کی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوری موافقت رہی آپ کا مذہب حضرت امام کا مذہب ہی رہا قرأت فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین عندالرکوع، آمین بالجہر، طلاق ثلاثہ اور تراویح بیس رکعت وغیرہ کے باب میں آپ نے حضرت امام کے فیصلے کی پوری تائید وتصویب فرمائی۔

فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں آپ کا کیا مذہب تھا؟ حضرت امام طحاویؒ ترک قرأت کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فلما كانت القراة مخالفة لذلك وساقطة فی حال الضرورة كانت من غیر جنس ذلک وھذا قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد. (طحاوی جلد ۱، ص ۱۰۷)

ترجمہ: پس جب امام کے پیچھے پڑھنا اس کے مخالف ہے اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں تو اس کی جنس میں سے نہیں اور یہ قول ہے امام ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں آپ امام ابوحنیفہؒ کے پوری طرح ہمنوا تھے۔

علامہ ابن ہمام (۸۶۱ھ) قرأت خلف الامام کی بحث میں امام محمدؒ کا مسلک بھی

بیان کرتے ہیں:۔

**والحق ان قول محمد کقو لهما**

صاف اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت امام محمد کا مسلک ترک قرأت ہی کا ہے اور ان کا فیصلہ وہی ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کا ہے دونوں (شیخین) امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کو منع کرتے ہیں۔

## ۹۔ حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ)

حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نہایت قابل اعتماد شاگرد ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علوم ومعارف زیادہ تر آپ ہی کے ذریعہ دنیا میں پھیلے ہیں۔ تاریخ کی حقیقت ناقابل انکار ہے کہ کتب مشہورہ مؤلفہ مذاہب ائمہ متبوعین المدونہ ہو یا کتاب الام سب کی سب حضرت امام محمدؒ کی کتابوں کی روشنی میں ہی تالیف ہوئیں اور زمانہ دراز تک ان کی تالیفات تمام مذاہب کے فقہاء کے ہاتھوں متداول رہیں اور سب کے سب ان سے استفادہ کرتے رہے۔ حدیث آپ کا خاص موضوع علم تھا اسی شوق سے آپ مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت امام مالکؒ سے مزید تکمیل فرمائی یہ صحیح ہے کہ آپ مزید علم کی پیاس میں ہر جگہ پہنچے لیکن امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں آپ کو جو نشہ ملا تھا اسے کوئی ترشی نہ اتار سکی۔ امام مالکؒ باوجود یکہ آپ کے شیخ تھے مگر آپ نے ان سے فارغ ہوتے ہی کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ دو جلدوں میں لکھ کر اپنے عراقی مکتب فکر کی حجت تمام دنیا پر تمام کردی۔

حضرت امام محمدؒ کو چودہ سال کی عمر میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا آپ دو سال حضرت امام کی خدمت میں رہے اور آپ سے بھرپور استفادہ کیا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت امام ابو یوسفؒ سے علوم کی تکمیل فرمائی۔

### امام محمدؒ کے اساتذۂ حدیث

حضرت امام محمدؒ کے شیوخ حدیث میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ حضرت امام ابو یوسفؒ، حضرت امام زفرؒ، حضرت سفیان الثوریؒ، حضرت مسعر بن کدامؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت سفیان بن عیینہؒ، حضرت زمعہ بن صالحؒ، حضرت امام شعبہ بن الحجاجؒ، حضرت امام اوزاعیؒ، حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ اور دیگر اکابر محدثین ہیں حضرت علامہ کوثریؒ نے آپ

کے شیوخ کی تعداد ستر سے زائد بتلائی ہے۔

## امام محمدؒ کے تلامذۂ کبار

آپ کے شاگردوں میں امام بخاریؒ کے شیوخ ابوحفص الکبیر البخاریؒ، حضرت ابو زکریا یحییٰ بن صالح الحمصیؒ، حضرت ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان الجوزجانیؒ (جن کے ذریعہ سے صحاح ستہ کا سلسلہ مشرق ومغرب تک پھیلا) حضرت امام شافعیؒ، اصحاب صحاح ستہ کے استاد حضرت علی بن معبدؒ، مجتہد وقت حضرت ابوعبیدہ قاسم بن سلامؒ، مذہب امام مالک کے مدون حضرت اسد بن الفرات القیروانیؒ، ابن جریر کے استاد محمد بن مقاتلؒ، امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معینؒ، صاحب کتاب العلل حضرت سفیان بن سحبان البصریؒ وغیرہم جیسی جلیل القدر ہستیاں ہیں۔

حضرت امام محمدؒ بواسطہ امام شافعیؒ امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام ابوزرعہؒ اور امام ابی الدنیاؒ کے استاد ہیں جب کہ بواسطہ علی بن معبدؒ یحییٰ بن معینؒ ابویعلیٰؒ، ابن حبانؒ، ابونعیم صاحب حلیہ، ابوعوانہؒ صاحب المسند، امام طحاویؒ، امام طبرانیؒ، ابن مردویہؒ، ابو حاتمؒ، قاسم بن سلامؒ، محمد بن اسحٰقؒ صاحب المغازی اور اسحٰق بن منصورؒ کے بھی استاد ہیں۔

## امام محمدؒ امام شافعیؒ کی نظر میں:

حضرت امام شافعیؒ امام محمدؒ کا بہت ادب واحترام کرتے تھے اور آپ کی جلالت قدر اور محدثانہ شان کے بڑے معترف تھے۔ حضرت امام شافعیؒ نے آپ سے بہت کچھ سیکھا اور کھلے طور پر آپ کے احسانوں کا تذکرہ کرتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑا عالم اور آپ سے زیادہ عاقل کوئی نہیں دیکھا:۔

مارایت حبرا سمینا مثله مارایت اعقل منه.

(البدایہ جلد۱۰، ص۲۰۲)

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ حدیث میں ابن عیینہؒ اور فقہ میں امام محمدؒ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ (الجواہر المضیہ جلد۲، ص۴۴، ص۵۲۷)

آپ فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا فقیہ نہیں دیکھا میں فقہ میں ان کا سب سے زیادہ ممنون ہوں۔ (مناقب کروری جلد۲، ص۱۵۰)

ان کا قول ہے کہ میں نے فقہاء میں امام محمدؒ جیسا بصیرت رکھنے والا کسی کو نہیں پایا جن مسائل کے اسباب وعلل کی تلاش سے اکابر عاجز رہ جاتے تھے وہ ان مسائل کو آسانی سے حل کر دیتے تھے۔(بلوغ الامانی ص ۵۵)

امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے بقدر ایک اونٹ کی کتابوں کے علم حاصل کیا ہے۔(تہذیب الاسماء جلد ۱، ص ۸۱)

قال الربیع سمعت الشافعی یقول حملت عن محمد وقر بعیر کتبا. (معان الاخیار للعینی ص ۹۰)

ایک مرتبہ کسی نے امام شافعیؒ سے مسئلہ دریافت کیا اور انہوں نے جواب دیا سائل نے ان سے کہا کہ فقہاء آپ کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں امام شافعیؒ نے کہا تم نے محمد بن حسنؒ کے علاوہ کسی فقیہ کو دیکھا بھی ہے میں نے ان جیسا گداز بدن، ذکی آدمی نہیں دیکھا۔ امام شافعیؒ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے امام محمدؒ کی صحبت اٹھائی ہے اب ان کے مقابلہ میں کسی اور فقیہ کی رائے کتنی وزنی ہو سکتی ہے کہ میں اس کی پرواہ کروں۔

(دیکھیے بلوغ الامانی)

آپ فرماتے ہیں:۔

ما رایت اعقل ولا افقه ولا ازهد ولا اورع ولااحسن نطقا ولا ایرادا من محمد بن الحسن. (تہذیب الاسماء)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ جب کسی مسئلہ کو لیتے اور اس پر تقریر فرماتے تو کلام میں ایک حرف کی بھی تقدیم وتاخیر کی گنجائش نہ ہوتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قرآن کا نزول ہو رہا ہے۔(تاریخ بغداد جلد ۲، ص ۱۷۶)

امام شافعیؒ آپ کی تلاوت قرآن کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

کنت اذا سمعته یقرء القران کانما ینزل القران بلغته.

(البدایہ لابن کثیر جلد ۲، ص ۲۰۲ الجواہر المضیہ جلد ۲، ص ۵۲۹)

امام شافعیؒ کہتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا حلال وحرام اور ناسخ ومنسوخ کو جاننے والا اور ان کی علتوں کو پہچاننے والا نہیں دیکھا۔

مارأیت رجلا اعلم بالحلال والحرام والنا سخ والمنسوخ

من محمد. (مناقب کردری ص ۴۳۰)

حضرت امام شافعیؒ امام محمدؒ کے علوم ومعارف کے بہت دلدادہ تھے اور آپ کی خواہش ہوتی کہ امام محمدؒ کے علوم سے استفادہ کرتا رہوں۔ ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے پاس ایک منظوم خط لکھا کہ وہ اپنی کتابیں عاریۃً بھیج دیں امام محمدؒ نے اپنی تمام کتابیں ہدیۃً بھیج دیں۔ (ایضاً جلد ۲، ص ۱۵۰)

علامہ ابن عبدالبر فرمایا کرتے تھے کہ قیامت تک کے لیے ہر شافعیؒ پر واجب ہے کہ وہ امام محمد بن الحسنؒ کا ممنون رہے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہے۔

(شذرات الذہب جلد ۳)

امام شافعیؒ انہی اسباب و وجوہ کی بنا پر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ علم اور دنیاوی اسباب کے معاملے میں مجھ پر امام محمدؒ کا جتنا احسان ہے اتنا اور کسی کا نہیں ہے:۔

لیس علی منة فی العلم واسباب الدنیا مالمحمد. (مناقب کردری ص ۱۵۰)

امام شافعیؒ امام محمدؒ کے ساتھ اکثر علمی مذاکرے کرتے رہتے تھے اور نہایت علمی سوالات فرماتے، امام محمدؒ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا علمی جواب مرحمت فرماتے، امام شافعیؒ اس پر بڑے حیران ہوا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا بجز محمد بن حسنؒ کے:۔

ماریت احد اسئل عن مسئلة فیها نظر الا رایت الکراهة فی وجهه الا محمد بن الحسن.

(الانتقاء لابن عبدالبر ص ۶۹ و بلوغ المرام للعلامۃ الکوثری ص ۲۵)

علامہ ذہبیؒ نے مناقب میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے حدیث میں امام محمدؒ سے حجت پکڑی ہے۔ (تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۱۹۵)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کو ایسے دقیق مسائل کہاں سے معلوم ہوئے آپ نے فرمایا امام محمدؒ کی کتابوں سے:۔

هذه المسائل الدقائق من این هی لک قال من کتب محمد بن الحسن. (البدایہ جلد ۱۰، ص ۲۰۲)

امام مزنیؒ کے سامنے کسی نے کہا قال محمد انہوں نے پوچھا کون محمد؟ قائل نے کہا محمد بن الحسن آپ نے فرمایا:۔

مرحبا بمن یملا الاذان سمعا والقلب فهما. (بغدادی سیر الصحابہ جلد۸،ص۱۷۳)

ترجمہ: مرحبا اس شخص پر جو کان کو سماع اور قلب کو فہم سے بھر دیتا ہے۔

امام مزنیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

ابوحنيفة سيدهم وابويوسف اتبعهم ومحمد بن الحسن اكثرهم تفريعا وزفر احدهم قياسا. (بغدادی جلد۲،ص۱۷۶)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ اہل عراق کے سردار ہیں امام ابویوسف سب سے زیادہ حدیث پر چلنے والے ہیں امام محمد سب سے زیادہ مسائل کو پھیلانے والے ہیں اور امام زفر تو بس قیاس کے بادشاہ تھے۔

علامہ ذہبی آپ کو علم وفقہ کا سمندر کہتے ہیں:۔

كان محمد بن الحسن من بحور العلم والفقه.

(میزان الاعتدال ص۵۰)

آپ لکھتے ہیں کہ عراق میں امام یوسفؒ کے بعد فقہ کی ریاست امام محمدؒ پر ختم تھی اور ان سے ائمہ کرام تفقہ حاصل کرتے تھے:۔

انتهت اليه رياسة الفقه بالعراق بعدابى يوسف وتفقه بالائمة. (ایضاً ص۵۰)

علامہ ضمیری نے ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا نہیں دیکھا اور کہا کہ امام محمد عربیت نحو اور حساب میں بڑے ماہر تھے۔ محمد بن سلامؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ کی کتابیں نقل کرانے پر دس ہزار کی رقم خرچ کی۔ اگر مجھے پہلے سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا جو بعد کو ہوا تو رجل صالح امام محمدؒ کی کتابوں کے سوا دوسروں کی کتابوں پر وقت صرف نہ کرتا۔ (مناقب کردری)

خطیب بغدادیؒ نے علی بن المدینیؒ سے بھی امام محمدؒ کی توثیق نقل کی ہے۔ امام

دار قطنیؒ آپ کو ثقات اور حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیس عدد ثقات اور حفاظ حدیث نے بیان کی ہے جن میں امام محمد بن الحسن الشیبانی وغیرہ بھی شامل ہیں۔(نصب الرایہ جلد ا، ص ۴۰۹)

اللہ تعالیٰ نے امام محمدؒ کو عجیب حافظہ عطا فرمایا تھا حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آپ سے فرمایا کہ قرآن کریم حفظ کر لو تو ایک ہفتہ کے اندر آپ نے قرآن کریم کے حفظ کی سعادت حاصل کر لی۔(سیر الصحابہ جلد ۸ ص ۱۵۵)

حضرت امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ پر فرماتے ہیں:۔

هكذا يكون الحفظ. (بلوغ الامانی)

ترجمہ: حافظ ایسا ہی ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ آپ کی ذکاوت فہم کے بڑے معترف تھے۔فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ جیسا ذکی نہیں دیکھا۔(بغدادی جلد ۲، ص ۱۷۶)

علامہ ذہبی آپ کو کہا کرتے تھے:۔

كان من اذكياء العالم. (الجواهر المضیہ جلد ۲، ص ۴۲)

کہ آپ دنیا کے ذکی اور فہیم تر انسان ہیں۔

امام بخاریؒ کے استاد امام الجرح والتعدیل امام یحیٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع صغیر خود امام محمدؒ سے لے کر لکھی ہے جو ان کی مشہور تصنیف ہے جامع صغیر خالصۃً فقہ کی کتاب ہے امام یحیٰ بن معینؒ کا اسے لکھنا بتلاتا ہے کہ وہ خود حنفی المذہب تھے اور امام محمدؒ سے بہت متاثر تھے:۔

وقال عباس الدوری عن ابن معين كتبت الجامع الصغير عن محمد بن الحسن. (مغانی الاخیار ص ۹۰ للعینی)

## فقہ کے علاوہ امام محمدؒ کے دیگر علوم

حضرت امام محمدؒ کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے مگر آپ تفسیر، حدیث، ادب اور لغت میں بھی بہت اونچے مقام پر تھے لغت میں آپ کا قول حجت سمجھا گیا علامہ المبرد (۲۸۵ھ) آپ سے لغت کی سند لیتے تھے ایک مرتبہ المبرد نے سورج کے لیے الغزالہ کا لفظ استعمال کیا

ان سے اس کی سند پوچھی گئی المبرد نے کہاقالہ محمد بن الحسن. (اصول سرخسی جلد)

علماء ادب آپ کو اقران سیبویہ میں شمار کرتے ہیں۔

لفظ اللہ اسم جامد ہے اسے علماء سیبویہ کی نسبت سے بیان کرتے ہیں مگر فارسی کی قدیم ترین تفسیر زاہدی میں اسے امام محمدؒ کا قول بتلایا گیا ہے۔

آپ حضرت امام محمدؒ کی تلاوت قرآن کے متعلق امام شافعیؒ کا قول پڑھ چکے ہیں آپ قرآن کریم میں تفکر وتدبر کرتے اور قرآن کریم سے مسائل کا استخراج فرماتے تھے آپ خود کہتے ہیں کہ میں نے قرآن کریم سے ایک ہزار سے زائد مسائل مستنبط کیے ہیں:۔

استخرجت من کتاب اللہ نیفا و الف مسئلة.

(مناقب کردری جلد۲، ص۱۵۹)

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم اور ماہر کسی کو نہیں دیکھا گویا کہ یہ کتاب آپ پر نازل ہوئی ہے:۔

ما رأیت اعلم بکتاب اللہ من محمد کانه علیه نزل.

(مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ للذہبی ص۵۲)

حضرت امام محمدؒ کی فقہ حدیث بھی ضرب المثل تھی چونکہ آپ نے وقت کے تمام ممتاز شیوخ سے احادیث کا سماع اور استفادہ فرمایا تھا اس لیے آپ کے درس حدیث میں لوگوں کا اتنا ہجوم ہوتا کہ راستہ بند ہو جاتا۔ (شذرات)

حدیث میں آپ کی بالغ نظری اور معلومات کی وسعت کا اندازہ آپ کی تالیفات سے لگایا جا سکتا ہے۔

## حضرت امام محمدؒ کا نظریہ حدیث

آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تذکرہ میں یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ضعیف احادیث کی موجودگی میں رائے اور قیاس کو ترک کر کے ضعیف حدیث کو مقدم کرتے ہیں اور ملا علی قاریؒ سے احناف کا مذہب بھی آپ کے سامنے آچکا ہے۔ تاہم امام محمدؒ کا نظریہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے۔ امام محمدؒ اس بحث میں کہ نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے یا نہیں لکھتے ہیں:۔

لولاما جاء من الاثار کان القیاس ماقال اهل المدینة ولکن لاقیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للاثار.

(الحجہ علی اہل المدینہ بلوغ الامانی ص۴۴)

ترجمہ: اگر حدیث و آثار سے قہقہ سے وضوٹوٹنا ثابت نہ ہوتا تو قیاس کا فیصلہ وہی ہوتا جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث واثر کی موجودگی میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں ہم کوصرف آثار کے پیچھے چلنا ہے اور انہی کی پیروی کرنا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

لایستقیم العمل بالحدیث الابالرای ولا یستقیم العمل بالرای الابالحدیث. (اصول السرخسی جلد۲، ص۱۱۳)

ترجمہ: عمل بالحدیث میں بدوں رائے (فقہ حدیث) کے استقامت نہیں آسکتی اور نہ کسی مسئلے میں عمل قائم ہوسکتا ہے جب تک اس کی اصل حدیث سے نہ ملے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات کبھی محض رائے سے کام نہ لیتے تھے ان کے ہاں رائے کا اعتبار صرف اس پہلو سے تھا کہ انہیں کسی نئے پیش آمدہ مسئلے میں کسی دوسری روایت سے اس کی نظیر مل جائے۔ سو یہ رائے ہرگز وہ نہیں جو محض اپنے خیال سے قائم کرلی جاتی ہے اس رائے سے یہ حضرات ہمیشہ روکتے رہے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:۔

ایاکم والقول فی دین اللہ بالرای وعلیکم باتباع السنة فمن خرج منها ضل. (میزان کبریٰ للشعرانی جلد ۱، ص۵۰)

ترجمہ: خبردار اللہ کے دین میں کوئی بات رائے سے نہ کہنا تم پر سنت کی پیروی لازم ہے جو اس سے نکلا بے شک گمراہ گیا۔

## امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کی نگاہ میں

علم وفن کا ذوق امام محمدؒ میں فطری تھا وہ آغاز شعور ہی سے مسائل میں ایسی باریکیاں پیدا کرتے تھے کہ بڑوں کی نگاہیں بھی وہاں تک کم پہنچتی تھیں۔ ان کے اسی فطری

ذوق اور استعداد کو دیکھ کر امام صاحب نے فرمایا کہ ”انشاء اللہ یہ لڑکا رشید ہوگا۔ ایک روز ان کے ایک سوال پر فرمایا کہ تم تو بڑوں جیسا سوال کرتے ہو میرے پاس آمدورفت رکھو۔
(ماخوذ از سیر الصحابہ جلد ۸، ص ۱۵۴)

## امام ابو یوسفؒ سے تعلق

حضرت امام محمدؒ کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں صرف چار سال رہنے کا شرف حاصل ہوا حضرت امامؒ کے انتقال کے بعد امام محمدؒ کی نظر انتخاب امام ابو یوسفؒ پر پڑی جو امام ابو حنیفہؒ کے اخص اصحاب اور تلمیذ رشید تھے امام محمدؒ نے آپ کے دامن میں پناہ لی اور آپ سے بہت کم جدا رہے حضرت امام ابو یوسفؒ کو امام محمدؒ کے ذوق علم کی خبر تھی۔

حضرت امام محمد علی الصبح دوسرے شیوخ سے استفادہ کے لیے جاتے جب وہاں سے امام ابو یوسفؒ کی مجلس میں حاضر ہوتے تو اس وقت تک بہت سے مسائل گزر چکے ہوتے لیکن پھر بھی امام ابو یوسفؒ ان کے آنے پر ان تمام مسائل کو دوبارہ ان کے لیے دہراتے۔ (بلوغ الامانی ص ۳۵)

ایک مرتبہ حضرت امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کو کوفہ سے خط لکھا کہ میں آپ کی ملاقات کے لیے بغداد آنا چاہتا ہوں امام ابو یوسفؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ اہل کوفہ کو آپ سے فائدہ پہنچ رہا ہے یہاں آنے میں ان کا نقصان ہوگا ان کو فائدہ پہنچایئے۔
(مناقب کردری جلد ۲، ص ۱۵۴)

حضرت امام محمدؒ کے بارے میں کتابوں میں جو جرح ملتی ہے ان میں سے کوئی بھی اصول روایت اور قواعد درایت پر پوری نہیں اترتی مصر کے مشہور محدث اور مایہ ناز عالم علامہ زاہد الکوثریؒ نے تانیب الخطیب اور بلوغ الامانی میں ان تمام غلط روایتوں پر جو حضرت امامؒ اور آپ کے تلامذہ کے بارے میں مشہور کردی گئی ہیں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور نہایت ہی محققانہ طور پر ان سب کی اصلیت ظاہر کردی ہے ان حضرات کی حضرت امام محمدؒ کے خلاف روایات اسی طرح بے سروپا ہیں جس طرح حضرت عمرؓ کے خلاف شیعوں کی موضوعات بے سروپا ہیں۔

من شاء التفصيل فليراجع لها فجزاه الله احسن الجزاء

## مسائل مشہورہ میں امام محمدؒ کا مسلک

حضرت امام محمدؒ نے بطور مجتہد حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے ان میں زیادہ مسائل میں امام ابو یوسفؒ نے آپ کا ساتھ دیا ہے اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات اندھی تقلید کے ہرگز قائل نہ تھے۔ قرآن وحدیث کی ان کے دلوں پر حکومت تھی ورنہ یہ حضرات کبھی اپنے استاد سے اختلاف نہ کرتے اور استاد بھی وہ جس کی مشرق ومغرب میں کہیں نظیر نہ تھی۔

آپ فقہ حنفی کی کتابوں میں بار ہا یہ پڑھتے ہیں کہ فلاں فلاں مسائل میں فتوی امام صاحب کے قول پر نہیں بلکہ صاحبین کے قول پر ہے لیکن مسائل مشہورہ میں حضرت امام محمدؒ زیادہ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہی رہے، اور اس باب میں آپ کا مذہب وہی ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے مؤطا امام محمد میں بے شمار مقامات پر آپ کو یہ الفاظ ملیں گے:۔

وبهذا ناخذ وهو قول ابی حنیفه رحمه الله

جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام محمد ان مسائل مشہورہ میں حضرت امام ہی سے موافقت کرتے رہے ہیں آیئے چند مسائل میں حضرت امام کا مسلک معلوم کریں:۔

۱۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں اس سلسلے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں:۔

قال محمد لاقرأة خلف الامام فیما جهر فیه ولافیما لم یجهر بذلک جاء ت عامة الاثاروهو قول ابی حنیفة رحمه الله. (مؤطا امام محمد ۹۷)

ترجمہ: امام محمدؒ کہتے ہیں امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں (سورۃ فاتحہ ہو یا ما زاد علی الفاتحہ) نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں اور عام روایات اس پر وارد ہیں۔

ہمیں صاحب ہدایہ کی اس بات سے اتفاق نہیں کہ امام محمدؒ کے ہاں سری نمازوں میں علی سبیل الاحتیاط فاتحہ خلف الامام کی اجازت تھی علامہ ابن الہمام اسکندری نے بڑی تحقیق سے لکھا ہے کہ:۔

والحق ان قول محمد کقولهما. (فتح القدیر جلد۱، ص۲)

ترجمہ: اور حق بات یہ ہے کہ محمد کا قول امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ساتھ ہے۔

امام محمدؒ کے ہاں یہاں کچھ بھی رعایت ہوتی تو امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) اس مسئلے کی نظری بحث کے بعد نہ لکھتے کہ:۔

وهذا قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد. (ایضاً ص ۱۰۷)

۲۔ رفع الیدین عندالرکوع میں آپ کا کیا مسلک تھا اسے بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

قال محمد السنة ان یکبر الرجل فی صلاته ...... فاما رفع الیدین فی الصلوة فانه یرفع الیدین حذو الاذنین فی ابتداء الصلوة مرة واحدة ثم لایرفع فی شئ من الصلوة بعد ذلک وهذا کله قول ابی حنیفة رحمه الله وفی ذلک اثار کثیرة.

(مؤطا امام محمد ص ۶۱)

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ آدمی نماز میں تکبیریں کہے لیکن رفع یدین کانوں کے برابر صرف شروع نماز میں ایک دفعہ کرے پھر پوری نماز میں کہیں رفع یدین نہ کرے یہ سب امام ابوحنیفہؒ کی بات ہے اور اس پر صحابہؓ کے بہت سے آثار وارد ہیں۔

یہ جو آخری الفاظ ہیں وفی ذلک اثار کثیرة ان سے امام ترمذی کی رائے کی تائید ہوتی ہے انہوں نے رفع یدین کی بحث میں رفع یدین کرنے والوں کو بعض اهل العلم من اصحاب النبی کہہ کر ذکر کیا ہے مگر رفع یدین عندالرکوع نہ کرنے والوں کو غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی والتابعین سے تعبیر کیا ہے بعض اہل العلم میں ایک بھی آسکتا ہے مگر غیر واحد من اهل العلم اس سے زائد گنتی ہے۔

۳۔ نماز میں ہاتھوں کو کہاں رکھنا چاہیے امام محمدؒ فرماتے ہیں:۔

قال محمد ینبغی للمصلی اذا قام فی صلاته ان یضع باطن کفه الیمنی علی رسغه الیسری تحت السره.

(مؤطا امام محمد ص ۶۰)

ترجمہ: نمازی کو چاہیے کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے دائیں ہاتھ

کی ہتھیلی اپنے بائیں گھٹنے پر ناف کے نیچے رکھے۔

دیکھیے یہ کس امام کا عمل ہے جو امام مالکؒ کے درس حدیث میں بھی رہ چکا ہے امام شافعیؒ کے ساتھ بھی کئی مجلسوں میں علمی مباحثہ کر چکا ہے عبداللہ بن مبارکؒ سے بھی حدیث پڑھنے کا اسے شرف حاصل ہوا ہے ان وسیع تحقیقات کے بعد وہ اسی مسئلے پر ڈٹا ہوا ہے جس پر اس نے امام ابوحنیفہؒ کو پایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلائل کی روشنی میں یہ مؤقف زیادہ قوی اور مضبوط ہے کہ نمازی نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے سینہ پر نہیں صرف عورتوں کو سینے پر ہاتھ باندھنے دے۔

۴۔ جمع بین الصلاتین کے مسئلے میں آپ کا کیا مذہب تھا اسے بھی دیکھیے اور سوچیے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت میں یا عصر کی نماز مغرب کے وقت میں ادا کر لی جائے کوئی حرج نہیں وہ کتنی غلط سوچ کے حامل ہیں امام محمدؒ جمع بین الصلاتین کی حقیقت یہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

> قال محمد وبهذا ناخذ والجمع بين الصلاتين ان تؤخر الاولى منهما فتصلى في اخر وقتها وتعجل الثانية فتصلى في اول وقتها قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب انه كتب في الافاق ينها هم ان يجمعوا بين الصلاتين ويخبرهم ان الجمع بين الصلاتين في وقت واحد كبيرة من الكبائر.

(مؤطا امام محمد ص ۱۳۱، ص ۱۳۲)

> ترجمہ: امام محمدؒ کہتے ہیں ہمارا یہی فیصلہ ہے اور جمع بین الصلاتین کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ایک نماز اپنے آخری وقت میں پڑھی جائے اور ایک نماز اپنے پہلے وقت میں ہمیں حضرت عمرؓ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ نے تمام ممالک کو لکھا کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو اکٹھا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے بلکہ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت امام محمد کے نزدیک عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ

بن عباس کا عمل زیادہ اقرب الی السنۃ تھا اسی لیے آپ ابن عمرؓ کے عمل کو عمل کے لیے قبول نہ کرتے تھے:۔

قال محمد ولسنا ناخذ بهذا ولكنا ناخذ بقول عبدالله بن مسعود و عبدالله بن عباس رضی الله عنهما ولانری ان یسهم بینهما. (موطا امام محمد ص ۱۴۹)

ترجمہ: ہم عبداللہ بن عمرؓ کے اس قول کو نہیں لیتے ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو لیتے ہیں اور ہم دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

رہا یہ مسئلہ کہ آپ دو رکعتوں پر سلام نہ پھیرتے تھے لیکن کیا آپ یہاں قعدہ کرتے تھے یا سیدھے تیسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے اس وہم کا ازالہ کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فیصلے پر امام محمدؒ نے اپنا فیصلہ دیا ہے کہ یہ روایت سامنے رکھیے:۔

الوتر ثلث كوتر النهار صلوة المغرب

(رواہ الطحاوی جلد۱، ص ۱۴۳، اسنادہ صحیح آثار السنن جلد۲، ص ۱۲)

ترجمہ: وتر تین رکعت ہی ہیں جیسے مغرب کی نماز یہ دن کے وتر ہیں۔

اب اگر مغرب کی نماز میں درمیانی قعدہ ہے تو وتر کی نماز میں بھی یہ ہوگا اس میں کسی تردد اور وسوسے کی گنجائش نہیں۔

۶۔ ایک مجلس میں دی جانے والی اکٹھی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے حضرت امام محمدؒ کا بھی یہی مذہب تھا آپ فرماتے ہیں:۔

قال محمد وبهذا ناخذ وهو قول ابی حنیفه والعامة من فقهائنا لانه طلقها ثلثا جميعا فوقعن عليها جميعا معا.

(موطا امام محمد ص ۲۶۳)

ترجمہ: امام محمدؒ کہتے ہیں ہمارا فتویٰ یہی ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے جمہور فقہاء کا فتویٰ بھی یہی تھا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دی ہیں سو یہ تینوں اس پر اکٹھی واقع ہوگئیں۔

۷۔ تراویح رمضان کی اپنی نماز ہے آپ نے اپنے موطا میں قیام شہر رمضان کے باب میں پہلے وہ حدیث بیان کی ہے جس میں اس کی تصریح ہے کہ یہ قیام رمضان کا تھا جسے حضورؐ نے پھر چھوڑ دیا تھا پھر آگے حضورؐ کے گیارہ رکعت کے قیام اللیل کا بیان ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں برابر ہوتا تھا امام محمدؒ اس ترتیب سے اس پر متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ دو نمازیں ہیں ایک وہ جو حضورؐ نے رمضان میں تین رات پڑھانے کے بعد چھوڑ دی اور دوسری وہ جو آپ سارا سال پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو نماز آپ نے چھوڑ دی وہ یہ پورے سال والا قیام اللیل نہ تھا اس پر امام محمدؒ تراویح پر استدلال کرتے ہیں کہ وہ رمضان میں پڑھی جائے کیونکہ حضرت عمرؓ کے اس عمل کو صحابہؓ نے قبول کر لیا تھا جس کو وہ اچھا سمجھیں اسے اللہ تعالیٰ بھی پسند فرما لیتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نماز تراویح کا ایک اپنا وجود ہے اور یہ تہجد کی نماز نہیں جو سارا سال پڑھی جاتی ہے۔ امام محمدؒ لکھتے ہیں:۔

قال محمد وبهذا كله نأخذ لابأس بالصلوة في شهر رمضان ان يصلي الناس تطوعا بامام لان المسلمين اجمعوا على ذلك. (مؤطا امام محمد ص ۱۴۳)

ترجمہ: امام محمدؒ کہتے ہیں ہم یہی لیتے ہیں رمضان میں اس میں کوئی حرج نہیں کہ لوگ نفل نماز جماعت سے پڑھیں اس میں سب کا اجماع ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ امام محمدؒ کے ہاں تراویح اور تہجد دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں کی رکعات بھی اپنی اپنی ہیں۔

اس وقت ان مسائل کی تحقیق پیش نظر نہیں حضرت امام کا صرف مختصر تعارف ہے۔ بتلانا صرف یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے استاد اور امت مسلمہ کے جلیل القدر محدث حضرت امام محمدؒ مسائل مشہورہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے موافق رہے ہیں اگر ان مسائل میں کسی پہلو سے بھی کوئی کمزوری یا کوئی لچک ہوتی تو حضرت امام محمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ضرور اختلاف کرتے لیکن اس جلیل القدر مجتہد کا ان سے اتفاق کرنا بتلاتا ہے کہ ان مسائل میں اقرب الی الصواب وہی مذہب ہے جو کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

فرحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة.

## ۱۰۔ حضرت امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (۲۰۴ھ)

حضرت امام محمد بن ادریس الشافعیؒ نسباً قریشی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ عبد مناف میں آپ کا نسب مل جاتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

**اللهم اهد قریشا فان عالماً یملأ طباق الارض علما.**

(مستدرک للحاکم، مسند ابی داؤد طیالسی، تہذیب جلد ۹، ص ۲۶)

ترجمہ: اے اللہ! قریش کو سیدھی راہ پر رکھنا ان کا ایک عالم پوری دنیا کو علم سے بھر دے گا۔

خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ ابو نعیم عبد الملک بن محمد اسفرائنی نے اس بشارت کا مصداق حضرت امام شافعیؒ کو قرار دیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (ایضاً)

### حضرت امام شافعیؒ کا علمی تعارف

حضرت امام شافعیؒ کے حدیث کے شیوخ امام مسلم بن خالد الزنجی، حضرت امام مالک، ابراہیم بن سعد، سعید بن سالم الداوردی، عبد الوہاب ثقفی، ابن علیہ، سفیان بن عیینہ (تلمیذ امام ابو حنیفہ فی الحدیث) ابو حمزہ، حاتم بن اسماعیل، محمد بن خالد الجندی اور امام محمد بن حسن وغیرہ شامل ہیں۔

مسلم بن خالد الزنجی آپ کے پہلے استاد ہیں ایک مرتبہ آپ کی مسلم بن خالد سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا صاحبزادہ کس ملک کے باشندے ہو؟ امام شافعی نے کہا: مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہوں فرمایا مکان کس محلہ میں ہے؟ عرض کیا خیف میں۔ فرمایا کس قبیلہ کے ہو؟ عرض کی عبد مناف کی اولاد سے۔ فرمایا بہت خوب بہت خوب اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں جہاں کا شرف بخشا ہے۔ اچھا یہ تھا کہ اپنی اس فہم وذکاوت کو علم فقہ میں خرچ کرتے۔ یہ سن کر امام شافعی نے ان کی شاگردی قبول کی اور پھر پوری عمر فقہ پر لگا دی یہاں تک کہ سید الفقہاء کہلائے۔

حضرت امام شافعی کے فن تجوید کے استاد مقری مکہ اسماعیل بن قسطنطین ہیں۔

(تذکرہ جلد ۱، ص ۲۷۷)

حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ کے بھی شاگرد ہیں۔ جب آپ امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے اس وقت آپ مؤطا حفظ کر چکے تھے آپ کی عمر اس وقت دس سال تھی۔
(تہذیب جلد۹، ص ۲۷)

امام مالکؒ کے سامنے مؤطا کی زبانی قرأت کی امام مالکؒ کو آپ کی زبانی قرأت پر بہت تعجب ہوا اور آپ کی قرأت بہت پسند آئی اور نصیحت فرمائی کہ تم تقویٰ کو اپنا شعار بنانا ایک زمانہ آئے گا کہ تم بڑے شخص ہو گے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت کیا ہے معصیت سے اس کو ضائع نہ کرنا امام شافعیؒ امام مالکؒ کے پاس صرف آٹھ ماہ رہے۔ (تانیب الخطیب ص ۱۸۲، تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۱۳۱)

حضرت امام شافعیؒ نے قرآن کریم سات سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا دس سال کی عمر میں مؤطا امام مالک کو یاد کیا تھا اور پندرہ سال کی عمر میں باجازت مسلم بن خالد الزنجی فتویٰ دینے لگے تھے۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۲۷۷)

حضرت امام شافعیؒ حدیث و تفسیر، فقہ وادب و عربیت کی جملہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ بڑے تیرانداز بھی تھے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ آپ قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ ماہر تیرانداز تھے اگر دس تیر پھینکتے تو دس کے دس نشانہ پر بیٹھتے۔ قریش کے علمی ذوق کے تحت پہلے شعر گوئی، لغت، ایام عرب میں کمال حاصل کیا پھر فقہ وحدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ (ایضاً)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے گھڑ دوڑ اور تیراندازی پر بھی ایک کتاب لکھی ہے۔ امام مزنیؒ کے بقول اس باب میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس فن میں کتاب لکھی۔

حضرت امام شافعیؒ سے روایت کرنے والوں میں امام احمدؒ، امام حمیدیؒ، امام مزنیؒ، ربیع بن سلیمانؒ، ابوثورؒ، زعفرانؒ، ابوبکر عبداللہ بن زبیرؒ، امام حرملہؒ اور سلیمان بن داؤدؒ جیسی اہم شخصیات بھی ہیں۔

## حضرت امام شافعیؒ کے فضائل

حضرت امام احمدؒ آپ کو دوسری صدی کا مجدد قرار دیتے ہیں آپ امام شافعیؒ کے حق میں ہمیشہ دعا کرتے تھے۔ (تہذیب جلد۹، ص ۲۷)

ایک مرتبہ امام احمدؒ مذاکرۂ حدیث کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے فرمایا اگر اس میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے تو:

ففیہ قول الشافعی وحجتہ البت شئی فیہ.

(البدایہ جلد ۱۰، ص ۲۵۴)

ترجمہ: جب اس میں کوئی حدیث نہیں تو پھر اس مین امام شافعیؒ کا قول لیجیے ان کی حجت اس میں قائم رہنے والی چیز ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

اگر امام شافعیؒ نہ ہوتے تو میں حدیث کے ناسخ ومنسوخ کو ہرگز نہ پہنچتا ان کی مجلس میں بیٹھنے سے مجھے سب کچھ ملا ہے۔ (تہذیب جلد ۹، ص ۲۸)

امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر فقہ (مفہوم حدیث) سمجھنا چاہتے ہو تو امام شافعیؒ کی سواری کی دم پکڑ کر چلو، آپ کے خادم بنو۔

(مشاہیر امت از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ص ۲۸)

امام اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) سے پوچھا گیا:۔

کیف وضع الشافعی ھذہ الکتب وکان عمرہ یسیرا فقال جمع اللّٰہ تعالٰی لہ عقلہ لقلۃ عمرہ. (تہذیب جلد ۹، ص ۲۹)

ترجمہ: امام شافعیؒ نے اس چھوٹی سی عمر میں یہ کتابیں کیسے لکھ لیں؟ امام اسحٰقؒ نے فرمایا اللہ تعالٰی نے انہیں اس چھوٹی عمر کے باعث عقل فراواں دے رکھی تھی۔

ہمارے خیال میں بات صرف یہی نہیں حضرت امام شافعیؒ کو امام محمدؒ سے علم کا ایک بڑا ذخیرہ مل گیا تھا آپ نے اسے نقل کیا تو کتابوں کے پشتے لد گئے۔

## امام شافعیؒ کی توثیق

آپ ثقہ ہیں امام احمدؒ نے آپ کو احد العلماء ثقہ ماموناً کہہ کر آپ کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب جلد ۹، ص ۳۱)

علامہ ذہبیؒ آپ کو علم کا پہاڑ اور حبر الامۃ کہہ کر ذکر کرتے تھے۔

(تذکرہ جلد ۱، ص ۲۷۷)

علامہ حمیدیؒ نے آپ کو سید الفقہاء الامام الشافعی کہا ہے۔ (تہذیب ص ۲۸)
ابو حاتمؒ آپ کو سراپا فقیہ اور صدوق کہتے ہیں آپ نے کہا:
الشافعی فقیہ البدن وصدوق.
(البدایہ جلد ۱۰، ص ۲۵۳ توالی التاسیس ص ۳۰)
یحیٰی بن سعید القطانؒ نے آپ کو فقیہ بے مثل کہا اور فرمایا کہ میں امام شافعیؒ کے لیے بطور خاص دعا کرتا ہوں۔ (ایضاً)
امام قتیبہؒ نے کہا الشافعی امام. (ایضاً)
ابو ثورؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی جیسا شخص نہیں دیکھا اور نہ ہی خود انہوں نے اپنے جیسا آدمی دیکھا ہے۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۲۷۷)
آپ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ عالم فصیح ثبت اور بڑی معرفت رکھنے والے تھے۔
(تہذیب جلد ۹، ص ۲۸)
جاحظؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی تالیفات تو در منظوم ہیں۔
ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی کوئی حدیث غلط نہیں۔ (تذکرہ جلد ۱، ص ۲۷۸)
ابو زرعہؒ یہ بھی کہتے ہیں ماعند الشافعی حدیث غلط فیہ.
(تہذیب ص ۳۰، البدایہ جلد ۱۰، ص ۲۵۳)
ابو عبیدؒ فرماتے ہیں میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ کسی کو فصیح عاقل اور پرہیز گار نہیں پایا۔ یحیٰی بن اکثمؒ کہتے ہیں مارأیت اعقل منہ.
امام علی بن المدینیؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ امام شافعیؒ کی باتوں میں سے کوئی بات چھوٹنے نہ پائے لکھتے رہنا فان فیہ معرفۃ کیونکہ اس میں گہرائی ہے۔
(تہذیب جلد ۹، ص ۳۰)
یحیٰی بن معینؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ ثقہ تھے ان سے اس کے خلاف جو کچھ منقول ہے وہ بے اصل ہے محمد بن وصاح کی کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ انہوں نے آپ سے امام شافعیؒ کے بارے میں پوچھا تھا اور انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں۔
امام عبدالحکیمؒ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ ہر بات میں سند ہیں اور فرماتے تھے کہ وہ صاحب سنت واثر اہل فضل وفصاحت اور مضبوط عقل کے مالک ہیں۔ (الانتقاء ص ۳۰)

نواب صدیق حسن خاں بھی امام شافعیؒ اوران کے اصحاب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

هم افضل وقت وهم اعلم عهد وهم حجة ائمة وهم مقدم الائمة. (تقصار ص۹۳)

ترجمہ: وہ لوگ اپنے وقت کے بہترین تھے اور اپنے دور کے بڑے عالم تھے وہ ائمہ کی سند ہیں اور ان کے پیشرو ہیں۔

## امام شافعیؒ کے اصحاب الحدیث پر احسانات

زعفرانیؒ کہتے ہیں کہ اصحاب الحدیث محوِ خواب تھے امام شافعیؒ نے انہیں آ کر جگایا (یعنی معانی اور فقہ کی طرف متوجہ کیا):

كان اصحاب الحديث رقود احتى ايقظهم الشافعي.

(توالی التاسیس ص۵۹)

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ اصحاب الحدیث حدیث کی تفسیر اور شرح سے بے توجہ تھے امام شافعیؒ نے آ کر حدیث کے معنی سمجھائے فرمایا:۔

كان اصحاب الحديث لا يعرفون تفسير الحديث حتى جاء الشافعي. (توالی التاسیس ص۵۹)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت اصحاب الحدیث کا زیادہ شغف، الفاظ حدیث، نقل روایت رہا ہے، امام شافعیؒ نے انہیں اس طرف متوجہ کیا کہ کچھ حدیث کو سمجھنا بھی سیکھو مگر افسوس ان لوگوں نے امام شافعیؒ کو ہمیشہ فقیہ ہی سمجھا۔ سید الفقہاء بھی کہتے رہے مگر حدیث میں آپ کے درجہ امامت کا کبھی کھلے دل سے اعتراف نہیں کیا اور یہ کوئی نئی بات نہیں فقہاء اور محدثین میں ہمیشہ سے یہ معرکہ آرائی چلی آ رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہاء کو اصحاب الحدیث پر ہمیشہ فوقیت دی ہے اصحاب الحدیث کو حامل فقہ فرمایا فقیہ نہیں کہا اصحاب الحدیث کو مامور فرمایا کہ جو کچھ مجھ سے سنوا سے آگے پہنچاؤ ہو سکتا ہے کہ میری بات کسی فقیہ کے پاس پہنچ جائے اور وہ مقصد حدیث پالے اور میری مراد کو پہنچ جائے یہ حدیث کے الفاظ نہیں حاصل الفاظ ہے جسے ہم نے اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے ہاں حضورؐ کے ہاں یہ الفاظ علماء کو ہمیشہ ازبر رہنے چاہئیں جنہیں امام شافعیؒ نے

حضورؐ سے روایت کیا ہے:۔

رب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من افقه منه.

(رواہ الشافعی مشکوٰۃ ص ۳۵)

ترجمہ: کئی علم کے اٹھانے والے تو ہیں لیکن علم رکھنے والے نہیں اور کئی علم تو رکھتے ہیں لیکن ان تک بات پہنچا دیتے ہیں جو ان سے بھی آگے ہوں۔

## حضرت امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ کی نظر میں

قدر زر، زرگر بداند قدر جوہر جوہری

ترجمہ: سونے کی قدر سنار ہی جانتا ہے اور جواہرات کا پتہ جوہری کو ہی ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

الناس عیال علی ابی حنیفة فی الفقه. (عقود الجمان ص ۸۷)

ترجمہ: لوگ سب کے سب دین سمجھنے میں (فقہ میں) ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

---

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

من اراد الفقه فهو عیال علی ابی حنیفه ...... کان ابوحنیفه وقوله فی الفقه مسلماله فیه. (الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۳۵،۱۳۶)

ترجمہ: جو فقہ چاہے وہ ابوحنیفہؒ کا محتاج ہے۔ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کا قول اس کے لیے تسلیم کیا جانے والا ہے۔

آپ یہ بھی فرماتے ہیں:۔

من اراد ان یعرف الفقه فلیلزم ابا حنیفه واصحابه فان الناس کلهم عیال علیه فی الفقه.

(بغدادی جلد ۱۳، ص ۳۴۶ مناقب موفق جلد ۲، ص ۳۱)

ترجمہ: جو چاہتا ہے کہ دین کی سمجھ پائے (اسے فقہ کی معرفت ہو) وہ ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کی مجلس لازم پکڑے، کیونکہ لوگ سب کے

سب فقہ میں ان کے بچے ہیں۔

## حضرت امام شافعیؒ کا ذاتی تعارف

حضرت امام شافعیؒ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی یہ وہی سال ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ سفر آخرت پر چلے آپ قریشی مطلبی ہیں اور آنحضرتؐ کی اس پیشگوئی کا مصداق کہ قریش کا ایک عالم دنیا کو علم سے بھر دے گا۔ آپ نے امام ابوحنیفہؒ کو نہیں دیکھا امام محمدؒ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا اور ان کے علم و فضل کو دیکھا جس سے انہیں یہ خوب اندازہ ہوا کہ خود حضرت امام ابوحنیفہؒ علم و فضل اور فقہ حدیث میں کس اونچے مقام پر ہوں گے۔

(تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۱۳۵)

حضرت امام شافعیؒ کی عملی زندگی خود اس بات کی شاہد عدل ہے کہ آپ کے دل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی بے حد قدر و منزلت تھی آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ:۔

میں امام ابوحنیفہؒ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں جب کبھی مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو نفل پڑھ کر امام صاحبؒ کی روح کو ایصال کرتا ہوں اور خدا سے اپنی حاجت مانگتا ہوں بہت جلد میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

(مناقب موفق جلد ۲، ص ۱۹۹، تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۱۳۵)

حضرت امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے علم اور فقہ میں تبحر امام ابوحنیفہؒ کی کتب دیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا:۔

**من لم ینظر فی کتب ابی حنیفه لم یتبحر فی العلم ولا یتفقه.** (عقود الجمان ص ۱۸۷ ابن یوسف الشافعی)

ترجمہ: جس نے امام ابوحنیفہؒ کی کتب نہیں دیکھیں اسے تبحر نہ کہیں حاصل ہو سکتا ہے نہ وہ دین کی سمجھ پا سکتا ہے۔

## حضرت امام محمدؒ امام شافعیؒ کی نظر میں

آپ حضرت امام محمدؒ کے تذکرہ میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام محمدؒ کے بہت مداح اور آپ کے علم و فضل کے بہت معترف تھے حضرت امام شافعیؒ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا اور آپ سے برابر استفادہ کرتے رہے۔

حضرت امام محمدؒ کی اس قدر قدر و منزلت کا اندازہ آپ کے درج ذیل چند ارشادات سے لگائیے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

حملت عن محمد رحمه الله تعالىٰ وقر بعير كتبا.

(البدایہ جلد ۱۰ ص ۲۵۲ مغانی الاخیار للعینی ص ۹۰ تلخیص تہذیب الاسماء جلد ۱، ص ۸۱ للنووی)

ترجمہ: میں نے امام محمدؒ سے بقدر ایک اونٹ کی کتابوں کے علم حاصل کیا ہے۔

یعنی اتنی تحریریں لکھیں جنہیں ایک اونٹ ہی اٹھا سکے اس سے کم نہیں۔

راحت القلوب میں حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کا قول ہے کہ:۔

امام اعظمؒ کی شان تو بہت ہی بلند ہے ان کے شاگرد امام محمدؒ کا وہ درجہ تھا کہ جب وہ سوار ہو کر کہیں جاتے تھے تو امام شافعیؒ ان کی رکاب کے ساتھ پیدل چلتے تھے۔

(حدائق الحنفیہ ص ۱۰۴)

امام شافعیؒ امام محمدؒ کے علوم و معارف کے بہت گرویدہ تھے آپ چاہتے تھے کہ امام محمدؒ کی کتابوں سے برابر استفادہ کرتے رہیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کی خدمت میں چار شعر لکھ کر بھیجے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

اس شخص کو جس کے دیکھنے والوں نے اس کا مثل نہیں دیکھا اور جس نے اس کو دیکھا اس نے گویا اس سے پہلے (کے استاد) کو بھی دیکھ لیا
میرا پیغام پہنچاؤ کہ علم اہل علم کو اس امر سے روکتا ہے کہ وہ مستحقین علم سے روکا جائے کیونکہ امید یہی ہے کہ وہ مستحق علم بھی آگے کے مستحق علم کو مستفید کرے گا۔ (رواہ ابن جوزی فی المنتظم)

امام محمدؒ ان اشعار کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور مطلوبہ کتابیں بطور ہدیہ امام شافعیؒ کے پاس بھیج دیں۔ (مناقب کردری جلد ۲، ص ۱۵۰ تذکرہ جلد ۱، ص ۱۳۵)

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ علم اور دنیوی اسباب کے سلسلہ میں مجھ پر امام محمدؒ کا جتنا احسان ہے اتنا کسی اور کا نہیں:۔

ليس على منة فى العلم واسباب الدنيا مالمحمد.

(مناقب جلد ۲، ص ۱۵۰)

امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم، آپ سے زیادہ فقیہ، حلال وحرام کو جاننے والا اور ناسخ ومنسوخ اور ان کی علتوں کو پہچاننے والا نہیں پایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میری مدد فرمائی کہ حدیث میں ابن عیینہؒ اور فقہ میں امام محمدؒ کی شاگردی نصیب ہوئی ہے۔ (الجواہر المضیہ جلد ۱، ص ۴۲)

محمد بن شجاعؒ کہتے ہیں کہ ایک دن امام شافعیؒ نے ایک مسئلہ کی تقریر بہت ہی اچھے اور دلنشین انداز میں کی پھر فرمایا: یہی طرز ہمارے شیخ واستاد امام محمدؒ کا تھا۔

(مناقب کردری جلد ۲، ص ۱۵۱)

## ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے ایک مکان میں رات گزاری امام شافعیؒ تو رات بھر نفل پڑھتے رہے لیکن امام محمدؒ ساری رات لیٹے رہے امام شافعیؒ کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی صبح کی نماز کے لیے اپنے استاد کے وضو کے واسطے پانی رکھا امام محمدؒ آئے بغیر جدید وضو کے نماز صبح ادا کی امام شافعیؒ کو اور بھی تعجب ہوا پوچھا تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ تم نے اپنی ذات کے لیے ساری رات نفلیں پڑھیں مگر میں نے امت محمدیہ کے لیے ساری رات جاگ کر کتاب اللہ سے ایک ہزار سے زیادہ مسائل نکالے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ سن کر میں اپنی ساری رات کی بیداری کو بھول گیا کیونکہ عبادت کرتے ہوئے جاگنا تو آسان ہے امام محمدؒ کے لیٹ کر جاگنے پر بہت تعجب ہوا۔ (دیکھئے مناقب کردری جلد ۲، ص ۱۵۹، تذکرۃ المحدثین جلد ۱، ص ۱۳۸)

## حضرت شافعیؒ کا نظریہؒ حدیث

حضرت امام شافعیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں سے ہیں اور قریشی مطلبی ہیں اور اس ناطے سے بھی آپ کو علم حدیث سے جو نسبت ہوسکتی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں پھر جس طرح امام ابراہیم نخعیؒ کے دور میں تمام قلمرو اسلامی کے بڑے بڑے علماء عجم سے تھے یا موالی میں سے تھے۔ صرف ابراہیم نخعیؒ عرب تھے جن کے سر پر علمی سربلندی کا ستارہ چمک رہا تھا (اور امام ابوحنیفہؒ انہی کے پیرو ہوئے) حضرت امام شافعیؒ اپنے وقت میں عرب کی عزت اور خاندان رسالت کے تاج تھے اس خاندانی قرابت سے آپ پر حب اہل بیت کی جرح کی گئی مگر آپ اس سے بالکل بے پرواہ رہے اور فرمایا:

لوکان رفضا حب ال محمد　　　فلیشهد الثقلان انی رافض

## ۱۔حدیث کے سامنے اپنے قول کو واپس لینا

آپ کا نظریہ" حدیث کیا تھا؟ آپ فرماتے ہیں:۔

اذا صح عند کم الحدیث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقولوا به ودعوا قولی وفی روایة فاضربوا بقولی عرض الحائط فلا قولی مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. (البدایہ جلد ۱۰، ص ۲۵۴)

ترجمہ: جب تمہارے ہاں حضورؐ سے کوئی صحیح حدیث پہنچے (بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہوئی ہو اور اس کے مقابل کوئی دوسری حدیث موجود نہ ہو) تو تم فیصلہ اس کے مطابق دو اور میری بات چھوڑ دو میری بات دیوار پر مارو حضورؐ کی بات کے ہوتے ہوئے میری کوئی بات بات نہیں ہے۔

نوٹ: آپ کے اس خطاب کا تعلق عوام سے نہیں ان لوگوں سے ہے جو علمی طور پر حدیث کی صحت اور اس کی معارضہ سے سلامتی کو جان سکیں۔

حضرت امام شافعیؒ کا مذہب بھی دوسرے ائمہ کرام کی طرح یہی تھا کہ حدیث صحیح کے مقابلے میں قیاس ورائے کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ آپ کی فقہ کی تعمیر اسی پر ہوئی کہ صحیح احادیث کو روایت کیا جائے اور ضعیف کو ترک کر دیا جائے عبادات کے مسائل میں بھی آپ بہت احتیاط کا پہلو اختیار فرماتے تھے۔

## ۲۔آٹھ رکعت تراویح کی کوئی حدیث آپ کے ہاں صحیح نہ تھی

مندرجہ بالا سے پتہ چلتا ہے کہ اگر آٹھ رکعات تراویح کی ایک بھی صحیح حدیث آپ کے سامنے ہوتی تو آپ کبھی بیس رکعات تراویح نہ پڑھتے بیس رکعات تراویح کا پڑھنا اور مکہ مکرمہ میں شروع سے لے کر آج تک بیس رکعات تراویح کا یہ تواتر پایا جانا اس بات کی قوی شہادت ہے کہ آٹھ رکعات تراویح کی ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔

وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة.

(جامع ترمذی جلد ۱، ص ۹۹)

ترجمہ: اور اس طرح ہم نے اپنے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوئے پایا ہے۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو امام مالکؒ کا مؤطا زبانی یاد رکھتا ہو اور اس میں یہ روایت ہو کہ حضرت ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ نے گیارہ گیارہ رکعتیں پڑھائیں وہ اس پر عمل نہ کرے اور بیس رکعات تراویح پڑھے یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ روایت اس کی نظر میں مضطرب ہو اور مؤطا کی اس روایت کے الفاظ احدی عشرنہ ہوں احدی وعشرین ہوں، جیسا کہ محدث عبدالرزاق کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آٹھ رکعات تراویح کی ایک حدیث نہیں بلکہ احادیث موجود ہیں وہ ذرا سوچیں کہ حضرت امام شافعیؒ نے آخر بیس رکعات تراویح ہی کو کیوں ترجیح دی انہیں وہ حدیثیں کیوں نہ ملیں آپ خود فرما چکے تھے اگر میرا کوئی قول خلاف حدیث ہو تو اسے دیوار پر مارو۔

## ۳۔ حضرت امام شافعیؒ کا آمین کے بارے میں فیصلہ

آمین زور سے کہنی چاہیے یا آہستہ؟ حضرت امام شافعیؒ مقتدیوں کے آہستہ آمین کہنے کو ہی پسند کرتے تھے آپ فرماتے ہیں:۔

ولا احب ان یجھروا بھا. (کتاب الام جلد۱، ص۹۵)

ترجمہ: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مقتدی بلند آواز سے آمین کہیں۔

اگر آمین بالجہر کی ایک حدیث بھی صحیح ہوتی کہ مقتدی اونچی آواز سے آمین کہیں تو امام شافعیؒ کبھی یہ نہ کہتے کہ میں آمین آہستہ کہنے کو ہی پسند کرتا ہوں۔ جس شخص کا یہ اعلان ہو کہ حدیث صحیح کے مقابلے پر میری رائے کی کوئی اہمیت نہیں اس کا آمین بالجہر کے مسئلے میں آہستہ آمین کہنے کا فیصلہ خود بتلاتا ہے کہ مقتدیوں کے آمین بالجہر کی کوئی حدیث اس مقام کو نہیں پہنچتی کہ اسے سنت قرار دیا جاسکے۔

امام شافعیؒ سنن کبری للبیہقی کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی آمین بالجہر کی روایت کے راوی ہیں یہ روایت صریح طور پر مقتدیوں کو آمین بالجہر کا سبق دیتی ہے اور وہ بھی اس درجہ میں کہ مسجد تھرا اٹھے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ امام شافعیؒ نے اس روایت کو (جو صحیح بخاری میں تعلیقا موجود ہے) قبول نہیں کیا اور اپنے مذہب کی بناء مقتدیوں کے آہستہ آمین

کہنے پر رکھی ہے (دیکھئے کتاب الام جلد۱ص۹۵) سو سنن کبری بیہقی کی روایت (جلد۲، ص۵۹) جسے امام شافعیؒ مسلم بن خالد الزنجیؒ سے اور وہ ابن جریج سے اور وہ اسے امام عطاء سے بصیغہ عن روایت کرتے ہیں ان کے یہاں ہرگز لائق قبول نہ تھی اس روایت کے راوی مسلم بن خالد الزنجیؒ خود منکر الحدیث ہیں اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں:۔

جس کے حق میں میں منکر الحدیث کہہ دوں اس سے روایت لینی حلال نہیں ہے۔

(رفع یدین اور آمین ص۳۲ از مولانا روپڑی)

عبداللہ بن زبیرؓ کی اس روایت کو محدث عبدالرزاقؒ نے بھی المصنف میں روایت کیا ہے اس میں بھی ابن جریج موجود ہے جو مدلس ہے اور وہ یہاں سے امام عطاء سے بصیغہ عن روایت کر رہا ہے یہ وہ نقائص تھے جن کی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس روایت کو سند متصل سے روایت نہیں فرمایا۔

## ۴۔ امام شافعیؒ طلاق ثلثہ کے مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ

امام شافعیؒ اس بات کے قائل نہ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ جو خود صحیح مسلم کی اس مجمل روایت کے راوی ہیں، فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں، تین ہی ہیں تین صرف اس عورت کے حق میں ایک مجھی جائیں گی جو غیر مدخول بہا ہو (ابھی گھر آباد نہ ہوئی ہو)

امام ابوداؤدؒ نے اس مجمل روایت پر یہ باب باندھا ہے کہ یہ روایت زن غیر مدخولہ کے بارے میں ہے کیونکہ وہ تین طلاق کا محل ہی نہیں اسے ایک دو تین سے تین طلاق دو تو بھی ایک ہی واقع ہوگی وہ پہلی ایک سے ہی بائن ہو جائے گی اس کے بعد زوجین دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ضروری نہیں کہ وہ عورت کہیں اور نکاح کر چکی ہو وہ اسی ترتیب طلاق سے پچھلی دو طلاقوں کا محل نہ رہی تھی۔

حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ھ) شارح صحیح مسلم شافعی المسلک ہیں آپ نے طلاق ثلثہ کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کو امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور دیگر ائمہ دین کے ساتھ ایک قرار دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیں تو وہ امام شافعیؒ کے نزدیک تینوں واقع ہوں گی ایسا نہیں جیسا کہ اہل حدیث (باصطلاح جدید) کہتے ہیں۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:۔

**فقال الشافعی ومالک وابوحنیفه واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث.** (نووی شرح مسلم جلد۱، ۴۷۸)

ترجمہ: امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ سلف و خلف کے جمہور علماء اسی فیصلے پر ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

## ۵۔ متکلمین کے بالمقابل مسلک محدثین کی برتری

حضرت امام شافعیؒ اپنے وقت کے حدیث وفقہ کے جلیل القدر امام تھے آپ نے حدیث وفقہ میں مشغول رہنے کو ہی دین قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ:۔

**علیکم باصحاب الحدیث فانهم اکثر الناس صوابا.**

(البدایہ جلد۱۰، ص۲۵۴)

ترجمہ: تم اصحاب الحدیث کے ساتھ چلو زیادہ تر راہ صواب پر یہی لوگ ہیں۔

یہاں اصحاب الحدیث بمقابلہ اصحاب علم کلام ہیں ظاہر ہے کہ متکلمین جتنی باتوں میں بہک سکتے ہیں، محدثین نہیں، کیوں کہ ان کے ہاں عقل کو دین میں راہ نہیں ملتی، یہ صحیح ہے کہ متکلمین بھی عقل کو لگام دیتے ہیں بایں ہمہ امام شافعیؒ نے اپنے اصحاب کو نصیحت فرمائی کہ محدثین کے ساتھ رہنے میں ہی عافیت ہے کہ یہاں نقل ہی نقل ہے عقل کا روایات میں کوئی دخل ہی نہیں۔

اصحاب الحدیث کا اطلاق ان تمام اہل السنۃ والجماعۃ کو شامل ہے جو معتزلہ اور عقل کے سایہ میں چلنے والے دوسرے فرقوں کے مقابلے میں کتاب وسنت کے علمبردار رہے۔

اہل حدیث یا اصحاب الحدیث کا لفظ جب معتزلہ کے مقابلہ میں آئے تو یہ فقہاء اور محدثین دونوں کو شامل ہوتا ہے اور اس سے مراد صرف احادیث کی روایت وکتابت کرنے والے نہیں بلکہ حدیث کی معرفت رکھنے والے اور اس میں فقہ کی دولت پانے والے کل اہل حق مراد ہوتے ہیں یہ لفظ متکلمین کے بالمقابل اہل نقل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

نحن لانعنی باہل الحدیث المقتصر ین علی سماعه اوکتابته اوروایته بل نعنی بهم کل من کان احق بحفظه و معرفته وفهمه ظاهرا وباطنا واتباعه باطنا وظاهرا۔
(نقض المنطق ص ۱۸)

ترجمہ: ہم اہل حدیث سے صرف وہی لوگ مراد نہیں لیتے جو حدیث سنتے، لکھتے اور اسے روایت کرنے میں لگے رہیں بلکہ ہماری مراد تمام وہ لوگ ہیں جو ظاہرا اور باطنا حدیث کی حفاظت اور اس کی پہچان اور اس کے سمجھنے کا حق رکھتے ہوں اور ظاہراً اور باطناً حدیث کی اتباع کرتے ہیں۔

سو محدثین اور فقہاء سب ایک راہ پر ہیں اور وہ وہ ہیں جو دین کو نقل سے لیتے ہیں اور عقل اور منطق سے وہ دین کے مسائل طے نہیں کرتے۔

ان منطقیوں کے مقابلہ میں جو لوگ فقہ و حدیث کے پیرو ٹھہرے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

یہ علوم حکمت و فلسفہ ایمان کو سلب کرنے والے اور دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے علوم ہیں اور خدا کی قسم صحابہؓ و تابعینؒ کو ان علوم سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ امام اوزاعی، سفیان الثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ، ابن ذئب اور امام شعبہ ان میں سے کسی علم کو قابل التفات سمجھتے تھے اور نہ بخدا امام ابن المبارک ہی ان علوم کے قائل تھے اور نہ امام ابو یوسف ہی جن کا قول تھا کہ جس شخص نے علم کلام کے ذریعہ دین سیکھا وہ کافر ہوگیا اور نہ امام وکیع، ابن مہدی، ابن وہب، امام شافعی، عفان، ابوعبید، ابن مدینی، امام احمد، ابوثور المزنی، امام بخاری، اثرم، امام مسلم، نسائی، ابن خزیمہ، ابن شریح، ابن المنذر اور ان جیسے دوسرے ائمہ اسلام میں سے کسی نے بھی مذکور بالا علوم کو از قسم علوم نہیں سمجھا اس کے برعکس ان ائمہ کے نزدیک اصل علوم جن کی تحصیل میں انہوں نے زندگیاں صرف کردیں وہ قرآن حدیث اور فقہ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ا، ص ۱۷۴ ترجمہ اُردو)

یہاں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اسماء گرامی اصحاب الحدیث کی حیثیت سے ہیں اور یہ الفاظ حدیث فقہ میں کام کرنے والے جملہ اہل حق کو شامل ہیں حضرت امام شافعیؒ خود

بھی یہی فیصلہ دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ علوم تین ہیں قرآن حدیث اور فقہ باقی جو کچھ ہے بس شغل ہی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ آپ سے نقل کرتے ہیں:۔

کل العلوم سوی القران مشغلة　　　　والا الحدیث والاالفقه فی الدین

(البدایہ جلد ۱۰ ص ۲۵۴)

یہ صحیح ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے حدیث روایت کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگایا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث میں آپ کا علم کسی محدث سے کم تھا رہا یہ سوال کہ پھر خطیب نے آپ کو قلیل الحدیث کیوں کہا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اس طرف بھی دیکھیں کہ خطیب نے چھوڑا کس کو ہے تیز مزاج لوگ کس طبقے میں نہیں ہوتے اگر محدثین میں خطیب آ نکلے تو کون سی تعجب کی بات ہے۔ بار بار یہ کہنا کہ خطیب کہتا ہے علم و دانش کی کوئی راہ نہیں۔

## حضرت امام شافعیؒ کے قلیل الحدیث ہونے کا مطلب

حضرت امام شافعیؒ نے زیادہ وقت فقہ پر لگایا اور سید الفقہاء کہلائے حدیث پڑھنے پڑھانے میں آپ نے زیادہ وقت نہیں لگایا قلیل الحدیث کا معنی یہ ہے کہ جو حدیث روایت کرنے میں کم دلچسپی لے جس طرح حضرت عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے خارجہ بن زید امام زفر اور ان جیسے اور کئی بزرگ گزرے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان بزرگوں کا علم حدیث کم تھا حدیث کو زیادہ جاننے والے تو یہی لوگ ہیں سو قلیل الحدیث ہونا ہرگز عیب نہیں ہے۔

حضرت امام ابو قدامہؒ جنہیں امام نسائی نے ثقہ اور مامون کہا علامہ ذہبی الحافظ الدوحہ کہتے ہیں ان سے امام شافعیؒ امام احمدؒ اسحٰق بن راہویہ اور امام ابوعبید کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا:۔

اما افهمهم فالشافعی الا انه قلیل الحدیث.

ترجمہ: ان سب میں فہم میں زیادہ امام شافعی ہیں گو انہوں نے (امام احمد اسحٰق اور ابوعبید کے مقابلہ میں) حدیث کم روایت کی ہے۔

اس جگہ قلیل الحدیث ہونے سے یہ مراد نہیں کہ امام شافعیؒ حدیث کم جاننے والے تھے حدیث کے علم میں کم ہونا اور بات ہے اور قلیل الحدیث ہونا دوسری بات ہے آخر سب لوگ امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ تو نہیں ہوتے۔

## حضرت امام شافعیؒ کے تفردات

امام شافعیؒ کبھی بعض مسائل کی تحقیق میں سب ائمہ سے اختلاف کر بیٹھتے ہیں ان مسائل کو آپ کے تفردات کہا جاتا ہے فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھنے میں آپ دوسرے سب اماموں کی تحقیق کے خلاف چلے ہیں ائمہ اربعہ میں تینوں امام فاتحہ خلف الامام کو فرض نہیں کہتے امام شافعیؒ اس مسئلہ میں سب سے علیحدہ ہیں اور فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں۔امام ترمذیؒ نے دبے لفظوں میں آپ کے اسی تشدد کی شکایت کی ہے:۔

> وشدد قوم من اهل العلم فی ترک قرأة فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لاتجزیٔ صلوة الابقرأة فاتحة الکتاب وحده کان اوخلف الامام. (جامع ترمذی جلد۱،ص۴۲)
>
> ترجمہ: اور اہل علم کی ایک جماعت نے (امام شافعی اور امام بخاری نے) نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے کے بارے میں گووہ امام کے پیچھے ہو شدت سے کام لیا ہے وہ کہتے ہیں سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی وہ اکیلا ہو یا کہ امام کے پیچھے۔

امام شافعیؒ کی اس شدت میں صرف امام بخاریؒ نے ان کا ساتھ دیا ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ حضرت امام بخاریؒ اس شدت میں امام شافعیؒ سے بھی کچھ آگے نکل گئے امام شافعیؒ صرف سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کوضروری جانتے تھے مگرامام بخاریؒ جہری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کوضروری سمجھتے ہیں اور یہ بات محدثین کے نزدیک تشدد ہے۔

ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اسلام جیسا دین فطرت یہ تعلیم کیسے دے سکتا ہے کہ امام کوتو کہے کہ تو قرأت بالجہر کر اور مقتدی کو کہے کہ تم نے اسے سننا نہیں تم اپنی سورۃ پڑھو اگر ایسا ہوتا تو شریعت امام کو کبھی نہ کہتی کہ تم جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ بالجہر پڑھو سو جب اسے بالجہر پڑھنے کو کہا تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مقتدی اب اسے سنیں اور اپنی فاتحہ نہ پڑھیں سو جو پھر بھی پڑھیں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ اپنی فاتحہ پڑھ چکے۔

امام شافعیؒ کی کتاب الام سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جہری نمازوں میں فاتحہ خلف

الامام کے حق میں نہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

**ونحن نقول كل صلوة صليت خلف الامام والام يقرء قرأة لايسمع فيها قرأ فيها.** (کتاب الام جلد ۷، ص ۱۵۳)

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ ہر نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام سری نماز پڑھ رہا ہو تو اس میں مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے۔

دیکھیے امام شافعیؒ مقتدیوں کے لیے صرف سری نماز میں فاتحہ پڑھنے کے حق میں ہیں جہری نمازوں میں نہیں، پھر سری نمازوں میں آپ فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کے قائل نہ تھے ورنہ کبھی یہ نہ کہتے کہ جس نے رکوع کی حالت میں امام کو پالیا اس کی وہ رکعت صحیح ہوگئی۔ (ایضاً جلد ۱، ص ۸۷)

حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ جس نے امام کو حالت رکوع میں پالیا (اور سورۃ فاتحہ نہ پڑھی ہو) تو اس کی وہ رکعت پوری ہو جاتی ہے امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابوثور، امام احمد، امام اسحٰق اور ابن راہویہ رحمھم اللہ اجمعین کا یہی مسلک ہے اور صحابہؓ میں حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مسلک تھا اور ہم نے تمہید میں ان کی جملہ اسانید درج کردی ہیں۔ (ماخوذ از امام الکلام ص ۶۰ اعلاء السنن جلد ۴، ص ۳۰۵)

## حضرت امام شافعیؒ کا دورِ تجدید

امام شافعیؒ سے پہلے علمی دنیا زیادہ تر اعتماد سے چلی تھی امام ابوحنیفہؒ کے دور میں کسی مسئلے کا یہ شہرت پاجانا کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یا حضرت امام نخعیؒ کا فیصلہ ہے، عمل کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا اور عمل اہل مدینہ کے ہوتے ہوئے امام مالکؒ کسی اور روایت کو لائق توجہ نہ سمجھتے تھے ان کے ہاں بھی حدیث کو نہیں، سنت کو لائق تمسک سمجھا جاتا تھا۔ مگر جب اسلام کے دائرہ میں اعتزال اور جبر وقدر اور رفض وارجاء داخل ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حالات کے اس نئے موڑ پر علماء کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اب دین صرف اعتماد سے نہیں اسناد سے چلے گا اس سلسلے میں مجددانہ قدم حضرت الامام الشافعی رحمہ اللہ نے اٹھایا اور اس میں شک نہیں کہ آپ دوسری صدی کے مجدد تھے۔

ہمیں افسوس ہے کہ امام شافعیؒ کسی ایک جگہ کو مرکز بنا کر اپنا یہ عملی کام نہ کر سکے آپ کا مختلف دیار وامصار میں گھومنا آپ کا بہت وقت لے گیا آپ کا قیام زیادہ تر مصر اور مکہ مکرمہ میں رہا اگر آپ کو امام ابوحنیفہؒ کی طرح کسی بڑے صحابی کی گدی ملتی یا حضرت امام مالکؒ کی طرح جوار رسول میں ٹھکانا ملتا تو دنیا کے علم میں پھر انہی کا نام ہوتا۔

آپ سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات زیادہ سنت کے نام سے پھیلتی رہیں آپ کی محنتوں سے حدیث کا دور دورہ شروع ہوا۔ آپ جب بغداد آئے تو علماء عراق نے آپ کا پرجوش استقبال کیا اور آپ کو ناصر الحدیث کا لقب دیا حدیث صدیوں کے فاصلے سے بھی سنی جاسکتی ہے مگر سنت میں ایک تسلسل ہے جو وقت کے ہر فاصلے کو روشن رکھتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں جب میں بغداد آیا تو:۔

سمیت ببغداد ناصر الحدیث. (تہذیب جلد۹، ص۲۸، ص۲۹)

امام شافعیؒ ان نئے حالات میں سند کی ضرورت پر خوب بولے آپ نے اس نئے موضوع پر بڑے زوردار خطبے دیئے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے زمانے کو ہلا کر رکھ دیا اور اس نئے موڑ میں ان کی بہت ضرورت تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ تاریخ اسلام کا پہلا دور خیر کا ہوگا اور جھوٹ دوسرے دور میں چلے گا اب ظاہر ہے کہ جب جھوٹ کے رد کی ضرورت ہوگی تو قواعد تحدیث تبھی مرتب ہوں گی آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

اکرمو اصحابی فانھم خیارکم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یظھر الکذب. (مشکوٰۃ ص۵۵۴)

ترجمہ میرے صحابہؓ کی عزت کرو کیونکہ وہ بہترین امت ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے ملیں پھر وہ جو ان سے ملیں پھر جھوٹ چھا جائے گا۔

جب جھوٹ کا دروازہ کھلے تو پڑتال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نئے دور میں اعتقادی فتنے اور مذاہب باطلہ جس چال سے اٹھے حالات کا تقاضا تھا کہ اب سند مہیا ہو اور علم رجال قائم کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہاں شخصی اعتماد پر مرسل روایات لائق قبول تھیں۔ امام شافعی نے اپنا نظریہ قائم کیا صحابہؓ کی مرسل روایات تو حجت سمجھی جائیں لیکن تابعین کی مرسل روایات حجت نہ سمجھی جائیں امام محمدؒ کے شاگردوں نے یہاں بھی امام شافعیؒ سے اختلاف کیا کہ جس طرح تم نے صحابہؓ کی مرسلات کو اس ضابطے سے مستثنیٰ کیا ہے اکابر

تابعین اور ائمہ فن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات نقل کریں اسے ان کے اعتماد پر کیوں نہ قبول کیا جائے؟ امام مالک کے پیروان کی وہ باتیں بھی قبول کرتے رہے جو انہوں نے بلغنی کہہ کر صحابیؓ سے نقل کی تھیں۔

حضرت امام مالکؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا دور نہیں پایا نہ وہ تابعی تھے لیکن دیکھئے بلغنی کہہ کر کس طرح وہ حضرت ابن عباسؓ کا فتوٰی روایت کر رہے ہیں یہ اعتماد کی ایک بہت روشن مثال ہے۔

**مالک بلغه ان رجلا قال لابن عباس انی طلقت امرأتی مائه تطليقة فماذا ترى علی فقال له ابن عباس طلقت منك ثلث** (ص ۲۰۹)

اب غور کیجیے کیا اس سو طلاق دینے والے نے سو مہینوں میں دو طلاقیں دی تھی یا ایک ہی دفعہ اگر ایک ہی دفعہ دیں تو پہلی تین جو تین مانی گئیں تو وہ بھی تو ایک ہی دفعہ دی ہوں گی نہ کہ تین مہینوں میں متفرق۔

## دور اعتماد اور دور اسناد کے اثرات

دور اعتماد میں سلسلہ تقلید شروع ہو چکا تھا گو ابھی یہ تقلید شخصی نہ تھی پھر دور اسناد آیا اور روایات پر سندیں پوچھی جانے لگیں تاہم دور اعتماد کے حلقوں میں بھی اسناد کی لہریں چلنے لگیں اور ان حلقوں نے بھی متصل اسانید سے بھی اپنے فتاوٰی کو مسند کیا یہاں تک کہ اسلام کے اس دور اعتماد کے علمی فیصلے بھی بہت جلد مرتب اور مستند ہو گئے۔ راویوں کی جرح وتعدیل کے ساتھ جو روایات بھی مسند اور مسلسل مل سکتی تھیں انہیں اس نئے دور اسناد میں اپنا مقام مل گیا یہاں تک کہ یہ دونوں سلسلے اپنے اصول وعقائد میں ایک ہو گئے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پہلے دور کے صحائف حدیث جیسے مؤطا امام مالک، کتاب الآثار لامام محمد، المصنف لعبد الرزاق، کتاب الام للامام الشافعی اور المصنف لابن ابی شیبہ کی وہ ترتیب وتبویب نہیں جو ہمیں بعد کے حدیث کے لٹریچر میں ملتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے حدیث اپنے علمی حلقوں میں معروف نہ تھی یہ مستشرقین کا پروپیگنڈہ ہے کہ حدیث دور نبوت کے بہت بعد جا کر پہنچائی گئی ہے۔ یہ سراسر غلط ہے کہ متون حدیث پہلے جمع ہوئے تھے اور اسانید انہیں بعد میں فراہم کی

گئیں۔ استغفر اللہ العظیم

## دور اسناد کی درماندگی اور اعتماد کی بازگشت

امام شافعیؒ نے اسناد اور اتصال رواۃ پر بہت زور لگایا اور امت کو بار بار رسالت تک راہ استناد سے پہنچنے کی تلقین کی لیکن آخر کار آپ پر خود بھی ایسے مراحل آئے کہ آپ بعض مسائل کو روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ میں نہ ڈھونڈ پائے اور بالآخر آپ کو بھی اعتماد کی دہلیز پر جھکنا پڑا۔ حضرت امام شافعیؒ کی اس بازگشت نے آنے والے ادوار پر بہت اثر ڈالا اور ابھی تیسری صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ عامۃ الناس تقلید میں ہی عافیت اور آخرت کی برأت سمجھنے لگے۔

مسئلہ تراویح میں کسی حدیث صحیح سے معلوم نہ ہوسکا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات جو تراویح ادا کیں کتنی رکعات تھیں؟ اب بجز اس کے اور کوئی راہ نہ تھی کہ تعامل سنت پر فیصلہ کیا جائے۔ امام شافعیؒ نے تعامل دیکھ کر بیس رکعات تراویح کا ہی فیصلہ فرمایا اور دلیل میں فرمایا:۔

وھکذا ادرکت بلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ.

(جامع ترمذی جلد۱، ص۹۹)

ترجمہ: میں نے اہل مکہ کو اسی طرح بیس رکعات پڑھتے ہوئے پایا ہے۔

کیا یہ وہی اعتماد کی بازگشت نہیں جس کے خلاف آپ نے پہلے اتنے پرزور استدلال کیے تھے۔

اس سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ امت میں عمل کا اصل سنگ بنیاد اعتماد ہی رہا ہے، تحقیق اور پڑتال نے بھی اس کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا ہے اور یہ فقہاء کے فتاویٰ ہی ہیں جن سے اس امت کے عملی قدم اسلام کے لیے اٹھتے رہے اور چلتے آئے ہیں جب تک دنیا میں اعتماد کا غلبہ رہا امت میں ایک وحدت رہی جب ہر بات میں نئی تحقیقات ہونے لگیں تو پچھلی تاریخ کے ہر دور میں تشکیک کے کانٹے جالگے، نئی نسلوں نے پہلوں سے بیگانگی اختیار کی اور تقلید اور اعتماد کی دولت یکسر لٹ گئی اور حدیث کی جملہ اسانید کے بارے میں مستشرق گولڈزیہر نے کہا کہ متون حدیث پہلے مرتب ہوئے تھے اور سندیں انہیں بعد میں فراہم کی گئی تھیں یہ ایک آواز ہے جو ابھی تک نہیں دبی۔

ڈاکٹر اقبال نے اس نئی تحقیق کی دنیا کو غمناک آنکھوں سے دیکھا اور پھر قوم کو عہد رفتہ پر لوٹنے کی آواز دی۔

راہ آباء روکہ ایں جمعیت است
معنی تقلید ضبط ملت است

نوٹ: امام شافعیؒ کا سال پیدائش ۱۵۰ھ ہے جو امام ابوحنیفہؒ کا سال وفات تھا اور امام شافعیؒ کا سال وفات ۲۰۴ھ ہے جو امام مسلمؒ کا سال پیدائش تھا یہ عجیب حکمت الٰہیہ ہے کہ ایک بزرگ جاتا ہے اور ایک بزرگ آتا ہے یہ سب حضرات اہل حق کے قافلے کے افراد ہیں جو اپنے وقت میں آئے اپنی شمع فروزاں کی اور چل دیے۔

# ۱۱۔ حضرت امام اسحٰق بن ابراہیم راہویہؒ (۲۳۸ھ)

حضرت امام اسحٰق بن ابراہیم المعروف بابن راہویہؒ حافظ کبیر اور مجتہد جلیل تھے آپ مرو (نیشاپور) کے رہنے والے تھے بچپن میں حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کی بھی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور آپ سے آپ کچھ فقہ حنفی سے متعارف ہوئے پھر بصرہ میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کی شاگردی کی اور بالآخر مستقل مجتہد کے طور پر مسائل طے کرنے لگے۔
آپ حضرت امام بخاریؒ کے نامور اساتذہ میں سے ہیں امام ترمذیؒ جہاں دوسرے مجتہدین کے مذاہب نقل کرتے ہیں وہاں آپ ان کا مذہب بھی کہیں کہیں ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اسحٰق نے یوں کہا۔

## امام اسحٰقؒ کے اساتذہ

آپ کے اساتذہ حدیث حضرت جریر بن عبدالحمیدؒ، حضرت عبدالعزیز بن عبدالصمدؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت عیسٰی بن یونسؒ، حضرت دراوردیؒ اور دیگر کئی حضرات ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱، ص ۴۲۵)

آپ نے امام سفیان بن عیینہؒ، اسماعیل بن علیہؒ، بشر بن المفضلؒ، امام حفص بن غیاثؒ، ابن ادریسؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام عبدالرزاق، حضرت شعیب بن اسحٰق وغیرہم سے بھی حدیث روایت کی ہے۔

جس طرح آپ کے تلامذہ میں امام بخاریؒ ہیں سوائے امام ابن ماجہؒ کے باقی ارباب صحاح ستہ بھی آپ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں آپ سے امام احمدؒ، امام یحیٰی بن معینؒ یحیٰی بن آدمؒ، حسن بن سفیانؒ اور ابوالعباس بن سراجؒ وغیرہم نے حدیث روایت کی ہے۔

امام اسحٰق بن راہویہؒ کے حوالہ سے یہ روایت دیکھئے:۔

اسحق عن شبابة عن الليث عن عقيل عن ابن شهاب عن انس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(تہذیب جلد ۱، ص ۲۱۹ بحوالہ میزان الاعتدال)

حدیث کے یہ الفاظ صحیح مسلم جلد ۱، ص ۲۴۵ پر بھی موجود ہیں مگر سند دوسری ہے۔

## حضرت امام کا مرتبہ علمی

حضرت امام احمدؒ امام اسحٰقؒ کو امام من ائمۃ المسلمین کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے اسحٰقؒ کی نظیر نہیں دیکھی۔ (تذکرہ جلد۱، ص۳۲۵ تہذیب جلد۲، ص۲۱۷)

حضرت سعید بن ذئب بھی یہی فرماتے تھے۔ (بغدادی جلد۶، ص۳۵۰)

حافظ ابن کثیرؒ آپ کو احد الاعلام وعلماء الاسلام والمجتهدين من الانام لکھتے ہیں۔ (البدایہ جلد۱۰، ص۳۱۷)

علامہ ذہبیؒ نے آپ کو الحافظ الکبیر امام اور جملہ اہل مشرق کے شیخ فرمایا ہے۔ (تذکرہ جلد۱، ص۳۲۵)

حافظ ابن حجرؒ آپ کو احد الائمۃ لکھتے ہیں۔ (تہذیب جلد۱، ص۲۱۹)

امام نسائیؒ نے بھی آپ کو احد الائمۃ ثقۃ مامون فرمایا۔ (ایضاً)

امام ابوزرعہؒ کہتے ہیں کہ اسحٰق سے زیادہ کسی کو قوی الحافظہ نہیں دیکھا۔

ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ مجھے ان کے قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ ضبط احادیث اور ان کے حدیث میں غلطیوں سے بچے رہنے پر تعجب ہوتا ہے:۔

والعجب من اتقانه وسلامته من الغلط مع مارزق من الحفظ. (تہذیب جلد۱، ص۲۱۸)

ابن حبانؒ نے لکھا ہے کہ اسحٰق اپنے زمانے میں فقہ علم اور حفظ کے اعتبار سے سب کے سردار تھے۔ (ایضاً)

ابوداؤد خفافؒ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

میری کتابوں میں لکھی ہوئی ایک لاکھ حدیث اس طرح میری آنکھوں کے سامنے ہے، جیسے میں ان کو دیکھ رہا ہوں اور تیس ہزار احادیث تو میں روانی کے ساتھ ازبر پڑھ سکتا ہوں۔ (تذکرہ جلد۱، ص۳۲۵)

ابوداؤدؒ یہ بھی کہتے ہیں:۔

ایک مرتبہ ہمیں آپ نے گیارہ ہزار احادیث زبانی لکھوائیں پھر ان کو پڑھ کر سنایا اور ایک حرف میں بھی کمی بیشی نہ تھی۔ (تہذیب جلد۱، ص۲۱۷)

یہاں یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب امام بخاریؒ کے استاد امام اسحٰق کے پاس گیارہ ہزار حدیثیں موجود تھیں جو لکھنے کے لائق تھیں تو صحیح بخاری کی حدیثیں بحذف مکررات چار ہزار کیوں ہیں؟ اس کا جواب امام بخاریؒ خود دے چکے ہیں کہ میں نے بہت سی صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں اور انہیں صحیح بخاری میں نہیں لکھا اگر امام بخاریؒ سب صحیح حدیثیں اس میں لے آتے تو بہت امید تھی کہ ان احادیث میں امام ابوحنیفہؒ کی تائید میں اور زیادہ مواد ہوتا۔

وہب بن جریرؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امام اسحٰقؒ کو اسلام کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے:

**جزی اللّٰہ اسحق بن راھویہ عن الاسلام خیرا.**

امام ابن خزیمہؒ کہتے ہیں:۔

**واللہ لو کان فی التابعین لاقروالہ بحفظہ وعلمہ وفقھہ.**

**(ایضاً)**

ترجمہ: اور اگر آپ تابعینؒ کے دور میں ہوتے تو وہ یقیناً آپ کے حفظ علم اور فقہ کا اقرار کرتے۔

حضرت امام سفیان الثوریؒ جیسے ائمہ مجتہدین جن کی کچھ عرصہ تک تقلید بھی جاری رہی انہیں بعض علماء نے امام اسحٰق بن راھویہؒ سے پیچھے رکھا ہے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

اگر سفیان الثوریؒ حماد بن زیدؒ اور حماد بن سلمہؒ زندہ ہوتے تو ان کے محتاج ہوتے۔ (تذکرہ جلد ا، ص ۴۳۵)

حضرت امام بخاریؒ کے استاد امام حمیدیؒ (۲۱۹ھ) جو امام سفیان ابن عیینہؒ، مسلم بن خالد الزنجیؒ اور امام فضیل بن عیاضؒ کے شاگرد تھے فقہ میں امام شافعیؒ کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کے ذریعہ امام بخاریؒ پر امام شافعیؒ کا رنگ کچھ تیز رہا مگر جب امام بخاریؒ امام اسحٰقؒ کی شاگردی میں آئے تو بہت سے مسائل میں آپ نے کھل کر امام شافعیؒ کی مخالفت کی اور امام اسحٰقؒ کے ذریعہ بعض مسائل کو حنفی مسلک کے مطابق پایا۔

محدث کبیر حضرت مولانا بدرعالم صاحب مہاجر مدنیؒ نے فیض الباری شرح صحیح البخاری کے آخر میں ان مسائل کی ایک فہرست مرتب کی ہے جن میں امام بخاریؒ امام اسحٰق بن راھویہؒ کے طریقہ پر چلے ہیں اور ان میں امام بخاریؒ احناف کے بہت قریب ہو جاتے

ہیں امام حمیدیؒ بھی بقول امام احمدؒ مرتبہ امامت (اجتہاد) پر پہنچے ہوئے تھے۔

(تذکرہ الحفاظ جلد ۱، ص ۴۱۲)

مگر ان کی نسبت امام شافعیؒ سے ایسی ہوگئی تھی جیسی امام محمدؒ کی امام ابوحنیفہؒ سے ہو اگر ابن عبدالحکیمؒ ان کی مخالفت نہ کرتے تو حمیدیؒ ہی امام شافعیؒ کے جانشین ہوتے۔

ہم یہاں امام اسحٰقؒ کا ذکر مجتہدین کے ذیل میں کر رہے ہیں اور حق یہ ہے کہ آپ مجتہد تھے مگر آگے ان کی پیروی نہ چل سکی تاہم ان حضرات کے جو علمی موتی محفوظ رہ گئے وہ وہی ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں امام ترمذیؒ بھی کئی جگہ دیگر مذاہب کے ساتھ ان کا مذہب نقل کرتے ہیں۔

## حضرت امام ابوحنیفہؒ امام اسحٰقؒ کی نظر میں

امام اسحٰق بن راہویہؒ امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے تقریبا گیارہ یا پندرہ سال بعد پیدا ہوئے تھے اور آپ نے امام محمدؒ کو نہ دیکھا تھا آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کی کچھ تعلیم عبداللہ بن مبارکؒ سے حاصل کی اس سے آپ کے دل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عقیدت وعظمت اس طرح قائم ہوئی آپ فرمایا کرتے تھے:۔

میں نے کسی کو ان سے زیادہ احکام وقضایا کا عالم نہیں پایا امام ابوحنیفہؒ کو عہدۂ قضا قبول کرنے کے لیے مجبور کیا گیا اور مارا بھی گیا مگر آپ نے کسی طرح قبول نہیں کیا آپ تعلیم وارشاد محض خدا کے لیے کرتے تھے۔ (مناقب کردری جلد ۲، ص ۵۸)

۱۔ حضرت امام اسحٰق بن راہویہؒ فاتحہ خلف الامام کے حق میں نہ تھے حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:۔

> وجملة ذلک ان القراۃ غیرواجبة علی الماموم فیما جهربه الامام ولافیما اسربه نص علیه احمدفی روایة الجماعة وبذلک قال الزهری والثوری وابن عیینة وابن مالک وابوحنیفة واسحق بن راهویه. (المغنی جلد ۱)

اس میں تصریح ہے کہ امام اسحٰق بن راہویہؒ مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب نہ جانتے تھے۔

ہمیں امام ترمذیؒ کی اس بات سے اتفاق نہیں کہ امام اسحٰق بن راہویہؒ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنے کا حکم دیتے تھے۔ (جامع ترمذی جلد۱، ص۴۱)

یہ امام ترمذیؒ کا وہم ہے امام ترمذیؒ نے جن اکابر کے نام سے یہ مسلک نقل کیا ہے ان میں صحابہؓ وتابعینؒ، امام مالکؒ، امام ابن المبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ سب آتے ہیں ان میں اکثر اکابر وہ ہیں جو صراحتہً یہ کہتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام واجب نہیں ہے۔ لیجیے مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری سے بھی اس کی شہادت لے لیجیے آپ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

**فیه اجمال ومقصوده ان هؤلاء الائمة کلهم یرون القرأة خلف الامام امافی جمیع الصلوة اوفی الصلوة السریة فقط اماعلی سبیل الوجوب اوعلی سبیل الاستحباب والاستحسان.**

(تحفۃ الاحوذی جلد۱، ص۲۵۴)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کی یہ عبارت مجمل ہے آپ کا مقصود صرف یہ ہے کہ یہ سب ائمہ قرأت خلف الامام کے قائل تھے ۱۔سب نمازوں میں یا صرف سری نمازوں ۲۔ اور پھر سورۂ فاتحہ کو واجب سمجھتے ہوئے یا مستحب جانتے ہوئے۔

اس سے معلوم ہوا امام ترمذیؒ کے ہاں بھی ان حضرات کا فاتحہ خلف الامام کا قول کرنا فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے لیے نہ تھا۔

مولانا مبارک پوری آگے چل کر صراحت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ تمام نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے قائل نہ تھے۔ (دیکھیے تحفۃ الاحوذی ص۲۵۷)

اور امام ابن المبارکؒ کے بارے میں بھی آپ نے لکھ دیا ہے کہ وہ بھی فاتحہ خلف الامام کو واجب نہ سمجھتے تھے۔

آپ پچھلے صفحات میں امام مالکؒ کا مذہب پڑھ چکے ہیں اور اگلے صفحات میں امام احمدؒ کے مذہب پر بھی نظر کریں گے جہاں تک امام اسحٰقؒ کے مذہب کا تعلق ہے آپ ابن قدامہؒ کی تصریح پڑھ چکے ہیں کہ اس باب میں امام اسحٰقؒ کا مذہب فقہ حنفی ہی کی طرح ہے۔

۲۔ ایک مجلس میں دی جانے والی اکٹھی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر پوری

امت کا اتفاق ہے امام اسحٰق بن راہویہؒ بے شک بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کرام سے بھی اختلاف کرتے رہے لیکن تین طلاق کے معاملے میں آپ نے بھی وہی موقف اپنایا ہے جو تمام ائمہ محققین کا متفقہ موقف رہا تھا۔

شارح بخاری علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعي والنخعي والثوری وابو حنيفة واصحابه و مالک واصحابه والشافعي واصحابه واحمد واصحابه واسحق وابو ثورو ابوعبيد واخرون كثيرون علی ان من طلق امراة ثلاثا وقعن لكنه يأثم وقالوا من خالف فيه فهوشاذ مخالف لاهل السنة وانما تعلق به اهل البدع ومن لا يلتفت اليه لشذوذه عن الجماعة التی لايجوز عليهم التواطئو علی تحريف الكتاب والسنة. (عمدۃ القاری جلد۲۰، ص۲۳۳)

## ۱۲۔ حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل الشیبانیؒ (۲۴۱ھ)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ مرو میں پیدا ہوئے زیادہ سکونت بغداد میں رہی آپ نے بغداد کے بہت سے علماء سے اور شیوخ سے علم حاصل فرمایا آپ کے اساتذہ میں امام ابویوسفؒ، امام وکیعؒ، یحییٰ بن زائدہؒ، امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر اکابرین ہیں۔ آپ ابراہیم بن سعدؒ، سفیان بن عیینہؒ، اسماعیل بن علیہؒ یحییٰ بن سعید القطانؒ وغیر ہم سے بھی روایت کرتے ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام ابوزرعہؒ، امام ابوالقاسم بغویؒ، جیسی شخصیتیں ہیں آپ سے اور بھی بہت سے نامور علماء نے فیض حاصل کیا۔ (تذکرہ الحفاظ جلد۱، ص۴۲۳)

آپ امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت کریمہ سے بہت متاثر تھے یہ امام ابویوسفؒ کی شاگردی کا اثر تھا۔

علامہ ابن حجر شافعی مکیؒ نے امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ علم وتقویٰ

زہد اور اختیار آخرت میں اس مقام پر تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکا۔ (درمختار، الخیرات الحسان ص ۳۴)

جب امام احمدؒ مسئلہ خلق قرآن کے سلسلے میں قید ہوئے اور آپ کو صعوبتوں میں ڈالا گیا اس وقت آپ کے سامنے امام ابوحنیفہؒ کی سیرت تھی جس نے آپ کو حوصلہ اور ثابت قدمی عطا کی تھی۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے لیے دعائے رحمت فرماتے تھے اور آپ کی جرأت و عزیمت کی داد دیتے تھے۔

**وكان احمدبن حنبل اذا ذكرذلك بكى وترحم على ابى حنيفه وذلك بعد ان ضرب احمد.**

(بغدادی جلد ۱۳، ص ۳۲۷، ابن خلکان جلد ۲، ص ۱۶۲)

ترجمہ: امام احمدؒ جب آپ کو یاد کرتے تو رو پڑتے اور آپ کے لیے دعا کرتے یہ آپ کے اس ابتلی میں زد و کوب ہونے کے بعد کی بات ہے۔

آپ امام ابویوسفؒ کے شاگرد رشید تھے اور فرمایا کرتے تھے:۔

سب سے پہلے مجھے حدیث کا علم امام ابویوسفؒ ہی کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا پھر اسی میں ترقی کی۔ (مناقب موفق جلد ۲، ص ۱۶۰)

حافظ ابن سیدالناس نے شرح السیرۃ میں لکھا ہے:۔

امام احمد نے ابتداء میں امام ابو یوسفؒ کے پاس فقہ و حدیث کا علم حاصل کیا۔ ایک سال تک ان سے پڑھتے رہے اور ان سے بقدر تین الماریوں کے کتابیں لکھیں۔ (تذکرہ محدثین جلد ۱، ص ۱۳۹)

آپ حضرت امام محمدؒ کی جلالت علم اور عمق فقہ کے بھی بے حد معترف تھے آپ سے انہیں ایک خاندانی نسبت بھی تھی آپ کھلے عام فرماتے تھے کہ مجھے امام محمدؒ کی کتابوں سے دقیق مسائل حاصل ہوئے ہیں آپ سے پوچھا گیا:۔

**هذه المسائل الدقائق من اين هى لك قال من كتب محمدبن الحسن رحمه الله.** (البدایہ جلد ۱۰، ص ۲۰۲)

ترجمہ: یہ باریک مسائل آپ کو کہاں سے ملے ہیں (آپ نے کہا) امام محمدؒ کی کتابوں سے۔

جب کسی مسئلہ میں تین حضرات کی رائے جمع ہو جائے تو پھر کسی کی بھی مخالفت کی پروانہ کی جائے (آپ سے پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ تو فرمایا) ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ اور محمد بن الحسن الشیبانیؒ کیونکہ ابوحنیفہؒ قیاس کی بصیرت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں ابویوسفؒ کا علم آثار سے متعلق بہت وسیع ہے اور محمدؒ عربیت کے امام ہیں۔

(الانساب للسمعانی، التعلیق الجد، تذکرہ محدثین جلد۱، ص۱۲۹)

حضرت امام یحییٰ بن سعید القطانؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے خاص مسترشدین میں سے تھے اور امام صاحبؒ ہی کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے آپ کے استاد تھے حضرت امام احمدؒ امام یحیٰ بن معینؒ اور امام علی بن المدینیؒ اکٹھے آپ کی خدمت میں (یحیٰ بن سعیدؒ کی خدمت میں) حاضر ہوتے اور کھڑے ہوکر حدیث کی تحقیق کرتے استاد کا احترام تھا کہ بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

حضرت امام شافعیؒ سے بھی آپ کو خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا امام شافعیؒ کا بھی بے حد ادب واحترام فرماتے تھے اور امام شافعیؒ بھی اپنے شاگرد رشید سے بہت محبت فرماتے تھے اور آپ کی جلالت علم تقویٰ اور فقہ ودانش کی تعریف فرماتے تھے امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ جب میں بغداد سے نکلا تو میں نے اپنے پیچھے کوئی ایسا آدمی نہیں چھوڑا جو علم وفضل اور فقہ ودانش میں امام احمدؒ سے بڑھا ہوا ہو۔

(تہذیب جلد۱، ص۷۳ البدایہ جلد۱۰، ص۳۳۵، تذکرہ جلد۱، ص۳۲۳)

امام اسحٰق بن راھویہؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اس زمین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں:۔

احمد حجة بین الله وبین عبیده فی ارضه.

(البدایہ جلد۱۰، ص۳۳۶)

امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی مدد دو شخصوں کے ذریعہ فرمائی:۔

۱۔ فتنہ ارتداد کے وقت سیدنا صدیق اکبرؓ اٹھے۔

۲۔ فتنہ خلق قرآن کے زمانہ میں امام احمدؒ اٹھے۔ (تذکرہ جلد۱، ص۳۲۳)

امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ آپ کو دس لاکھ حدیث یاد تھی۔

(ایضاً وتہذیب جلد۱، ص۷۴)

امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ واللہ میں نے امام احمدؒ جیسا شخص نہیں دیکھا۔

(تذکرہ)

اور فرمایا کہ آپ محدث حافظ عالم متقی زاہد اور عاقل تھے۔

(البدایہ جلد۱۰، ص۳۳۶)

ابوثورؒ فرماتے تھے کہ امام احمدؒ سفیان ثوریؒ سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے۔ (تذکرہ)

اور فرمایا: احمد شیخنا وامامنا. (تہذیب ص۷۴)

ابوعبیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص جیسا نہیں پایا۔ (تہذیب ص۷۴)

ابراہیم حربیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب لوگوں کا علم ان کے سینہ میں جمع کر دیا ہے۔ (تذکرہ ص۳۲۳)

امام قتیبہؒ آپ کو امام الدنیا کہا کرتے تھے۔ (تہذیب ص۷۵) کہ دنیا میں ان کی نظیر نہیں سب کے سردار ہیں۔ خربیؒ آپ کو افضل زمانہ کہتے ہیں۔ (ایضاً)

علامہ عجلیؒ نے آپ کو ثقہ، حدیث میں ثبت فقیہ فی الحدیث متبع الآثار اور صاحب سنہ کہا ہے۔ (ایضاً)

امام ابوحاتمؒ آپ کو امام اور حجت کہتے ہیں امام نسائیؒ نے آپ کو احد الائمۃ ثقہ مامون فرمایا۔ (ایضاً)

ابن حبانؒ نے ثقات میں آپ کو حافظ متقن اور فقیہ فرمایا۔ ابن سعدؒ نے آپ کو ثقہ ثبت صدوق اور کثیر الحدیث لکھا ہے۔ (ایضاً)

حافظ بن کثیرؒ آپ کو الامام اور من ائمۃ اہل العلم لکھتے ہیں۔

(البدایہ جلد۱۰، ص۳۳۷)

جب کہ علامہ ذہبیؒ آپ کو شیخ الاسلام سید المسلمین الحافظ اور الحجہ لکھتے ہیں۔

(تذکرہ جلد۱، ص۳۲۳)

خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ امام احمد امام المحدثین ناصر الدین المناضل عن السنۃ الصابر فی المحنۃ تھے۔ (بغدادی جلد۴، ص۴۱۲)

علامہ ذہبیؒ تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ علامہ ابن جوزیؒ شیخ الاسلام انصاریؒ نے آپ کے حالات پر مستقبل کتابیں لکھیں۔

## مرکز علم کوفہ امام احمد کی نظر میں

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ امام احمدؒ نے جس طرح بغداد کے علماء شیوخ سے علم حاصل کیا کوفہ کے بھی علماء سے استفادہ کیا آپ کی نظر میں جس طرح مکہ اور مدینہ مرکز علم تھے کوفہ اور بصرہ بھی علم کی دولت سے مالامال تھے۔ آپ کے صاحبزادے امام عبداللہؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ انسان علم حاصل کرنے کے لیے ایک ہی استاد کے پاس رہے یادیگر مقامات کے شیوخ سے استفادہ کرے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

یرحل ویکتب من الکوفین والبصرین واهل المدینة والمکة. (تدریب الراوی ص۱۷۷)

ترجمہ: چاہیے کہ سفر کرے اور (علماء) اہل کوفہ و بصرہ (اور علماء) اہل مدینہ و مکہ سے (علم) حاصل کرے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح ان دنوں مکہ اور مدینہ مرکز علم سمجھے جاتے تھے کوفہ اور بصرہ بھی مراکز علم میں سے تھے۔

آپ کے شاگرد رشید امام بخاریؒ بھی لاتعداد مرتبہ کوفہ آئے اور وہاں کے شیوخ وعلماء سے حدیث کی سماعت کی کوفہ کی علمی شہرت ان دنوں بہت اونچی تھی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں:۔

لااحصی کم دخلت الی الکوفة وبغداد مع المحدثین.

(فتح الباری جلد۱)

ترجمہ: میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں دیگر محدثین کے ساتھ کتنی دفعہ کوفہ اور بغداد گیا ہوں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کوفہ علم وفضل کا مرکز رہا ہے:۔

وهی دار الفضل ومحل الفضلاء. (شرح مسلم جلد۱، ص۱۸۵)

امام احمدؒ نے اسی لیے اپنے فرزند ارجمند کو علماء اہل کوفہ سے بھی علم حاصل کرنے

کی تلقین فرمائی۔

## علم فقہ امام احمدؒ کی نظر میں

حدیث کا یاد کر لینا اور اس کا حافظ ہو جانا اور بات ہے اور اس میں معرفت رکھنا اور فقہ حاصل کرنا یہ دوسری بات ہے۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ (۵۴ھ) سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا الی من لم یسمعھا فرب حامل فقہ لافقہ لہ ورب حامل فقہ الی من افقہ منہ. (ابن ماجہ ص۲۱ و سنن داری جلد۱، ص۷۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو سرسبز رکھے جس نے میری بات سنی اور اسے محفوظ رکھا اور اسے اس شخص تک پہنچایا جس نے اسے نہ سنا تھا بہت سے حامل فقہ ہوتے ہیں (مگر وہ روایت کو سمجھتے نہیں) انہیں فقہ حاصل نہیں ہوتی اور کئی حامل فقہ ہوتے ہیں (جو فقیہ تو ہوتے ہیں) جو اپنے سے بڑے فقیہ کو وہ روایات پہنچا دیتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہی کہ ہو سکتا ہے بہت سے لوگ حافظ حدیث تو ہوں گے لیکن حدیث میں تفقہ کرنا ان کا کام نہ ہوگا انہیں بتلایا گیا کہ وہ اس حدیث کو اس کے اصل مستحق یعنی فقیہ تک پہنچا دیں کیونکہ حدیث کی اصل مراد پانے والے اور اس میں سے مسائل استنباط کرنے والے وہی (اہل فقہ) ہیں جن کے ذریعہ امت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل مراد پا سکے۔

حضرت امام احمدؒ اپنے وقت کے بہت بڑے حافظ حدیث تھے مسند امام احمدؒ آپ کی منزلت علمی پر شاہد ہے تاہم آپ کو یہ بات زیادہ پسند تھی کہ حدیث میں معرفت اور تفقہ حاصل ہو جائے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

قال احمد بن حنبل معرفۃ الحدیث والفقہ فیہ احب الی من حفظہ. (منہاج السنۃ جلد۱، ص۱۱۵)

ترجمہ: مجھے حدیث کی معرفت اور فقہ، حدیث کو یاد کرنے سے
زیادہ پسند ہے۔ (یعنی میں حافظ الحدیث ہونے سے فقیہ ہونا زیادہ
پسند کرتا ہوں)

حضرت امام احمدؒ کو محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ اور مجتہد العصر بھی تھے لیکن آپ کے اجتہادات کی فہرست دوسرے ائمہ فقہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی نسبت سے بہت کم ہے آپ فتویٰ دینے میں بھی بہت احتیاط فرماتے تھے اور زیادہ تر دوسرے اکابر کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کرتے آپ کے دل میں فقہاء کا بہت احترام تھا ایک مرتبہ ایک سائل کے سوال پر فرمایا:۔

**سل عافاک اللہ غیرنا سل الفقهاء سل اباثور.**

(بغدادی جلد ۶، ص ۶۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے ہمارے علاوہ اوروں سے
پوچھو فقہاء سے پوچھو ابوثور سے پوچھو۔

امام احمدؒ کی فقہ اور اجتہاد میں وہ شہرت نہ ہوئی جو آپ کے شیخ امام شافعیؒ اور شیخ الشیوخ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی تھی یہ اس لیے کہ ان پہلے حضرات کے علمی کام نے دنیائے اسلام کو علم سے اتنا سیراب کر دیا تھا کہ اب ہر آنے والے کے لیے زمین بہت تنگ تھی۔

آپ کے مقلدین کی تعداد بھی صرف شام عراق اور اس کے اردگرد ہی رہی جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین نہ صرف عراق ہندوستان چین تک رہے بلکہ ماوراء النہر اور عجم کے سب شہروں میں امام ابوحنیفہؒ کی ہی علمی سطوت قائم رہی۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اس وقت عراق ہندوستان چین ماوراء النہر و بلاد العجم کلہا میں پھیلے ہوئے تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

علامہ ابن خلدون نے امام احمدؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

**فاما احمد بن حنبل فمقلده قليل لبعد مذهبه عن الاجتهاد و اصالته فی معاضده الرواية وللاخبار بعضها ببعض واكثر هم بالشام والعراق من بغداد و نواحيها. (ايضاً)**

ترجمہ: امام احمدؒ کے اس لیے مقلد کم ہیں کہ آپ کا دور عہد اجتہاد کے آخر کا ہے

اور اس کی اصل روایات کی قوت اور ان کا آپس میں چرچا ہی رہا ہے یہ حضرات زیادہ تر شام اور عراق بغداد اور اس کے گردونواح میں پائے گئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ صرف روایت اور حدیث سے مسئلے کا حل نہیں ہوا کرتا بہت سے پہلوؤں میں قیاس واجتہاد سے بھی کام لینا پڑتا ہے حضرت امام احمدؒ نے گو اس سے بھی کام لیا لیکن ان کی مقدار چونکہ بہت کم ہے اس لیے آپ کے مقلدین کی تعداد بھی ایک علاقے تک رہی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ لکھتے ہیں:۔

و مذہب امام احمدؒ درخود قدیم وحدیث زمان قلیل بودہ زیرا نکہ اجتہاد او قلیل بلکہ اقل بلکہ نیست ومذہب او ہمیں برحدیث بود۔

(ہدایۃ السائل ص ۲۸۱)

ترجمہ: امام احمدؒ کا مذہب اپنے طور پر پہلے بھی اور اب بھی کم رہا ہے کیونکہ آپ کے اجتہاد کردہ مسائل بہت کم ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر اور آپ کا مذہب زیادہ تر عمل بالحدیث ہی ہے۔

ہمیں نواب صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں جس کی فقہ حنبلی کی کتابوں پر پوری نظر ہو وہ کبھی اس باب میں نواب صاحب کی تائید نہ کر سکے گا نواب صاحب مرحوم چونکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے خلاف تھے اس لیے آپ مذہب حنبلی کو اس پیرائے میں ذکر کر رہے ہیں۔

## تلافی مافات

اللہ تعالیٰ نے اس دور آخر میں فقہ حنبلی کو یہ سعادت بخشی ہے کہ سعودی عرب میں فقہ حنبلی پر مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اکثر مشائخ آپ کے ہی مقلد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آل سعود اور حنابلہ کو یہ توفیق دی ہے کہ انہوں نے اس دور نفاذ حدود اسلامی کو جو کئی سالوں سے رکی پڑی تھیں پھر سے نافذ کیا۔ مدینہ منورہ میں عظیم اسلامی یونیورسٹی قائم کی جس کے باعث آج فقہ حنبلی کے چرچے پوری دنیا میں ہیں اور اس طرح جو کمی پہلے ادوار میں رہی، اب اس کی تلافی مافات ہو چکی ہے اس وقت سعودی عرب کی علمی

خدمات تمام دنیا میں اپنا سکہ منوا چکی ہیں۔

## فقہ حنفی اور فقہ حنبلی میں باہمی مناسبت

چونکہ بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں اس لیے دوسرے مذاہب کی بہ نسبت فقہ حنبلی فقہ حنفی میں بھی بہت سی باتیں مشترک پائی جاتی ہیں اور یہ دونوں مذاہب کئی مسائل مشہور میں ایک ہو جاتے ہیں۔

# حضرۃ امام احمد بن حنبلؒ کا نظریۂ حدیث

**الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!**

حدیث کے قدیمی نظریات دو دوروں میں منقسم ہیں ا۔دور اعتماد ۲۔دور اسناد۔ دور اعتماد امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا ہے اور دور اسناد امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور امام احمدؒ (۲۴۱ھ) کا ...... ائمہ اربعہؒ کا یہ اختلاف اصول وعقائد کا نہیں۔ اعتماد اور اسناد دونوں علم نبوت تک پہنچنے کے مختلف پیمانے ہیں دور اعتماد میں صحابہؓ وتابعینؒ کی برتری مسلم رہی اور اسناد کے بجائے زیادہ کام اعتماد سے لیا جاتا رہا یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے اور ان کے دور میں حدیث کی نقل وروایت راویوں کی جرح وتعدیل اتصال رواۃ اور حدیث کی صحیح وضعیف میں تقسیم ان موضوعات نے زیادہ اہمیت حاصل کی۔ امام شافعیؒ نے اسناد اور صحت روایات پرزیادہ زور دیا یہاں تک کہ بعض مسائل میں زیادہ شدت اختیار کرلی حضرت امام احمدؒ آئے توانہوں نے امام شافعیؒ کی اس شدت میں نرمی کی راہیں قائم کیں اور حدیث کے فن کو اس طرح نکھارا کہ اعتماد اور اسناد کے دہانے ملا دیئے۔

## ا۔ امام شافعیؒ کی شدت میں نرمی آگئی

حضرت امام احمدؒ کے پہلے استاد حضرت امام ابو یوسفؒ تھے اور پچھلے امام شافعیؒ آپ نے ہر دو رنگوں کو نہایت قریب سے دیکھا تھا امام شافعیؒ نے علم حدیث کو اہل بدعت سے بچانے کے لیے نقل وروایت کی پرکھ کے بڑے سخت اصول مقرر کیے۔ بدعات کے اٹھتے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ اصول وضوابط اپنی جگہ ضروری تھے ان کے بغیر معتزلہ ومرجئہ اور روافض وخوارج کے سیلاب رک نہ سکتے تھے لیکن ان کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ امام شافعیؒ میں اپنے فقہی مسلک کی تخریج میں بھی سختی آگئی۔ حضرت امام ترمذیؒ نے آپ کا نام لیے بغیر آپ کی اس فقہی شدت کا ذکر کیا ہے آپ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے بارے

میں لکھتے ہیں:۔

وشدد قوم من اهل العلم فی ترک قراة فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام فقالو الا تجزی صلوة الابقرأة فاتحة الکتاب وحده کان اوخلف الامام. (جامع ترمذی ص۴۲)

ترجمہ: اور کچھ اہل علم نے نماز میں ترک فاتحہ کے مسئلے میں شدت اختیار کی ہے گو وہ نمازی امام کے پیچھے ہی کیوں نہ ہو وہ کہتے ہیں بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اکیلا ہو یا امام کے پیچھے ہو۔

حضرت امام احمدؒ بڑی ہمت سے اٹھے اور حضرت امام شافعیؒ کے نظریۂ حدیث میں جو سختی تھی آپ نے اس امت محمدیہ کی خیر خواہی کے لیے اس میں نرمی کی راہیں تلاش کیں آپ کا نظریۂ حدیث مندرجہ ذیل حدیث پر مبنی تھا:۔

یسرو اولا تعسروا وسکنو اولا تنفروا متفق علیه.

(مشکوٰۃ ص۳۲۳)

ترجمہ: تم لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو مشکلات پیدا نہ کرو لوگوں کو قریب کرو نفرت نہ دلاؤ۔

حضرت امام احمدؒ نے یہ اصول نہ بنا رکھا تھا کہ جب آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث مل جائے تو آپ بالکل کسی اور طرف نہ دیکھیں آپ یہ دیکھنے کی کوشش کرتے کہ جو صحابی اس حدیث مرفوع کو نقل کر رہا ہے کیا اس کا اپنا عمل اس پر تھا اسے دیکھنے سے یہ پتہ چل جائے گا کہ صحابہؓ کے ہاں اس حدیث کے معنی مراد کیا تھے؟ ہم ذیل میں ایک مثال پیش کیے دیتے ہیں:۔

آنحضرتؐ کی حدیث لاصلوة لمن لم یقرا بفاتحة الکتاب صحابہ کرامؓ سے ڈھکی چھپی نہ تھی صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہ بھی اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں آپ کھل کر کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے امام مالکؒ مؤطا میں ان سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

مالک عن ابی نعیم وهب بن کیسان انه سمع جابر بن عبدالله یقول من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القران فلم

يصل الاوراء الامام (مؤطا امام مالک ص ۳۰)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو۔

امام محمدؒ نے بھی اسے اپنے مؤطا میں اسی سند سے نقل کیا امام ترمذیؒ بھی اسے امام مالکؒ کی سند سے جامع ترمذی میں لائے ہیں اور اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

هذا حديث حسن صحيح. (جامع ترمذی جلد ۱، ص ۴۲)

اب حضرت امام احمدؒ کا نظریہ حدیث دیکھئے آپ اس حدیث (لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب) کو حضرت جابرؓ کے اس فرمان کی روشنی میں دیکھتے ہیں آپ فرماتے ہیں:۔

یہ شخص (حضرت جابرؓ) حضورؐ کے صحابہؓ میں سے ہے وہ حدیث کا یہ مطلب لے رہا ہے کہ جو نماز امام کے پیچھے پڑھی جائے وہ حدیث لاصلوة میں داخل نہیں اس کی نماز سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر ہو جاتی ہے یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کی مراد یہ ہو کہ مقتدی پر بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم ہے اور حدیث کا راوی صحابی کھلے طور پر کہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے؟ امام احمدؒ کے نزدیک کسی صحابی سے عمداً حضورؐ کے خلاف ہو جانے کی توقع نہیں کی جا سکتی آپ فرماتے ہیں اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نمازی اکیلا ہو تو سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر اس کی نماز نہیں ہوتی امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

وما احمد بن حنبل فقال معنى قول النبى لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب اذا كان وحده. (جامع ترمذی جلد ۱، ص ۴۲)

یہی بات امام سفیان بن عیینہؒ (۱۹۷ھ) نے کہی تھی کہ یہ حدیث اکیلے کے بارے میں ہے۔ (دیکھیے سنن ابی داؤد جلد ۱)

مگر غیر مقلدین اسے یہ کہہ کر ٹالتے رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے اس لیے انہوں نے اس حدیث کی شرح یوں کی ہے۔ ہم کہتے ہیں امام احمدؒ تو امام شافعیؒ کے شاگرد تھے انہوں نے یہ بات کیوں کہہ دی؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ کے بارے میں امام احمدؒ امام شافعیؒ کے ساتھ نہیں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں آپ کے اس عقیدہ نے آپ کے نظریہ حدیث پر دور رس اثرات مرتب

کیے ہیں (اس کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں گذارش کریں گے یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ) امام احمدؒ کا نقطہ نظریہ ہے کہ امت محمدیہ کے لیے تشدد کی کوئی راہ اختیار نہ کی جائے حنبلی فقہ میں آپ کے اس اصول کے تحت خود آپ کے اختلاف کو بھی نظر انداز کیا گیا ہے۔

نماز تراویح کی کتنی رکعات ہیں؟ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتروهوقول اهل المدینة والعمل علی هذا عند هم بالمدینة واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیر هما من اصحاب النبی عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال احمد روی فی هذا الو ان لم یقض فیه بشیٔ وقال اسحق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ماروی عن ابی بن کعب.

(جامع ترمذی جلد۱، ص۹۹)

تراویح چالیس رکعت ہیں یا بیس رکعت اس کا حتمی فیصلہ نہیں ہوسکا دونوں طرف اہل علم ہیں امام احمدؒ سے کئی مختلف روایتیں ہیں آپ نے کوئی علیحدہ موقف اختیار نہ کیا اتحاد امت کے لیے بیس رکعت والوں کے ساتھ ہو گئے امت کو اختلاف سے بچانا اور ایک امت بنا کر رکھنا آپ کا مطمح نظر رہا ہے۔ حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:۔

والمختار عند ابی عبدالله فیها عشرون رکعة وبهذا قال الثوری و ابوحنیفة والشافعی. (المغنی جلد۲، ص۱۶۶)

سعودی عرب کے مشائخ امام احمدؒ کے مقلد ہیں اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں تراویح کی نماز ہمیشہ سے بیس رکعات ہی چلی آرہی ہے یوں سمجھیے اس پرامت کا اجماع ہے:۔

وهذا کالاجماع. (ایضاً جلد۲، ص۱۶۷)

## ۲۔امام احمدؒ کے ہاں آثار صحابہؓ کی حجیت

امام احمدؒ کے نزدیک آثار صحابہ حجت ہیں آپ صحابہؓ کے قول و عمل کو امت کے لیے حجت اور سند مانتے ہیں اگر کسی بات میں صحابہؓ کا اختلاف ہو تو آپ جس صحابی کی بات

کو راجح سمجھیں اسی کو اپنا لیں لیکن دوسرے صحابہؓ میں سے کسی کو آپ باطل پر نہیں کہہ سکتے صحابہؓ میں صواب اور خطاء کا اختلاف تو ہو سکتا ہے حق اور باطل کا نہیں، امت پر ان کی پیروی لازم ہے گو کسی صحابی کی ہو، اپنی رائے سے صحابہؓ کے اقوال سے نکلنا کسی کے لیے روا نہیں صحابہؓ اس قافلہ امت کا ہراول دستہ ہیں اور ان کی پیروی سبیل مومنین پر رہنا ہے جس کی قرآن کریم تاکید کرتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

**قال ابوعمر وجعل للصحابة فی ذلک مالم يجعل لغير هم واظنه مال الی ظاهر حديث اصحابی کا لنجوم والله اعلم والی نحو هذا کان احمد بن حنبل يذهب.**

(جامع بیان العلم جلد ۲، ص ۱۴۵)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے (اپنی فقہ میں) صحابہ کرامؓ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو ان کے ہاں غیر صحابہؓ کے لیے نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ حدیث اصحابی کالنجوم کے ظاہر کے قائل ہیں (صحابہ کو امت کے لیے روشن ستارے سمجھتے ہیں) اور امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی یہی تھا۔

سو احادیث میں جہاں بھی صحابہؓ کے آثار ملیں امام احمدؒ انہیں ساتھ لے کر چلتے ہیں وہ غیر مقلدین کی طرح یہ عقیدہ نہیں رکھتے:۔

ہم تو ایسے موقع پر ایک اصول جانتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح حدیث آجائے تو اس کو معمول بہ بنالیں گے اور اس کے مقابلہ میں کسی کی نہ سنیں گے۔ (رفع یدین اور آمین ص ۱۵۲ مولانا عبداللہ روپڑی)

اب آپ ہی سوچیں کہ اگر صریح حدیث دور سابق کی ہو اور امت میں کسی کا اس پر عمل نہ رہا ہو خود صحابہؓ کا عمل بھی اس سے مختلف ہو تو اسے معمول بہ بنانا کیا جائز ہوگا اگر ایسا ہوتا تو امام ترمذی اپنی کتاب کو یہ کہہ کر وزن نہ دیتے کہ اس کی ہر ہر حدیث اہل علم کے کسی نہ کسی حلقے میں ضرور معمول بہ رہی ہے:۔

**جميع ما فی هذا الكتاب من الحديث هو معمول به وبه اخذ بعض اهل العلم ماخلا حديثين.** (جامع ترمذی جلد ۲، ص ۲۳۵)

ترجمہ: اس کتاب میں جتنی حدیثیں مذکور ہیں سوائے دو حدیثوں کے سب معمول بہا ہیں اور انہی کے مطابق بعض اہل علم کا مذہب بھی ہے۔

## فہم صحابہؓ کی برتری پر حنبلی علماء کی شہادتیں

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کے نزدیک صحابہؓ کے فتاویٰ کی اہمیت حدیث مرسل سے بھی زیادہ تھی۔ امام اسحٰق بن ابراہیم نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ آپ کو صحیح مرسل زیادہ پسند ہے یا صحابیؓ کا اثر؟ فرمایا صحابیؓ کا اثر۔ (ترجمان السنۃ جلد ۱، ص ۲۳۹)

حدیث مرسل میں اعتماد تابعی پر ہے اور آثار صحابہؓ کو قبول کرنے میں اعتماد صحابی پر ہے اور ظاہر ہے کہ صحابی پر اعتماد تابعی پر اعتماد کرنے کی نسبت زیادہ قوی اولیٰ اور برتر ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ حدیث مرسل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نصاً ملتی ہے اور حدیث موقوف میں صحابی کے عمل کے آئینے میں ملتی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ صحابی کو نبیؐ سے جدا نہیں کیا جا سکتا ورنہ وہ صحابی نہیں رہتے اور صحابی کا مطلب ہی یہ ہے کہ ساتھ رہنے والے اور یہ وہ شرف ہے جو ہر صحابی کو ہر وقت حاصل رہا ہے۔

محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ لکھتے ہیں:۔

جب کسی مسئلہ میں صحابی کا فتوئی معلوم ہو جائے اور اس کے مخالفت میں کسی صحابی کا قول معلوم نہ ہو سکے تو پھر وہی مختار ہونا چاہیے۔ (ترجمان السنۃ جلد ۱، ص ۲۲۸)

## ۳۔ حدیث مرسل قبول کرنے میں امام احمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں دور اعتماد کے بزرگ ہیں اور ان کے ہاں حدیث مرسل حجت سمجھی جاتی رہی ہے۔ تابعی جو اپنی جگہ ثقہ اور قابل اعتماد ہو اگر آنحضرتؐ سے کوئی روایت کرے تو وہ حدیث مرسل کہلائے گی امام شافعیؒ صرف حدیث متصل کو قبول کرتے ہیں حدیث مرسل کو نہیں۔ حضرت امام احمدؒ باوجود یکہ دور اسناد سے تعلق رکھتے ہیں مگر حدیث مرسل کو قبول کرنے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ساتھ ہیں امام شافعیؒ کے ساتھ نہیں۔

امام نووی الشافعیؒ اپنے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

ومذهب مالک وابی حنیفة واحمد واکثر الفقهاء انه یحتج

بہ. (مسلم جلد ا)

ترجمہ: اور امام مالک امام ابوحنیفہ اور امام احمد تینوں اماموں کا اور اکثر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مرسل حدیث سے احتجاج کیا جاسکتا ہے۔

امام احمدؒ چونکہ اصولاً دور اسناد کے ہیں اس لیے پہلے آپ بھی اس مسئلے میں امام شافعیؒ کے ساتھ تھے لیکن بالآخر آپ پہلوں کے ساتھ آملے۔ امام ابو داؤدؒ اپنے اس مراسلہ میں جو آپ نے اہل مکہ کو لکھا آپ لکھتے ہیں:۔

واما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثورى و مالك والاوزاعى حتى جاء الشافعى وتكلم فيها متابعه على ذلك احمد بن حنبل وهذه احدى الروايتين عن احمد. (فتح الملہم جلد ا، ص ۳۴)

ترجمہ: رہیں مرسل روایات سوان کے ساتھ علماء حجت پکڑتے تھے جیسا کہ گذر چکا ہے جیسے سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ یہاں تک امام شافعیؒ آئے انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور امام احمد نے بھی امام شافعی کی پیروی کرتے ہوئے اس میں کلام کیا اور یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔

امام کا قول آخر وہی ہے جو امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ آپ مرسل حدیث کو حجت مانتے تھے۔

## ۴۔ حضرت امام احمدؒ کے ہاں ضعیف حدیث کا درجہ

حضرت امام احمدؒ کے ہاں ضعیف حدیث کلیۃ رد کرنے کے لائق نہیں بلکہ اس کا ایک وزن ہے جس کی بناء پر مزید پڑتال امت کے ذمہ آجاتی ہے:۔

يايها الذين امنوا ان جاء كم فاسق بنبا فتبينوا.

(پ ۲۶، الحجرات ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی جھوٹا راوی کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح اس کی پڑتال کرو۔

جو لوگ ضعیف حدیث کو موضوع کے قریب سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں ایسا ہوتا تو محدثین صحاح ستہ میں کبھی صحیح حدیثوں کے ساتھ ضعیف حدیثوں کو جگہ نہ دیتے معلوم ہوا ضعیف حدیث موضوع کی نسبت صحیح کے زیادہ قریب ہے۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کے ہاں حدیث ضعیف اس درجہ میں ضرور ہے کہ اس کے ہوتے قیاس اور اجتہاد سے کام نہ لیا جائے بلکہ اسی کو قبول کر لیا جائے۔

حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں امام احمدؒ کا نظریہ حدیث بھی یہی تھا ضعیف حدیث اتنا وزن مزید رکھتی ہے کہ اسے قیاس پر مقدم کیا جائے:۔

فتقديم الحديث الضعيف واثار الصحابة على القياس والرای قوله و قول احمد. (اعلام الموقعین جلد)

ترجمہ: سو ضعیف حدیث کو اور آثار صحابہؓ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا آپ کا (امام ابوحنیفہؒ کا) قول ہے اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حنفیہ کے اپنے ہاں سے بھی شہادت لے لیجیے:۔

ان مذهبهم القوی تقديم الحديث الضعيف على القياس المجرد الذی يحتمل التزييف. (مرقات جلد۱، ص۳)

ترجمہ: حنفیہ کا مذہب قوی یہ ہے کہ ضعیف حدیث کو اس مجرد قیاس پر جس میں خطاء کا احتمال ہوتا ہے مقدم رکھا جائے۔

حضرت امام کے ہاں حدیث کی عظمت اس درجے میں ہو کہ آپ ضعیف کو بھی رائے اور قیاس پر ترجیح دیں یہ بات قرون اولی میں اتنی روشن اور عام تھی کہ حافظ ابن حزمؒ اس پر اجماع نقل کرتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں:۔

ذکر ابن حزم الاجماع على ان مذهب ابی حنيفة ان ضعيف الحديث اولى عنده من الرأی والقياس اذا لم يجد فی الباب غيره. (دلیل الطالب ص۸۸۷)

## ۵۔ مسائل میں عالم اسلامی پر اجتماعی نظر

حضرت امام احمدؒ ائمہ اربعہ میں سے چوتھے امام ہیں آپ نے فقہی اختلافات کا

جو مدوجزر دیکھا وہ پہلے تین اماموں میں سے شاید کسی نے دیکھا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ نے کوفہ اور بصرہ میں اہل بدعت کے اعتقادی فتنے تو بہت قریب سے دیکھے تھے اور معتزلہ اور مرجیہ اور روافض و خوارج کے فتنوں کا سدباب بھی خوب کیا لیکن اہل سنت کے آپس کے فقہی اختلافات ابھی اس دور میں اتنے نہ کھلے تھے جتنے امام احمدؒ کے دور میں کھلے۔ سو حضرت امام احمدؒ ان فروعی اختلافات اور استحسان واجتہادات کے مختلف موارد میں امت کے آخری مجتہد ہیں اور یہ صرف حنابلہ کے ہی امام نہیں پورے سواد اعظم کے امام ہیں ہم سب کو ان کا دل سے متشکر وممتن اور نیازمند ہونا چاہیے۔ ضروری ہے کہ ہم سب میں اپنے ان اکابر کے لیے حقیقی نیازمندی اور دلی عقیدت ہو مسائل کے اختلاف کے باوجود حضرت امامؒ کی عالم اسلامی پر بالغ نظری دیکھئے حافظ ابن قدامہؒ (۶۳۰ھ) آپ سے نقل کرتے ہیں:۔

قال احمد ماسمعنا احدا من اهل الاسلام يقول ان الامام اذاجهر بالقراة لاتجزى صلوة من خلفه اذا لم يقرأ وقال هذا النبى واصحابه والتابعون وهذا مالك فى اهل الحجاز و هذا الثورى فى اهل العراق وهذا الاوزاعى فى اهل الشام وهذا الليث فى اهل مصر ما قالوا الرجل صلى وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلوته باطلة. (المغنی جلد ۱، ص ۵۶۴)

ترجمہ: ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ امام جب قرأۃ بالجہر کرے تو مقتدی کی نماز سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نہیں ہوتی یہ حضورؐ اور آپ کے صحابہؓ اور تابعین کرامؒ ہیں یہ حجاز میں امام مالکؒ ہیں یہ عراق میں امام سفیان ثوریؒ ہیں یہ شام میں امام اوزاعیؒ یہ مصر میں لیثؒ ہیں ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اور اس نے خود قرآن نہ پڑھا تو اس کی نماز باطل ہے۔

حضرت امام کی اس آفاقی نظر پر غور کریں کس طرح ایک ایک مسئلے کے لیے وہ پورے عالم اسلام کے فتووں کو دیکھتے ہیں ایک ایک بڑے عالم پر نظر رکھتے ہیں۔ قرآن وحدیث کا سمندر آپ کے سامنے ایک کھلی کتاب ہے بایں ہمہ آپ کے سامنے چندوہ لوگ ضرور ہیں جو یہ کہتے ہوں گے کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں

ہوتی حضرت امام احمدؒ ان کی اس بے بصری اور بے بصیرتی پر کبیدہ خاطر ہو کر کہتے ہیں کہ دائرہ اسلام میں ہم نے ایسے بے بصیرت لوگوں کو نہیں دیکھا جو پوری امت سے کٹ کر اس بات کے دعویدار ہوں کہ جو شخص جہری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

حافظ ابن تیمیہؒ جیسا بحرِ ذخار بھی امام احمدؒ کے مقلدین میں سے ہے آپ فرماتے ہیں جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا قول جنہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ پوری امت کے مقابل ایک قول شاذ ہے۔

بخلاف وجوبها فی حال الجهر فانه شاذ حتى نقل احمد الاجماع على خلافه. (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد۲، ص۱۴۹)

ترجمہ: جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ضروری سمجھ کر پڑھنا اسلام میں ایک قول شاذ ہے امام احمد نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔

رہا سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ تو فقہ حنبلی میں اسے بھی ضروری نہیں کہا گیا:۔

وجملة ذلک ان القرأة غيروا جبة على المأموم فيما جهر به الامام ولا فيما اسربه نص عليه احمد. (المغنی جلد۱، ص۶۲)

ترجمہ: امام جہر کرے یا سری نمازوں میں آہستہ پڑھے دونوں صورتوں میں مقتدی کے ذمہ قرأت واجب نہیں۔

امام شافعی کا ایک قول بے شک اس کے لیے پیش کیا جاتا ہے لیکن اس کے جواب میں اتنی بات کافی ہے کہ امام شافعیؒ اس میں امام احمدؒ کو بھی اپنے ساتھ نہ رکھ سکے امام احمدؒ یہاں پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ساتھ کھڑے ہیں:۔

فلا فاتحة على المأموم وعليه الجمهور ومالک وابوحنيفه واحمد. (غایۃ المامول شرح التاج الجامع للاصول جلد۱، ص۱۸۳)

ترجمہ: مقتدی کے ذمہ سورۃ فاتحہ پڑھنا نہیں جمہور اہل علم یہی کہتے ہیں اور امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد کا فیصلہ یہی ہے۔

حضرت امام کی آفاقی نظر وحدت امت چاہتی ہے اور آپ ہر ایسے مسئلے سے بچنا چاہتے ہیں جس میں پوری امت ایک طرف ہو اور آپ کسی قول شاذ سے تمسک کرتے ہوئے دوسری طرف کھڑے ہوں آپ کو ایسی کوئی مثال آپ کے ہاں نہ ملے گی۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم آخر میں حضرت امام احمدؒ کے چند فروعی مسائل بھی ذکر کردیں جنہیں آپ نے اپنے نظریۂ حدیث کے تحت اختیار فرمایا ہے آپ کے نزدیک آپ کے یہ مسائل ہزاروں حدیثوں کا حاصل ہیں۔ قدر زر، زرگر بداند قدر جوہر جوہری۔

## ۱۔ نماز میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں

نماز میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں احادیث میں مختلف روایات ملتی ہیں حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا:۔

رأیت النبی صلی اللہ علیه وسلم یمینه علی شماله فی الصلوة تحت السرة. (المصنف لابن ابی شیبہ جلد)

ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نماز میں اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے باندھے ہوئے تھے۔

محدث نیمویؒ فرماتے ہیں:۔ اسنادہ صحیح۔ (آثار السنن جلد۱، ص ۷۱)

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:۔

روی ذلک عن علی وابی هریرة وابی مجلز والنخعی والثوری و اسحق لماروی عن علی انه قال من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة رواه الامام احمد وابوداؤد. (المغنی جلد۱، ص ۴۷۳)

ترجمہ: یہی عمل حضرت علیؓ سے حضرت ابوہریرہؓ سے ابومجلزؒ سے امام ابراہیم نخعیؒ سے امام سفیان الثوریؒ سے اور امام اسحٰق بن راہویہؒ سے مروی ہے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے سنت یہی ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

احادیث کی رو سے مسلک قوی یہی ہے مگر حدیث میں چونکہ فوق السرة کی

روایت بھی ملتی ہے امام احمدؒ نے یہاں پوری وسعت نظری سے کام لیا اور بجائے ایک حدیث کو چمٹنے کے آپ نے ایک نہایت جامع اور وسیع العمل فیصلہ دیا فقہ حنبلی میں ہے:۔

لان الجمیع مروی والامر فی ذلک واسع. (ایضاً)

ترجمہ: یہ سب مختلف طریقے روایات میں موجود ہیں اور بات یہ ہے کہ اس معاملے میں وسعت عمل ہے کہ جس پر چاہو عمل کرلو۔

آج مدینہ یونیورسٹی کے بیشتر طلبہ آپ کو نماز میں سینہ بند نظر آئیں گے کاش کہ انہیں فقہ حنبلی کے اس آفاقی مسئلے کی خبر ہوتی اور ایسے عام مسائل میں وہ کبھی تنگ نظری سے کام نہ لیتے۔

## ۲۔ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں گو یہ طلاق سنت کے مطابق نہ ہوگی طلاق بدعت سمجھی جائے گی تاہم یہ صحیح ہے کہ طلاق تینوں واقع ہوں گی اور اب اس کی یہ بیوی اس پر حرام ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی اور کے نکاح میں نہ جائے اور پھر اسے طلاق ہو جائے۔ حضرت امام احمدؒ لکھتے ہیں:۔

ومن طلق ثلثا فی لفظ واحد فقد جہل وحرمت علیہ زوجتہ ولاتحل لہ ابدا حتی تنکح زوجا غیرہ. (کتاب الصلوۃ ص ۴۷)

ترجمہ: اور جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق ایک لفظ سے دی اس نے جہالت سے کام لیا لیکن اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی اور اب اس سے اس کا نکاح نہ ہو سکے گا جب تک کہ وہ کہیں اور نکاح نہ کرے۔

سعودی عرب میں بھی حنبلی مذہب کے مطابق ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

## امام احمدؒ کے مسلک کی لمبی نہر

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے بعد امام احمدؒ کے مسلک کی نہر علم کی سب نہروں سے لمبی ہے اس دور آخر میں جب کہ قیامت کی نشانیاں سامنے نظر آ رہی ہیں مرکز اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر سعودی عرب کی حکومت اسی فقہ (فقہ حنبلی) کے رستے نفاذ

اسلام کی سعادت پائے ہوئے ہیں۔ سعودی عرب کے باہر بہت سے بلاد اسلامی اور غیر اسلامی میں رابطہ عالم اسلامی اور دارالافتاء سعودی عرب کے مبعوثین تعلیم الاسلام کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور حنبلی فقہ کا یہ فیض پوری اسلامی دنیا کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔

اس آخری دور میں یہ آخری فقہ عالم اسلام میں اسی طرح ضوء فگن ہے جس طرح اسلام کے پہلے دور میں پہلی فقہ (امام ابوحنیفہؒ کی فقہ) عام عروج پر تھی اللہ تعالیٰ نے مذاہب اربعہ میں ان دو فقہوں کو حکومتی سطح پر خدمت اسلام کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

خلافت راشدہ کے بعد پوری قلمرو اسلامی میں چیف جسٹس کا عہدہ فقہ حنفی کے نصیب رہا اور امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) قاضی القضاۃ مقرر ہوئے پھر خلافت عثمانیہ میں پوری دنیا میں فقہ حنفی کا دور دورہ رہا۔

## اس دور آخر میں اسلام کے دو چشموں کی جلوہ پیرائی

فقہ حنبلی کے علمبردار علماء آل شیخ سعودی عرب میں اسلام کی شمع فروزاں بنے تو فقہ حنفی کے حامیوں نے ہندوستان میں اسلام کے نام پر ایک مملکت بنا ڈالی۔ دنیا کے اس دور آخر میں اسلام کے نام پر ایک نئی سلطنت کا قیام فقہ حنفی کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ سعودی عرب میں نفاذ اسلام کے لیے جس طرح کسی نے فقہ حنبلی کی مخالفت نہیں کی خدا کرے کوئی گروہ پاکستان میں نفاذ اسلام کے لیے فقہ حنفی کی مخالفت نہ کرے فقہ جو بھی ہو یہ کتاب وسنت کا ہی چشمہ فیض ہیں اور ائمہ اربعہ کے جو اختلافات ہیں وہ صحابہ کرامؓ سے ہی ماخوذ و ماثور ہیں۔

مولانا عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں:۔

ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہؓ کے اختلاف کے ہے۔

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ا، ص ۴۲)

## صحابہؓ کی عظمت اور عقیدت پر دو فقہوں کا اشتراک

ہم پیچھے حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) کے حوالہ سے یہ لکھ آئے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں ان دونوں فقہوں میں اشتراک ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام

احمدؒ دونوں صحابہ کرامؓ کو اپنے لیے حجت اور سند مانتے ہیں ان اماموں کی صحابہؓ سے اس وابستگی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شان قبولیت فرمائی کہ ان دو فقہوں کو حکومتی سطح پر اسلام کی نمائندگی کا شرف بخشا۔ فجزا ھما اللّٰہ احسن الجزاء۔

امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ اجتہاد اس طرح سنت کے مطابق واقع ہوا ہے کہ جو بھی احادیث و آثار کی گہرائی میں اترا اسے ماننا پڑا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب گویا عین حدیث ہے ہاں اسے سمجھنے کے لیے فہم سلیم چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دوبارہ تشریف آوری پر جب حضرت خاتم النبیینؐ کے امتی ہونے کا لباس پہنیں گے تو آپ کا عمل بالسنۃ امام ابوحنیفہؒ کی اختیار کردہ راہ سنت کے مطابق ہوگا اور کہنے والا کہہ اٹھے گا کہ امام ابوحنیفہؒ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے اجتہاد میں توارد ہو گیا ہے۔

گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ایک کشف کی بناء پر اس ہونے والی بات کی خبر دی ہے۔

مذاہب اربعہ میں ان دونوں اماموں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کو آپس میں جو وحدت اور مطابقت حاصل ہوئی ہے حضرت علامہ شعرانیؒ کو صدیوں پہلے یہ نسبت ایک کشف میں دکھادی گئی تھی آپ میزان کبری جلد ۱، ص ۱۰۷ (اردو) میں لکھتے ہیں:۔

> جب باری تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ مجھ کو شریعت کے سرچشمہ پر آگاہ کیا گیا تو میں نے تمام مذاہب کو دیکھا کہ وہ سب اس چشمہ سے متصل ہیں اور ان تمام میں تمام ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ کے مذاہب کی نہریں خوب جاری ہیں اور جو مذاہب ختم ہو چکے وہ خشک ہو کر پتھر بن گئے ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ لمبی نہر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دیکھی پھر اس کے قریب قریب امام احمد بن حنبلؒ کی اور سب سے چھوٹی نہر امام داؤد کے مذہب کی پائی جو پانچویں قرن میں ختم ہو چکا ہے۔ تو اس کی وجہ میں نے یہ سوچی کہ ائمہ اربعہ کے مذہب پر عمل کرنے کا زمانہ طویل رہا اور امام داؤدؒ کے مذہب پر تھوڑے دن عمل رہا پس جس طرح امام اعظمؒ کے مذہب کی بنیاد تمام مذاہب مدونہ سے پہلے قائم ہوئی ہے اسی طرح وہ سب

سے آخر میں ختم ہوگا۔ اور اہل کشف کا بھی یہی مقولہ ہے۔

فقہ حنبلی کے اس تذکرے پر ہم ائمہ مجتہدین کا باب ختم کرتے ہیں ان بارہ ائمہ میں سے صرف چار اماموں کی پیروی باقی رہی اور ان چاروں میں اللہ تعالیٰ نے جو الہی مقبولیت فقہ حنفی اور فقہ حنبلی کو دی اور انہیں عدالتی سطح پر نفاذ اسلامیہ کی جو سعادت دی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ سپین میں مسلمانوں کی علمی شوکت مالکی فقہ کے سائے میں پروان چڑھی لیکن ہم نے اپنے گردو پیش زیادہ حنفی فقہ کے پیروؤں کو ہی دیکھا ہے برصغیر پاک و ہند میں جتنے اولیائے کرام گزرے ہیں ان میں ننانوے فی صد اسی فقہ کے پیرو رہے۔

اگلے ابواب میں ہم امام ابوحنیفہؒ کی علمی نسبت سے چلیں گے تاہم نامناسب نہ ہوگا کہ پہلے ہم کچھ ان محدثین کرام کا تعارف کرائیں جنہیں امام ابوحنیفہؒ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا اور ان میں بعض حضرات وہ بھی ہیں جو تدوین فقہ میں آپ کے ساتھ شریک رہے۔

یہ دس محدثین کا ذکر ہے ان میں یہ صحیح ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی حضرت امامؒ سے حدیث روایت کرتے ہیں مگر ان کا ذکر چونکہ محدثین میں پہلے آچکا ہے اس لیے ہم ان کا یہاں ذکر نہیں کر رہے صرف نام لکھ رہے ہیں انہیں شامل کر کے یہ محدثین بھی بارہ ہو جاتے ہیں۔

# امام ابوحنیفہؒ کے شاگردان گرامی

## (جو علم حدیث میں ائمہ فن بنے)

### جس چاند کا ہالہ یہ تھے وہ چاند کیا ہوگا؟

### ۱۔ محدث العراق امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ)

حضرت امام وکیعؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید تھے۔

(تذکرہ جلد ۱، ص ۲۹۱، الاکمال ص ۶۲۴)

علامہ ذہبیؒ نے آپ کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

الامام الحافظ الثبت محدث العراق احدائمة الاعلام.

(تذکرہ)

آپ اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ رواۃ میں سے ہیں۔آپ نے حضرت امام سے حدیث پڑھی، آپ کے اساتذہ میں حضرت امام کے شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام زفرؒ کا نام بھی آتا ہے۔امام جرح وتعدیل حضرت یحییٰ بن معینؒ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ حضرت امام کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور آپ کو حضرت امام کی سب احادیث یاد تھیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وكان يفتي برأي ابي حنيفة وكان يحفظ حديث كله وكان قد سمع من ابي حنيفه حديثا كثيرا.

(الانتقاء جلد۲،ص۱۵۰ جامع بیان العلم جلد۲،ص۱۴۹)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو حضرت امام وکیعؒ کی شاگردی پر فخر تھا اور آپ فرماتے ہیں:۔

مارأت عيني مثل وكيع قط. (تذکرہ جلد۱،ص۳۰۲)

ترجمہ: میری آنکھوں نے وکیع کا مثل نہیں دیکھا۔

امام وکیعؒ کوفہ کے امام سفیان الثوریؒ کے علمی جانشین سمجھے جاتے تھے مگر فتویٰ آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر دیا کرتے تھے دیکھیے کس پائے کا محدث امامؒ کی فقہ پر چل رہا ہے۔

کوفہ کے امام سفیانؒ بھی رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(جامع ترمذی جلد۱،ص۳۵)

تمام اہل کوفہ کا اس پر عمل تھا وہ شہر جہاں ڈیڑھ ہزار صحابہؓ آبسے ہوں وہاں رفع یدین عندالرکوع کا نہ ہونا مسئلے کی حقیقت کا پتہ دیتا ہے۔

امام احمدؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، علی بن المدینیؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، یحییٰ بن اکثمؒ وغیرہم محدثین آپ کے تلامذۂ حدیث میں سے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ۔

## ۲۔امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ)

حضرت امام یحییٰ بن سعید القطانؒ امام ابوحنیفہؒ کے حدیث وفقہ میں شاگرد تھے اور آپ کی تدوین فقہ کی مجلس کے رکن تھے۔

حافظ ابن حجرؒ آپ کو الحافظ لکھتے ہیں۔ (تہذیب جلد ۱۱، ص ۲۱۶)

عبدالرحمٰن بن مہدیؒ نے آپ سے دو ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ (ایضاً ص ۲۱۷)

جب آپ حدیث کا درس دیتے تو آپ کے سامنے امام احمدؒ، امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن المدینیؒ، عمر بن خالدؒ، اور یحییٰ بن معینؒ کھڑے ہو کر حدیث کا درس لیتے تھے اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی ہے۔

یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم ہم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں بیٹھے اور ان سے حدیث کا درس لیا آپ کو حضرت امام کی شاگردی پر فخر تھا۔
(دیکھیے فتح المغیث الجواہر المضیۃ)

آپ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوی دیتے تھے۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

**یفتی بقول ابی حنیفة وکان یحییٰ بن القطان یفتی بقوله.**

ترجمہ: وکیع بھی امام ابوحنیفہ کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور یحییٰ بن سعید القطان بھی ان کے قول پر فتویٰ دیتے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب حدیث کے بہت قریب ہے ورنہ اتنے بڑے امام جو اپنی جگہ خود جبال العلم تھے کبھی حضرت امام کے مذہب پر نہ چلتے۔

امام یحییٰ بن سعید القطانؒ خود کہتے ہیں:۔

**قد اخذنا باکثر اقواله.** (تہذیب التہذیب جلد ۱۰، ص ۴۵۰)

امام بخاریؒ کے استاد امام احمدؒ، علی بن المدینیؒ، امام یحی بن معینؒ سب آپ کے (حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کے) شاگرد ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ:۔

**یحییٰ القطان اثبت الناس وما کتبت عن احد مثله.**

(تذکرہ جلد ۱، ص ۱۷۵)

یحیٰی بن سعید القطانؒ محدثین میں سب سے زیادہ ثابت روایت کرنے والے ہیں۔ میں نے جس سے بھی حدیث لکھی اس میں یحیٰی قطانؒ کی طرح کسی کو نہ دیکھا۔

امام احمدؒ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ یحیٰی قطانؒ پر رحم فرمائے:۔

ما کان اضبطه واللّٰه ثقه کان محدثا۔ (تہذیب، جلد ۱۱، ص ۲۱۸)

یحیٰی بن سعیدؒ کس قدر ضبط روایت والے تھے کس اونچے درجہ کے ثقہ تھے اور محدث تھے۔ امام بخاریؒ کے شیخ علی المدینیؒ کہتے ہیں:۔

ما رأیت اعلم بالرجال من یحی القطان ولا رایت اعلم بصواب الحدیث والخطأ من ابن مهدی فاذااجتمعا علی ترک رجل ترکته واذا حدث عنه احدهما حدثت عنه

ترجمہ: علم رجال میں یحیٰی سے آگے میں نے کسی کو نہیں دیکھا روایت کی صحت کو جاننے میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ سے آگے کسی کو نہ دیکھا جب یہ دونوں کسی راوی کے ترک پر متفق ہوجائیں تو میں اس سے روایت نہیں لیتا اور جب کسی راوی سے ان دونوں میں سے کوئی بزرگ روایت لے لے تو میں بھی اس سے روایت لے لوں گا۔

## ۳۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ)

محدثین آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں آپ صحاح ستہ کے ائمہ رواۃ و اجلہ شیوخ میں سے ہیں امام بخاریؒ کے شیخ ابن مہدیؒ نے چار بڑے ائمہ حدیث میں سے ایک آپ کو قرار دیا ہے آپ ابوحنیفہؒ کے اخص اصحاب وتلامذہ میں سے تھے اور امام صاحبؒ کے انتقال تک آپ کی خدمت سے جدا نہ ہوئے آپ کو حضرت امامؒ کی شاگردی پر فخر تھا آپ حضرت امامؒ کے بڑے معتقد تھے اور مخالفین کو حضرت امامؒ کی جانب سے جواب دیتے تھے۔

یحیٰی اندلسی کہتے ہیں کہ امام مالکؒ آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔

یحیٰی بن معینؒ کہتے ہیں کہ ابن مبارکؒ بہت سمجھدار ثقہ عالم صحیح الحدیث تھے۔

امام سفیان الثوریؒ کہتے ہیں کہ آپ مشرق ومغرب ہردو کے بڑے عالم تھے۔

(تہذیب الاسماء والصفات)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ اگر حدیث اور اثر میں فقہ کی ضرورت پڑ جائے تو امام مالکؒ سفیانؒ اور ابوحنیفہؒ کی رائے معتبر ہوگی پھر فرماتے ہیں:۔

وابو حنیفه احسنهم واد قهم فطنة واغو صهم على الفقه وهو افقه الثلاثة. (بغدادی جلد ۱۳، ص ۳۴۳)

ترجمہ: ابوحنیفہؒ ان میں ذہانت میں سب سے اچھے اور دقیق جانے والے تھے اور فقہ میں سب سے زیادہ گہرائی میں اترنے والے تھے اور تینوں میں سب سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے تھے۔

آپ کا بیان ہے کہ:۔

افقه الناس ابو حنيفه مارأيت فى الفقه مثله وقال ايضا لولا ان الله تعالىٰ اغاثنى بابى حنيفة وسفيان كنت كسائر الناس. (تہذیب التہذیب جلد ۱۰، ص ۴۵۰)

ترجمہ: سب سے سمجھدار ابوحنیفہؒ ہیں میں نے فقہ میں ایسا کسی کو نہیں دیکھا اور اگر اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہؒ اور سفیان الثوریؒ سے دادرسی نہ کی ہوتی تو میں عام لوگوں سے ہوتا۔

آپ یہ بھی کہتے ہیں:۔

وتعلمت الفقه الذى عندى من ابى حنيفه.

(بغدادی جلد ۱۳، ص ۳۵۵ تبییض الصحیفہ ص ۳۵)

ترجمہ: جو فقہ میرے پاس ہے وہ میں نے ابوحنیفہؒ سے سیکھی ہے۔

آپ یہ بھی کہتے ہیں:۔

افقه الناس ابو حنيفه مارايت فى الفقه مثله.

(تہذیب جلد ۱۰، ص ۴۵۰)

ترجمہ: فقہ میں سب سے بڑے عالم ابوحنیفہؒ ہیں میں نے علم میں ان جیسا کسی کو نہیں پایا۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں:۔

كان رجلا صاحب حديث. (ایضاً جلد ۵، ص ۳۸۴)

ترجمہ: آپ حدیث کوساتھ رکھنے والوں میں سے تھے۔
ابن معینؒ کہتے ہیں:۔

**کان عالما صحیح الحدیث وکانت کتبہ التی حدث بھا عشرین الفا اواحدی وعشرین الفا۔ (ایضاً)**

ترجمہ: آپ صحیح الحدیث عالم تھے وہ تحریریں جوآپ نے حدیث میں روایت کیں بیس ہزار یا اکیس ہزار ہوں گی۔

## ۴۔امام یحیٰ بن زکریا ابی زائدہؒ (۱۸۲ھ)

امام یحیٰ بن زکریاؒ حافظ حدیث فقیہ دوراں اور اکابر اہل علم میں سے ہیں۔

علامہ ذہبیؒ **الحافظ المعقن الفقیہ صاحب ابی حنیفہ رضی اللّٰہ عنھما** سے آپ کا تذکرہ کرتے ہیں۔

صحاح ستہ میں آپ کی روایات بہت ہیں صالح بن سہلؒ کا قول ہے کہ یحیٰ بن زکریاؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ حدیث اور فقیہ تھے۔

میزان الاعتدال میں آپ کے بارے میں لکھا ہے:۔

**احد الفقھاء الکبار والمحدثین الاثبات**

آپ امام ابوحنیفہؒ کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جوتدوین فقہ میں آپ کے ساتھ تھے اور تیس سال مسلسل وہی مسائل مدونہ تحریر فرماتے رہے بلکہ ان میں سے بھی عشرہ متقدمین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

امام بخاریؒ کے شیخ علی بن المدینیؒ کہا کرتے تھے کہ یحیٰ بن زکریاؒ پراس کے زمانہ میں علم ختم تھا۔

امام احمدؒ یحیٰ بن معینؒ، قتیبہؒ اور صاحب مصنف ابوبکر بن ابی شیبہؒ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے پوتے اسماعیلؒ فرماتے ہیں کہ یحی بن زکریاؒ حدیث میں مہکتی دلہن کی طرح ہیں:۔

**یحی بن ابی زائدہ فی الحدیث مثل العروس المعطرۃ۔**

(تہذیب جلد۱۱،ص۲۰۹)

امام ابو حاتم آپ کو ثقہ صدوق مستقیم الحدیث کہتے ہیں (ایضاً) یہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔

## ۵۔امام یزید بن ہارونؒ (۲۰۶ھ)

حضرت امام یزید بن ہارونؒ فن حدیث کے مشہور امام ہیں علامہ ذہبیؒ آپ کو الحافظ القدوہ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد۱، ص۲۹۲)

حافظ ابن حجرؒ آپ کو احد الاعلام الحافظ المشاہیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔
(تہذیب جلد۱۱، ص۳۶۶)

امام بخاریؒ کے شیخ علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑا حافظ حدیث کسی کو نہیں دیکھا فن حدیث میں آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔

علامہ ذہبیؒ نے ان لوگوں میں آپ کا نام لکھا ہے جنہوں نے حضرت امام سے حدیثیں روایت کیں ہیں۔

آپ کو حضرت امام کی شاگردی پر فخر تھا اور حضرت امام کی بڑی تعریف کرتے آپ فرماتے ہیں۔

میں نے بہت لوگوں کی صحبت اٹھائی اور ان سے علم لکھا اور حاصل کیا لیکن امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ (تہذیب الکمال للحافظ مزنی مناقب موفق جلد۱، ص۱۹۵)

حضرت امام کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔

ابوحنیفہؒ سفیان الثوریؒ کی بہ نسبت فقاہت میں آگے ہیں۔

(بغدادی جلد۱۳، ص۳۴۲)

آپ یہ بھی فرماتے ہیں:۔

اقاویل ابی حنیفه لایحبها الاالذکی من الرجال ولایضبطها الاالفهیم منهم۔ (مناقب موفق جلد۲، ص۴۸)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کی باتوں کو ذکاوت والے (فہم کی تیزی والے) ہی پسند کرتے ہیں اور انہیں اہل فہم کے سوا کوئی ضبط میں نہیں لاسکتا۔

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ یزید بن ہارونؒ حافظاً للحدیث تھے۔

علامہ عجلی کہتے کہ یزید ثقة ثبت فی الحدیث۔ (تہذیب جلد ۱۱، ص ۳۶۷)
ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ آپ ثقہ تھے کثیر الحدیث تھے۔ (ایضاً ص ۳۶۸)
امام یحییٰ بن زکریا لکھتے ہیں:۔

کنا نسمع ان یزید من احسن اصحابنا صلاۃ واعلمہم بالسنة۔ (ایضاً)

## ۶۔عبدالرزاق بن ہمامؒ (۲۱۱ھ)

حافظ حدیث امام عبدالرزاق بن ہمامؒ صحاح ستہ کے شیوخ وروات میں سے ہیں۔امام ذہبیؒ آپ کو احد الاعلام الثقات لکھتے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کی بے شمار مرویات ہیں امام عبدالرزاقؒ حدیث میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ (تہذیب الکمال تبییض الصحیفہ)

آپ امام اعظمؒ کی خدمت میں زیادہ رہے۔ (عقود الجمان)

آپ کی حدیث کی کتاب المصنف گیارہ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے اس میں جگہ جگہ پر حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایات کا ذکر ملتا ہے مثلاً (جلد اول) ص ۲۱۰، ص ۳۶۳، ص ۳۷۶ پر (جلد ۲) ص ۳۲۳، ص ۵۲۶، ص ۵۳۱، ص ۵۴۳ پر (جلد سوم) ص ۳۰۷، ص ۳۵۴ پر (جلد ۴) ص ۱۷۵، ص ۱۹۷، ص ۴۷۳ پر (جلد ۵) ص ۱۱ پر (جلد ۶) ص ۳۳۹، ص ۲۴۱، ص ۲۷۸، ص ۲۸۲، ص ۳۰۱، ص ۳۳۴، ص ۳۶۲، ص ۳۸۹، ص ۴۷۶ پر (جلد ۷) ص ۶۹، ص ۱۱۳، ص ۱۴۴، ص ۲۰۵، ص ۳۱۲، ص ۳۱۴، ص ۳۱۵، ص ۳۵۷، ص ۳۶۰، ص ۴۵۱ پر (جلد ۹) ص ۱۵، ص ۸۷، ص ۱۶۹، ص ۱۷۱، ص ۳۵۲، ص ۳۷۰، ص ۳۷۳، ص ۳۸۷، ص ۴۰۵، ص ۴۱۰، ص ۴۲۷، ص ۴۲۹، ص ۴۱۵، ص ۴۷۳، ص ۴۸۳، ص ۴۹۰ پر (جلد ۱۰) ص ۸، ص ۹۷، ص ۱۰۱، ص ۳۱۹ پر یہ روایات ملیں گی۔

امام بخاریؒ کے شیخ امام احمدؒ، علی بن المدینیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام سفیان بن عیینہؒ جیسے کبار محدثین سب آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

امام احمد علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر روایت حدیث میں کسی کو نہیں دیکھا لوگ اطراف و جوانب سے اور علماء و محدثین دور دور سے آپ کی خدمت

میں حاضر ہوتے تھے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

## ۷۔امام حفص بن غیاثؒ (۱۹۴ھ)

امام حفص بن غیاثؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ممتاز بڑے اصحاب میں سے ہیں آپ تدوین فقہ میں آپ کے شرکاء میں سے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں۔ (جامع المسانید جلد۲،ص۴۳۰)

آپ کثیر الحدیث محدث تھے۔ (بغدادی جلد)

ابن معینؒ کہتے ہیں کہ صاحب حدیث لہ معرفتہ تھے۔ (تہذیب جلد۲،ص۴۱۶)

امام شافعیؒ کی نسبت حدیث میں زیادہ عالم تھے:۔

کان حفص اعلم بالحدیث من ادریس. (ایضاً)

حفصؒ سراپا فقیہ تھے:۔

قال العجلی ثبت فقیه البدن. (ایضاً ص۴۱۷)

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے فقہ میں بھی تخصص کیا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ آپ کے استادوں میں سے ہیں۔

امام احمدؒ، یحییٰ بن معینؒ، علی بن المدینیؒ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں اصحاب ستہ نے بھی آپ سے روایت کی تخریج کی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جن اصحاب کو وجہ سرور فرمایا تھا ان میں سے ایک آپ ہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ ہوئے تو آپ ان کے رجسٹرار مقرر ہوئے ہارون الرشید نے آپ کا تقرر کیا تھا۔ (تہذیب جلد۲،ص۴۱۶)

اتنے اونچے درجے کے محدث اور کثیر الحدیث عالم جس امام کے رجسٹرار ہوں آپ غور فرمائیں اس امام (امام ابو یوسفؒ) کے اپنے علم حدیث کا کیا پایہ ہوگا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

## ۸۔امام ابوعاصم النبیل ضحاک بن مخلدؒ (۲۱۲ھ)

حضرت امام ابوعاصمؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور اصحاب تدوین میں سے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ آپ کو حافظ حدیث اور شیخ الاسلام کے نام سے ذکر کرتے ہیں اور احد الاثبات بھی کہتے ہیں آپ ثقہ راوی ہیں اور ان کی ثقاہت پر تمام محدثین کا اجماع ہے۔

(ذکرہ الذہبی فی المیزان)

اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے تخریج کی ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ کی بے شمار مرویات ملتی ہیں۔

آپ کا لقب النبیل (بڑا عزت والا) حضرت امام شعبہؒ کا دیا ہوا ہے آپ امام ثوریؒ کے بھی شاگرد تھے۔

آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان الثوریؒ دونوں کو پایا ہے ان میں بڑا فقیہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی بنیاد ڈالی ہے اور سفیانؒ صرف فقیہ ہیں۔ (سیرۃ النعمان)

علامہ عجلیؒ آپ کو ثقہ کثیر الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب جلد ۴، ص ۴۵۱)

ابوداؤدؒ کہتے ہیں:۔

**کان یحفظ قدر الف حدیث من جید حدیثه. (ایضاً)**

ترجمہ: آپ کو ایک لاکھ کے قریب جید احادیث یاد تھیں۔

## ۹۔امام داؤد بن النصیر طائیؒ (۱۶۰ھ)

امام داؤد طائی الکوفیؒ اپنے وقت کے امام حدیث تھے امام اعمشؒ اور ابن ابی لیلیؒ سے حدیث پڑھی پھر امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیس برس تک آپ سے استفادہ کیا آپ تدوین فقہ میں حضرت امام کی مجلس کے ممبر تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آپ کو نصیحت فرمائی تھی کہ آپ ائمہ کے درمیان بیٹھا کریں اور ان کی گفتگو سنیں اور منہ سے کچھ نہ کہیں چنانچہ آپ نے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کی اس نصیحت پر ایک برس تک عمل کیا اور فرمایا کرتے تھے کہ اس ایک سال کے صبر نے تیس برس کا کام کیا ہے۔

حضرات محدثین آپ کو ثقہ بلانزاع لکھتے ہیں یعنی ان کی توثیق میں کسی کو کلام نہیں۔ (قال الذھبی فی المیزان)

سفیان عیینہؒ اور اسماعیل ابن علیہ جیسے محدث آپ کے حدیث میں شاگرد ہیں۔

علم میں یہ شان تھی کہ امام محمدؒ بھی آپ سے مسائل کی تحقیق کرنے آتے تھے۔

مشہور محدث محارب بن دثارؒ فرماتے تھے کہ اگر آپ پہلے زمانہ میں ہوتے تو اللہ

تعالیٰ آپ کا قرآن کریم میں ذکر کرتے۔

(تاریخ ابن خلکان سیرۃ النعمان، تہذیب جلد ۳، ص ۲۰۳) رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

## ۱۰۔امام قاسم بن معن (۱۷۵ھ)

امام قاسم بن معنؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔

(ایضاً جلد ۸، ص ۳۳۸)

آپ اپنے وقت کے محدث اور فقیہ زمان تھے۔

ابن سعدؒ کہتے ہیں :۔

**کان ثقة عالما بالحدیث و الفقه.** (ایضاً جلد ۸، ص ۳۳۹)

علامہ ذہبیؒ نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

عربیت اور ادب میں اس اعلیٰ مقام پر تھے کہ امام محمدؒ جیسے امام بھی آپ سے استفادہ کرتے تھے۔

آپ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ان شاگردوں میں سے ہیں جو تدوین فقہ میں آپ کے شریک کار رہے جن کے بارے میں امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کو مٹانیوالے ہو۔

ہارون الرشید نے آپ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا آپ نے غایت تقویٰ کی بنا پر بغیر تنخواہ کے یہ ذمہ داری قبول کی ابن سعدؒ کہتے ہیں:

**وکان اروی الناس للحدیث والشعروا علمهم بالعربیة والفقه.** (تہذیب جلد ۸، ص ۳۳۹)

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں آپ ابن المہدیؒ علی بن نصرؒ، ابونعیم بن دکینؒ کے استاذ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد کا حضرت امامؒ کے ساتھ رہنا اس بات کی قومی شہادت ہے کہ حضرت امام ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علمی وارث تھے قاسمؒ کے دادا کا نام عبدالرحمٰنؒ تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بیٹے تھے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

ان دو اکابر کا ذکر پہلے کر آچکا ہے یہاں بطور امام حدیث ہم انکا کچھ اور ذکر کیے دیتے ہیں۔

## ۱۱۔ حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)

امام ابو یوسفؒ کے متعلق حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کہتے ہیں آپ پچاس ساٹھ احادیث ایک مجلس میں یاد کرلیا کرتے تھے۔ (الانتقاء ص۱۷۲) آپ کثیر الحدیث تھے امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل آپ کو ثقہ کہتے ہیں۔ (سنن کبریٰ جلد۱۰، ص۱۴۷) امام شافعیؒ کے شاگرد امام مزنی (۲۶۴ھ) کہتے ہیں امام ابو یوسف فقہاء میں سب سے زیادہ حدیث کی پیروی کرنے والے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد۱۰، ص۱۸۰) آپ کو صاحب حدیث (اہلحدیث اصطلاح قدیم) اور صاحب السنۃ (اہل سنت باصطلاح قدیم) کہتے تھے۔ (ابن قتیبہ) آپ کے دور میں کوئی عالم اور کوئی قاضی سرداری اور عزت میں آپ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ولم یتقد مہ احدفی زمانہ وکان النہایۃ فی العلم والحکم والریاسۃ والقدرو ھواول من وضع الکتاب فی اصول الفقہ. (شرح مشکل الآثار جلد۹، ص۲۰۱)

## امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ)

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) آپ کی کتب حدیث سے استفادہ کرتے تھے فقہ میں آپ کی کتابیں (چھ کتابیں ظاہر الروایہ اور الحجۃ علی اہل المدینۃ) اور ہیں اور حدیث میں آپ کتاب الآثار اور موطا امام محمد میں بطور ایک راوی سامنے آتے ہیں۔ صحیح بخاری کتاب الاکراہ میں امام بخاری امام ابراہیم نخعیؒ سے یہ روایت تعلیقا لائے ہیں۔ وقال النخعی اذاکان المستحلف ظالما فنیۃ الحالف وان کان مظلوما فنیۃ المستحلف.
(صحیح بخاری جلد۲، ص۱۰۲۸)

امام بخاری نے امام ابراہیم نخعی کا زمانہ نہیں پایا آپ نے امام ابراہیم کی یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ آپ نے اسے ذکر نہیں کیا امام نخعی نے واقعی یہ کہا ہے جو آپ نے نقل کیا ہے اس کا مدار اس راوی کی ثقاہت پر ہے جس نے آپ سے یہ بات روایت کی امام بخاریؒ نے یہ بات نہیں کھولی لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کھول دی ہے آپ لکھتے ہیں صحیح بخاری کی یہ معلق روایت محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں موصولا بیان کی ہے۔

وصلہ محمد بن الحسن فی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃ عن حماد عنہ بلفظ اذا استحلف الرجل وھو مظلوم فالیمین

علی مانوی و علی من وری (فتح الباری جلد۱۲، ص۲۷۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاریؒ نے بطور راوی امام محمد کی روایت قبول کی ہے آپ جوبات امام ابراہیم نخعی سے روایت کرر ہے ہیں وہ واقعی امام ابراہیم کی ہی ہے ابوبکر ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی اسے امام حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ) سے اور انہوں نے اسے امام ابراہیم سے روایت کیا ہے لیکن صحیح بخاری کے الفاظ امام محمد کی روایت کے قریب ہیں امام بخاریؒ نے اسے امام محمد کی کتاب الآثار سے لیا ہے اور وہ ان پر روایت میں پورا اعتماد کرتے ہیں۔ امام مزنی (۲۶۴ھ) آپ کے بارے میں فرماتے ہیں مرحبا بمن یملا الاذان سمعا والقلب فهما (ترجمہ) مرحبا اس پر جو کانوں کو روایت (حدیث) سے اور دل کو فہم و دانش (فقہ) سے بھر دے۔ یہ حضرت امام کے سمعی علم اور فقہی علم دونوں کی عظمت کا اقرار ہے۔ علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں۔

كان محمدبن الحسن من بحور العلم والفقه

فقہ کے علاوہ وہ کونسا علم تھا جس کے سمندروں میں امام محمد غوطا زن تھے؟ وہ علم حدیث کے سوا اور کونسا علم ہوسکتا ہے امام دار قطنی (۳۸۵ھ) نے غرائب مالک میں رفع یدین کی روایت بیس سندوں سے نقل کی ہے ان میں پہلی سند انھوں نے امام محمدؒ سے لی ہے اور کہا ہے یہ بیس حضرات ثقات حفاظ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

حدث به عشرون نفرا من الثقات الحفاظ منهم محمد بن الحسن الشيباني ويحيىٰ بن سعيد القطان وعبدالله بن المبارک و عبدالرحمن بن مهدی. (نصب الرایہ جلد۱ ص۴۰۹)

آپ اندازہ کریں امام محمدؒ دار قطنی کے ہاں کس صف کے ثقات حفاظ میں سے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے حلقہ حدیث میں یہ حضرات بھی رہے۔

۱۔ ابراہیم بن طہمان (۱۶۳ھ) حدث عنه من شیوخه صفوان بن سلیم وابوحنيفة الامام (تذکرہ جلد۱، ص۲۱۳)

۲۔ مکی بن ابراہیم البلخی شیخ خراسان (۲۱۵ھ) تذکرہ جلداول ص۳۶۶

حدث عن يزيد بن ابی عبيد وجعفر الصادق وبهزبن حكيم وابی حنيفة ...... وعنه البخاری.

۳۔ ابوعاصم ضحاک بن مخلد الشیبانی ایک لاکھ جید احادیث انہیں یاد تھیں ثقہ راوی حدیث تھے حافظ مزی نے انہیں امام ابوحنیفہ کے راویوں میں ذکر کیا ہے امام ابوداود کہتے ہیں۔

کان ابو عاصم یحفظ نحوالف حدیث من جید حدیثه (وقال ابن سعد) ثقة فقیها. (تذکرہ جلد۱، ص۳۳۴)

امام سیوطی لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے بڑے اساتذہ میں سے تھے ذکرہ المزی فی اصحاب الامام. (تبییض ص۱۳، الجواہر ص۲۶۵)

۴۔ فضل بن دکین امام بخاریؒ کے مشہور اساتذہ میں سے ہیں ذکرہ المزی فی الرواۃ عن ابی حنیفة. (تبییض ص۱۳، تہذیب ص۳۴۹)

۵۔ ابوعبداللہ فضل بن موسیٰ السینانی بھی امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں ذکرہ المزی فی الرواۃ عن ابی حنیفة. (تبییض ص۱۳)

۶۔ محمد بن عبداللہ الانصاری حضرت انس بن مالک کے پوتے ہیں انہیں اسی لقب سے ذکر کیا جاتا ہے۔

حکی الخطب انه کان من اصحاب زفروابی یوسف روی عنه البخاری فی الصحیح. (الجواہر ص۷۰)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں قال الساجی رجل جلیل عالم غلب علیه الرای (تذکرہ جلد۱، ص۳۲۷)

صحابہ کرام کی اولاد پر اصحاب الرای کا اطلاق بتلاتا ہے کہ یہ لقب کسی برے عقیدے کی نشاندہی نہیں کرتا۔

یہ وہ ائمہ حدیث ہیں جو آپ کی صحیح بخاری میں جگہ جگہ نظر آئیں گے امام بخاریؒ کو انہی ثلاثیات پر ناز ہے جن میں وہ تین واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سند لیتے ہیں صحیح بخاری میں کل ثلاثیات بائیس ۲۲ ہیں جن میں سے بیس ان حضرات کی ہیں جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد رہے۔

یہ صورت حال بتاتی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے ۱۰۰ ہجری اور کچھ اس کے متصل بعد کا زمانہ اکثر طلب حدیث میں گزارا اور جوں جوں زمانہ بڑھتا گیا ان کی زیادہ توجہ فقہ میں رہنے لگی۔

# دقائق الفقہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

اسلام دین کامل ہے اور انسانی زندگی کے تمام دائروں کوشامل ہے انسانی زندگی کے کچھ دائرے ایسے ہیں جنہیں انسان پردے میں بجالاتا ہے جیسے غسل اور استنجاء وغیرہ اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ (Private) پرائیوٹ امور ہیں جن کا عام کھلے بندوں ذکرحیا اور شرافت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ تاہم اس سے انکارنہیں کہ یہ بھی انسانی زندگی کے ضروری دائرے ہیں اور شریعت ان ابواب میں بھی انسانی زندگی کی راہنمائی کرتی ہے اور فقہ ان مسائل کو بھی حل کرتی ہے۔

یہ مسائل اگرکہیں حدیث میں مروی ہوں تو منکرین حدیث ایسی احادیث کوعوام میں استہزاء کے طور پر ذکر کرتے ہیں اور عام لوگ کہتے ہیں کہ بھلا ان باتوں کے ذکرکی کیا ضرورت تھی۔ اسی طرح ان ملحدین کا حدیث کے خلاف نفرت پھیلانے کا پروگرام عمل میں آتا ہے اورعلم کی دنیا سرپیٹ کر رہ جاتی ہے اور ان مسائل پر حدیثی روایات اس انداز میں پیش کی جاتی ہیں کہ لوگوں کے سرشرم سے جھک جاتے ہیں تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس میں محدثین کا کوئی قصورنہیں فرقہ بندی کا یہ رسہ بلاسمت کھینچا جارہا ہے۔

اسی طرح فقہ کی جزئیات میں بعض عجیب وغریب مسائل سامنے آجاتے ہیں اور قانونی موشگافی کرنے والے انہیں کسی نہ کسی اصل شرعی کے تحت رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ منکرین حدیث کی طرح منکرین فقہ بھی اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایسے مسائل کواپنی اصل سے فارغ کرکے اور ان کی شروط وقیود کوحذف کرکے انہیں ایسے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ فقہ کچھ ظرائف وعجائب کا مجموعہ دکھائی دینے لگتی ہے۔ اگر یہ لوگ انہیں اس فن کے اساتذہ سے سمجھنے کی سعادت پاتے تو کوئی ناہنجار فقہ سے اس استہزاء کی

جسارت نہ کرتا۔ محدثین ابتداء سے فقہ کی عظمت بیان کرتے آئے ہیں یہ کیسے اہلحدیث ہیں جو محدثین کے اس مسلک کو چھوڑ کر جہاں دیکھو اس ایک نعرے پر متفق ہیں کہ دین میں قرآن وحدیث کے بعد ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

بنارس میں ایک دفعہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف اس قسم کے اشتہار دیئے کہ عوام تو درکنار خواص بھی ان مسائل کو سمجھ نہ پائے اور جب کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں بات ہی کچھ اور تھی اس اشتہار کی چند سرخیاں ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ اسلام میں مردے کھانے جائز ہیں۔

۲۔ اسلام میں مردار پاک سمجھا گیا ہے۔

۳۔ کتا پاک ہے اس کی کھال پر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

۴۔ نماز میں ہوا نکل جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

۵۔ ماں سے نکاح کرنے والے پر پیغمبر اسلام نے حد جاری نہیں کی۔ (استغفر اللہ)

جب ان مسائل کی پڑتال کی گئی تو مردہ کھانے سے انہوں نے اپنی مراد مچھلی کھانا بتلائی۔ مردار پاک ہونے سے ان کی مراد مردہ جانور کی کھال تھی جو دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ کتا پاک ہونے سے بھی اس کی مراد اس کی کھال کا دباغت سے پاک ہونا معلوم ہوا۔ نماز میں ہوا خارج ہونے کی تفصیل یہ ملی کہ نمازی جب سب فرائض و واجبات ادا کر کے آخری تشہد سے گزر چکا ہو تو اب ہوا نکلنے سے نماز نہ ٹوٹے گی۔ پھر یہ بات ملی کہ کھال جس طرح دباغت سے پاک ہوجاتی ہے ذبح سے بھی پاک ہوجاتی ہے لیکن اس سے اسے حلال نہیں سمجھا جاسکتا کتا ذبح بھی کیا جائے تو اس کا گوشت حرام رہے گا رطوبات نجسہ زائل ہونے سے صرف کھال پاک سمجھی جائے گی۔ محرمات سے نکاح کرنے والے پر اگر پیغمبر اسلام نے زنا کی حد جاری نہیں کی تو کیا اسے سزائے موت نہیں دی؟ پھر اس پراپیگنڈے کا کیا فائدہ کہ دیکھو آپ نے اس پر حد جاری کرنے کا نہیں فرمایا۔

اس قسم کے مسائل کچھ ایسے دقیق ہیں کہ عوام انہیں سمجھ نہیں پاتے اور دینی آوارگی چاہنے والا طبقہ انہیں نہایت دلآزار پیرایہ میں عوام میں پیش کرتا رہتا ہے۔ سو ہم یہاں چند ایسے مسائل دقائق الفقہ کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں طلبہ کو چاہیے کہ ان مسائل کو غیر مقلدانہ آوارگی میں نہیں دانشکدہ کے علمی ماحول میں سمجھنے کی کوشش کریں فقہ اسلام کا وہ

اشرف موضوع ہے کہ جہاں نفاق کوراہ نہیں ملتی فقہ اور نفاق کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

## ایک معذرت

ہمیں معلوم ہے کہ طلبہ کے سامنے کسی بحث کو مناظرانہ انداز میں لانا مناسب نہیں طلبہ میں ہر مکتب فکر کے لوگ ہوتے ہیں مگر فقہ پر اس قسم کے اعتراضات کرنے والا چونکہ ایک ہی طبقہ ہے اس لیے انہیں بار بار اہلحدیث کے نام سے ذکر کرنا نامناسب نہ تھا ایسے موقعوں پر ہم مجبورا انہیں غیر مقلدین کے نام سے ذکر کرتے ہیں امید ہے اہلحدیث (باصطلاح جدید) طلبہ اسے برانہ منائیں گے اہلحدیث کہہ کر ہم نے ان کی اس قدر جہالت اور سفاہت کوواضح کرنا نامناسب نہیں جانا۔ والعذر عند کرام الناس مقبول

## ا۔ حضورؐ نے مردار کی کھال کو لائق استعمال سمجھا

اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا تقاضا ہے کہ کوئی چیز جوانسان کے کام آسکے اسے ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ کہیں انسان کی بھینس مرگئی اب یہ مردار ہے اس کا کھانا حرام ہے لیکن اس کے اوپر جو کھال ہے اگر یہ کھانے کے سوا کسی اور کام میں آسکے تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہونا چاہیے حضورؐ نے بتلا دیا کہ مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے لیکن آپ نے یہ اس کا پاک ہونا بتلایا ہے اسے حلال نہیں کہا اس سے جوتے بھی بن سکیں گے اور کنویں سے پانی نکالنے کا ڈول بن سکے گا، پانی کے مشکیزے بھی اس سے بن سکیں گے، کیوں؟ یہ اس لیے کہ دباغت سے مرداری چمڑا اب پاک ہو چکا ہے۔

یہاں فقہ کے دولفظ سامنے آتے ہیں حرام اور ناپاک یہ دولفظ مختلف ہیں اور مختلف معنی دیتے ہیں مردہ گائے حرام ہے اور ناپاک بھی لیکن اس کی کھال دباغت سے پاک ہوگئی گو وہ کھانے کے پہلو سے حرام ہی رہے۔ ذبح کی گئی گائے کی کھال کھانے میں حلال ہے جیسا کہ سری پائے میں بعض دفعہ کھال گوشت کے ساتھ پکتی ہے اور لوگ اسے کھالیتے ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حرام کبھی کبھی پاک بھی ہو جاتا ہے کہ وہ حرام بھی رہے اور پاک بھی سمجھا جائے جیسے مردہ گائے کی دباغت شدہ کھال ہاں خنزیر نجس العین ہے اس کی کھال دباغت سے بھی پاک نہ ہو سکے گی البتہ اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے ہاں خنزیر کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

## گدھے اور کتے کی کھال

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

ایما اھاب دبغ فقد طھر. (سنن نسائی جلد۲، ص۱۶۹)

ترجمہ: جو چمڑا بھی دباغت کیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

ایما کا عموم ان جانوروں کو بھی شامل ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان کو بھی جن کو کھانا حلال نہیں ہے جیسے گدھا اور کتا علماء کی کثرت اسی طرف گئی ہے خنزیر کا استثناء دوسرے دلائل کی وجہ سے ہے ورنہ وہ بھی اس عموم میں آ جاتا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

ذکاۃ المیتۃ دباغھا. (ایضاً)

ترجمہ: مردار کا ذبح کرنا اسے دباغت دینا ہے۔

ذکاۃ کا لفظ ذبح کرنے کے معنی میں آتا ہے اس سے مراد جانور کو پاک کرنا ہے۔ اب اگر کسی شخص نے اس جانور کو جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا ذبح کیا اور پھر ذبح سے اس کی رطوبات نجسہ دور ہو گئیں تو اب اس کی کھال کو وہ درجہ حاصل ہوگا جو دباغت سے ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردار کو ذبح کرنا اس کی دباغت ہے سو یہ کھال ناپاک نہ ہوگی جانور اصلاً ذبح سے پاک ہو جاتا ہے گو وہ کھانے کے لیے حرام رہے یہ ذبح نہ ہو تو اس کی کھال دباغت سے پاک ہو سکے گی اس کے بغیر نہیں۔

اس بات کو غیر مقلد لوگ بایں عنوان پیش کرتے ہیں کہ حنفیوں کے ہاں کتا ذبح کرنے سے پاک ہوتا ہے اور آگے وہ یہ بات نہیں کہتے کہ وہ بدستور حرام رہتا ہے صرف اس کی کھال پاک ہوتی ہے۔ تاہم حنفی فقہ میں کتے کو ذبح کرنے کی ہرگز کہیں تعلیم نہیں کہ اس کی کھال حاصل کرنے کے لیے اسے ذبح کیا کرو، یہ کہیں نہیں ہے۔

## مردار کی صرف کھال پاک ہو سکتی ہے گوشت نہیں

۱۔ قال کثیر من المشائخ انه یطھر جلده لا لحمه وھو الاصح واختاره الشارحون. (فتح القدیر لابن الہمام جلد۱، ص۳۹)

۲۔ دون لحمه فلا یطھر علی اصح مایفتی به.

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص۹۷)

۳۔الصحیح ان اللحم لایطھر بالزکوۃ.

(غنیۃ المستملی ص ۱۴۴)

۴۔ لایطھر لحمه علی قول الاکثروان کان غیرماکول ھذا اصح مایفتی به. (درمختار)

حاصل ان عبارات کا یہ ہے کہ ذبح کرنے سے حرام جانور کا گوشت پاک نہیں ہوتا صرف اس کی کھال پاک ہوجاتی ہے اس کے خلاف کوئی قول لائق اعتبار نہیں حنفی فقہ کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس کا گوشت حرام ہے۔

اب دیکھئے کہ اس دقیقہ میں اور "حنفیوں کے ہاں کتا پاک ہے" کے شرمناک عنوان میں کتنا بڑا فرق ہے مسلمانوں میں نفرت کی فضا پیدا کرنے میں معلوم نہیں غیر مقلدین کو کیا ملتا ہے۔

جو لوگ فقہ نہیں جانتے وہ سمجھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک کتا ذبح ہونے سے گویا پورا پاک ہوگیا محض تعصب مذہبی سے مسلمانوں کے کسی طریقہ پر اس طرح کے الزامات لگانا، کیا اس سے دین عوام کے سامنے ایک کھلا استہزاء ہو کر نہ رہ جائے گا۔ پھر یہ لوگ اصح اور مفتی بہ کی اصطلاحوں کو بھی نہیں سمجھتے صرف حنفیوں کے بغض میں عبارات لکھ دیتے ہیں جن سے عوام توبہ توبہ کہہ اٹھیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ فقہ میں کن کن باریکیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور یہی وہ دولت ہے جس سے یہ معترض لوگ بے نصیب ہیں۔

## ذبح اور دباغت کا ایک عمل اور اثر

جس طرح دباغت سے مردار کی کھال پاک ہوجاتی ہے حرام جانور کھال کی حد تک مطلق ذبح سے بھی پاک ہوجاتا ہے اہلحدیث (باصطلاح جدید) حضرات کا بھی یہی موقف ہے ان کے مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:۔

مایطھر بالدباغة یطھر بالزکوۃ الالحم الخنزیر بانه رجس.

(نزل الابرار جلد۱، ص۳۰)

ترجمہ: جو چیز دباغت سے پاک ہوجاتی ہے وہ ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔

دونوں میں علت مشترکہ یہ ہے کہ جس طرح دباغت سے رطوبات نجسہ زائل ہوتی ہیں ذبح سے بھی یہ جاتی رہتی ہیں مولانا وحید الزمان کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حدیث حضرات کے ہاں خنزیر کی کھال بھی ذبح سے پاک ہوجاتی ہے صرف گوشت ناپاک رہتا ہے مولانا وحید الزمان اس سے پہلے لکھ آئے ہیں:۔

ایما اھاب دبغ فقد طہر ومثلہ المثانة والکرش واستثنی بعض اصحابنا جلدالخنزیر والادمی والصحیح عدم الا ستثناء. (ایضاً ص۲۹)

ترجمہ: جو چمڑا رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے اسی طرح مثانہ اور اوجری کا چمڑا بھی پاک ہو جاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ خنزیر کا چمڑا اس سے مستثنیٰ ہے وہ پاک نہیں ہوتا صحیح یہ ہے کہ وہ بھی پاک ہو جاتا ہے۔ (استغفر اللہ العظیم)

## کتے کے چمڑے کا جائے نماز اور پانی نکالنے کا ڈول

جب کتا ذبح کرنے سے یا اس کی کھال کو دباغت دینے سے پاک ہوگیا تو اس کھال سے کیا جائے نماز بنانا درست ہے؟

جواب: مولانا وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:۔

ویتخذ جلدہ مصلی و دلوا. (نزل الابرار ص۳۰)

ترجمہ: اور کتے کی کھال سے مصلا اور ڈول بنائے جاسکتے ہیں۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے ہاں کتے کو ذبح کرنا جائز ہے اور اس کی کھال سے مصلے بنائے جائیں یہ باریکی محض اس لیے بیان کی گئی ہے کہ حرام جانوروں کی کھالوں سے انسان زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے ان مسائل میں صرف حکم بتلانا مقصود ہے ان کاموں کی ترغیب نہیں دی جارہی جیسا کہ غیر مقلد کہتے ہیں کہ حنفیوں کے ہاں کتا ذبح کرنا جائز ہے۔

اب آیئے ایک دوسرے مسئلے میں چلیں:۔

## ۲۔ اسلام میں وجوب غسل کے اسباب

۱۔ انزال خواب میں یا جاگتے جائز عمل سے ہو یا ناجائز عمل سے ہر حال میں.

موجب غسل ہے بوجہ بیماری یا ناداری غسل نہ کر سکے تو تیمم کرے بدوں غسل یا تیمم کے وہ ناپاک رہے گا۔

۲۔ فطری طریق جماع میں بغیر انزال علیحدگی اختیار کر لی تو بھی غسل واجب ہو گیا مگر غیر فطری ادخال سے وہ تکیے میں ہو یا کسی نالی میں، ٹانگوں میں ہو یا بغل میں، یا کہ چوپائے میں اس قسم کی حرکات شنیعہ میں سزا تو ہے لیکن اگر انزال نہیں ہوا تو غسل فرض نہ ہو گا۔

اس میں باریک فقہی نظر کار فرما ہے جو دو صورتوں میں فرق کر رہی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان غیر فطری طریقوں کو اختیار کرنا جائز ہے غیر مقلدین جب ان مسائل کے حوالوں سے عوام کو فقہ سے بدگمان کرتے ہیں تو اس بات کو وہ اس عنوان سے پیش کرتے ہیں:۔

فقہاء کے نزدیک اگر کسی نے چوپائے سے شہوت زنی کی مگر عمل مکمل ہونے سے پہلے ہٹ گیا تو اس پر غسل فرض نہیں ہوتا، اس الزام کو اس صورت میں پیش کیا جاتا ہے گویا احناف کے ہاں چوپائے سے یہ عمل قابل سزا نہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے فقہ کی کتابوں میں اس فعل شنیع پر سزا کا حکم واضح طور پر موجود ہے:۔

> من وطئ اجنبية فيما دون الفرج يعزر لانه منكر ليس فيه شيمقدر. (ہدایہ اولین ص۴۹٦)
>
> ترجمہ: جس شخص نے کسی اجنبی عورت سے شرمگاہ کے سوا صحبت کی اسے تعزیر کی سزا دی جائے گی کیونکہ یہ برا عمل ہے جس پر کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی۔
>
> پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:۔
>
> من وطئى بهيمة فلاحد عليه لانه ليس فى معنى الزنا الاانه يعزر لما بينا. (ایضاً ص۴۹۷)
>
> ترجمہ: جس نے کسی چوپائے سے یہ بری حرکت کی اس پر حد زنا جاری نہ کی جائے گی کیونکہ یہ زنا نہیں ہے ہاں اس پر جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اسے تعزیر کی سزا دی جائے گی۔

افسوس کہ غیر مقلدین اس بحث کو مسائل غسل میں لا کر اس طرح پیش کرتے ہیں

کہ گویا حنفیوں کے ہاں ایسے اعمال پر کوئی گرفت نہیں اور لوگ بھی جہالت کا شکار ہیں کہ سوچنے کی ذرا زحمت گوارا نہیں کرتے۔

یہ نہ بھولیے کہ امام بخاریؒ کے ہاں عورت سے صحبت کرنے والے پر بھی بلا انزال غسل واجب نہیں ہوتا گو وہ احتیاط غسل کر لینے کا مشورہ دیتے ہیں۔

(دیکھیے بخاری جلد ۱، ص ۴۳)

## غیر مقلدوں کا ایک اور جھوٹ

۳۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کھجور کی شراب سے وضو کرنا جائز ہے اور اس کا پینا بھی حلال ہے۔

الجواب: عربوں میں ایک مشروب نبیذ کے نام سے معروف تھا پانی میں کھجوریں ڈال دیں اور وہ پانی کو میٹھا کر دیں تو کھجور کی یہ نبیذ کسی امام کے ہاں ناجائز نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مشروب کو بہت پسند کرتے تھے لیکن اس میں اور شراب میں بہت فرق ہے اسے شراب بتلانا غیر مقلدانہ آوارگی ہے جو علمی شرافت کے سراسر خلاف ہے۔

اگر نبیذ اتنی دیر پڑی رہے کہ ابلنے لگے تو امام اعظمؒ کے ایک قول کے مطابق وہ نشہ آور ہو گئی اور ایک قول ان کا یہ ہے کہ یہ اس درجہ اشتداد میں دیر سے نشہ آور ہوتی ہے۔ سو پہلے درجے میں یہ شراب کے حکم میں نہیں ہے نبیذ کے درجہ میں ہے۔

اب مسئلے کی صورت بالکل واضح ہے کہ اگر وہ شراب کے حکم میں نہیں تو پانی کے حکم میں ہے پانی اسی وقت لائق وضوء نہیں رہتا جب اس میں کوئی ناپاک چیز جو اس کے رنگ ذائقہ یا خوشبو کو بدل جائے اب ظاہر ہے کہ یہ مشروب اگر حد مسکر کو نہیں پہنچا تو وہ پانی کے حکم میں ہے اس سے وضو جائز ہوگا اور اس کا پینا بھی جائز ہوگا اعتراض کی کوئی وجہ بتائیے؟

غیر مقلد اسے نہایت مکروہ عنوان سے پیش کرتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کھجور کی شراب سے وضوء جائز ہے"۔

### حقیقت مسئلہ

اس مسئلے میں امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ وہ عام پانی کے حکم میں ہے اس سے وضو جائز ہے دوسری یہ کہ وہ اس اشتداد میں عام پانی نہیں رہا اس میں نشہ پیدا

ہو گیا ہے اب اس کا پینا حرام ہے اور اس سے وضو نا جائز ہے امام شافعیؒ امام صاحبؒ کی اس دوسری روایت سے اتفاق کرتے ہیں ہدایہ میں ہے:۔

قال ابویوسف یتیمم ولایتوضأبه وهو روایة عن ابی حنیفة وبه قال الشافعی. (ہدایہ ص۳۲)

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس صورت حال میں وہ تیمم کرے اور اس نبیذ سے وضو نہ کرے امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

غور کیجیے غیر مقلدین کا امام صاحبؒ کے پہلے قول کو نقل کرنا اور فقہ حنفی کے مفتی بہ فیصلے کو جو امام محمدؒ سے منقول ہے نہ لینا اگر نیت کا فساد نہیں تو اور کیا ہے معترضین اس اعتراض میں جو عبارت نقل کرتے ہیں وہ پوری عبارت اس طرح ہے:۔

النبیذ المختلف فیه ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء وما اشتد منها صارحراما لایجوز التوضی به وان غیرته النار فما دام حلوا فهو علی الخلاف وان اشتد فعند ابی حنیفة یجوز التوضی به لانه یحل شربه عنده وعند محمد لایتوضأبه لحرمة شربه عنده ولایجوز التوضی بما سواه من الانبذة. (ہدایہ ص۳۲)

ترجمہ: نبیذ جس میں اختلاف ہوا کہ اس سے وضو کیا جائے یا نہ وہ ہے جو میٹھا پانی ہو اور اتنا پتلا ہو کہ آسانی سے اعضاء پر بہہ سکے جیسے عام پانی ہوتا ہے جب تک وہ میٹھا پانی رہے (جو کچھ گاڑھا نہ ہو) گو اشتداد پر آ جائے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے کیونکہ ابھی وہ اس حالت میں ہے کہ اس کا پینا جائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ اس کا پینا ان کے ہاں جائز نہیں اس کے سوا جو اور نبیذیں ہیں ان سے وضو پہلے سے ہی جائز نہیں۔ (کیونکہ وہ رقیق نہیں ہوتیں کہ بدن پر پانی کی طرح بہہ سکیں)

غور کیجیے فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کو کس طرح چھوڑ دیا گیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے

ایک قول کو کس احساس تعصب میں گھرے پیش کیا گیا ہے اس قول میں بھی امام ابوحنیفہؒ اس نبیذ کو شراب تسلیم نہیں کرتے اور اسی وجہ سے اسے پینا جائز کہتے تھے اب اسے اس عنوان سے پیش کرنا کہ حضرت امام کے نزدیک کھجور کی شراب سے وضو کیا جاسکتا ہے اگر کھلی بے ایمانی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

رہا یہ مسئلہ کہ عوام کو کس طرح فقہ حنفی سے متنفر کیا جائے تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ اگر اس طرح کا مواد لوگوں نے کتب حدیث میں دیکھ لیا تو پھر یہاں اہل قرآن بھی کہیں گے اور اہل حدیث اور اہل فقہ دونوں پر ایک ہی انداز کی یورش ہوگی کہ بھلا نبیذ سے وضو کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی جو حضورؐ نے ایسا کہا آپؐ نے ایسا ہرگز نہ کہا ہوگا یہ احادیث ایک عجمی سازش ہیں۔

**عن عبداللّٰہ بن مسعود قال سالنی النبی مافی ادواتک فقلت نبیذ فقال تمرۃ طیبه وماء طهور قال فتوضا منه.**

(جامع ترمذی جلد۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں حضور اکرمؐ نے مجھ سے پوچھا یہ تیرے ادوات میں کیا ہے؟ آپ نے کہا یہ نبیذ ہے (کھجور کا شربت ہے) آپ نے فرمایا پاک کھجور ہے اور یہ ماء طہور ہے (ایسا پانی ہے جو پاک کرے) پھر آپ نے اس سے وضو کیا۔

امام ترمذیؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں:۔

**وقد رای بعض اهل العلم الوضوء بالنبیذ منهم سفیان وغیره**

ترجمہ: بعض اہل علم کی رائے ہے نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے انہی میں (کوفہ کے امام مجتہد) سفیان الثوریؒ اور کئی حضرات اور ہیں۔

کوفہ کے دوسرے بڑے عالم امام سفیان الثوریؒ ہیں یہ مجتہد تھے اور ان کی بھی مدتوں تقلید ہوتی رہی اتنے بڑے محدث اور مجتہد کا اس موقف پر ہونا یہ کوئی معمولی بات نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس بات کا اعتبار ہے۔

مولوی فضل احمد انصاری دلاوری نبیذ کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

نبیذ کھجوروں کے شربت کو بولتے ہیں جو حد سکر کو نہ پہنچا ہو جمہور اور امام ابو یوسفؒ کا یہ مذہب ہے کہ اس سے کسی صورت میں وضوء جائز نہیں اور اسی کو طحاویؒ نے اختیار کیا ہے اور قاضی خاں نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے لیکن مشہور کتب فقہ میں یہ ہے کہ جب پانی میں کچھ کھجوریں ڈالی جائیں اور وہ پانی میٹھا ہو جائے اور اس سے اسم پانی بھی زائل نہ ہو تو اس سے وضوء جائز ہے دلیل ان کی بھی حدیث ہے۔

(ترجمہ ترمذی ص ۲۹ لکھنؤ)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کتب فقہ میں جہاں نبیذ سے وضو جائز کہا گیا ہے وہاں یہ شرط ہے کہ اس سے اسم پانی زائل نہ ہوا ہو وہ شراب نہ ہوگئی ہو۔ کہاں یہ مسئلہ اور کہاں غیر مقلدوں کا یہ نعرہ کہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں شراب سے وضو جائز ہے کاش کہ یہ لوگ شربت اور شراب میں فرق کر سکتے اور ائمہ دین پر افتراء باندھنے سے پرہیز کرتے اگر انہیں کچھ بھی خوف خدا ہوتا۔

بعض اہلحدیث کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے ہم کہتے ہیں کہ فقہ میں آپ کا پیش کردہ حوالہ بھی تو مفتی بہ قول نہیں ہے آپ ان حوالوں سے کتب فقہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور منکرین حدیث ان حدیثوں کی وجہ سے کتب حدیث کا مذاق اڑاتے ہیں اس میں اہلحدیث اور اہل قرآن دونوں میں کیا فرق رہا دونوں تعصب کا شکار ہیں۔

بعض غیر مقلد عوام کو دھوکہ دینے کے لیے امام صاحبؒ کے قول کو قول اخیر کہتے ہیں تا کہ ان کا اختلاف قائم رہے اور مقلدین اور غیر مقلدین آپس میں کہیں اتفاق سے نہ بیٹھ سکیں ہم کہتے ہیں ان کی یہ بات بالکل غلط ہے۔

علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) نے نوح بن ابی مریم، اسد بن عمر اور حسن بن زیاد کی روایت سے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

انه تيمم ولا يتوضا به قال قاضى خان وهو الصحيح وهو قوله الاخير. (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۱، ص ۲۸۶)

ترجمہ: وہ تیمم کرے اس سے وضوء نہ کرے قاضی خان کہتے ہیں یہی صحیح ہے اور یہی آپ کا آخری قول ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) بھی کہتے ہیں:۔

**ذکر قاضی خان ان اباحنیفة رجع الی هذاالقول.**

(فتح الباری جلد۱)

ترجمہ: قاضی خانؒ نے لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ پھر اس بات کی طرف آگئے تھے۔

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر قارئین کے سامنے آئے گی کہ فقہ حنفی حدیث کے کس قدر قریب ہے اور یہ کہ دقت نظری میں شاید اور کوئی فقہ اس کی برابری نہ کرسکے۔

اب ان غیر مقلدین کی ایک اور جسارت سنیئے:

۴۔ تیمم پاک مٹی پر ہی ہوسکتا ہے قرآن پاک میں ہے **فتیمموا صعیدا طیبا** حنفی فقہ میں تیمم پتھر اور چونے پر بھی ہوجاتا ہے ان چٹانوں پر بھی ہوجاتا ہے جن پر مٹی کا کوئی گردوغبار نہ ہو مٹی کے بغیر تیمم کی راہ فقہ حنفی نے ہی دکھائی ہے؟

الجواب: پختہ غور وفکر کے بغیر فقہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی قرآن پاک میں تیمم صعید طیب سے کرنے کا حکم ہے اس میں مٹی کی تخصیص نہیں اب دیکھنا ہے کہ صعید کسے کہتے ہیں لغت میں صعید مٹی اور زمین دونوں کو کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو سبب طہور (تیمم) بتایا ہے مٹی سے اس کی تخصیص نہیں کی حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں:۔

**جعلت لی الارض مسجد اوطهورا.** (صحیح مسلم جلد۱، ص۱۹۹)

ترجمہ: پورا صفحۂ زمین میرے لیے سجدہ کی جگہ اور سبب پاکیزگی بنایا گیا۔

حضورؐ نے سارے روئے زمین کو تیمم کا محل بتایا ہے تو اب اس کی مٹی سے تخصیص کیسے جائز ہوگی ہدایہ میں ہے:۔

**الصعيد التراب اووجه الارض.** (ہدایہ)

ترجمہ: صعید مٹی کا نام ہے یا روئے زمین کا۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

**والثانی هوالظاهر من لفظ الصعيد لانه ماصعد ای علا**

وارتفع علی وجه الارض وھذہ الصفة لاتختص بالتراب ویؤید ذلک حدیث جعلت لی الارض مسجداً وطھورا۔

(روضہ ندیہ ص۳۹)

ترجمہ: لفظ صعید کے یہ دوسرے معنی ظاہر ہیں اس سے مراد ہے جو اوپر آئے یعنی بلند ہو اور زمین پر اوپر آئے اور یہ صفت مٹی سے خاص نہیں کی جاسکتی اور یہ حدیث کہ پوری زمین میرے لیے مسجد اور محل تیمم بنائی گئی اس کی تائید کرتی ہے۔

علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) حدیث جعلت لی الارض مسجداوطھورا کے تحت لکھتے ہیں الارض میں الف لام جنس کا ہے سوجو پاک چیز بھی زمین پر ہوگی پتھر ہو یا مٹی (گچ ہو یا چونہ یا ریت) اس سے تیمم کیا جاسکتا ہے:۔

لان الصعید لیس التراب انما ھووجه الارض ترابا کان او صخرا تراب علیه اوغیرہ ...... اللام فیھا للجنس فلا یخرج شئی منھا. (البنایہ شرح الہدایہ جلد۱، ص۳۱۱)

ترجمہ: مٹی گرد کا نام نہیں مٹی سطح زمین کا نام ہے وہ گرد کی صورت میں ہو یا پتھر کی صورت میں جس پر کوئی گرد نہ پڑی ہو اس میں لام جنس کا ہے مٹی کی صورت اس سے باہر نہیں رہتی۔

اگر کسی فقیہ کا حضرت امامؒ کے اس استدلال سے اختلاف ہوتو بطور مجتہدا سے اختلاف کا حق ہے لیکن فقہ حنفی کے اتنے کھلے دلائل سے اختلاف ان غیر مقلدوں کو زیب نہیں دیتا جو مجتہد نہیں ہیں اور حضرت امامؒ سے بدگمانی کے سوا کوئی چیز ان کے دامن میں نہیں حدیث مذکور میں تیمم کو بھی طہور کہا گیا ہے سوضرورت کے وقت تیمم سے نماز پڑھنا حدیث لا صلوۃ الابطھور کے خلاف نہیں ہے۔

غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر ایک اور عتراض ملاحظہ ہو:۔

۵۔ قرآن کریم میں ہے کہ پانی نہ ملے تو تیمم کرلو مگر فقہ حنفی کہتی ہے کہ پانی ہوتے کے باوجود اگر تم سمجھو کہ وضو کرنے میں تم سے نماز عید نکل جائے گے تو تیمم کر کے نماز عید میں شامل ہو جاؤ یہ قرآن کریم کی نص قطعی کی مخالفت ہے؟

الجواب: بے شک قرآن کریم میں ہے کہ پانی نہ ملے تو تیمم کرو لیکن یہ اس حالت کے متعلق ہے کہ وضوء کرکے نماز مل جائے۔ نماز عید رہ جائے تو یہ اکیلے نہیں پڑھی جاسکتی اب اگر وضو کرے اور نماز رہ جائے تو یہ اس آیت پر عمل نہ ہوگا سو بہتر ہے کہ وہ اس ضیق وقت میں تیمم کرے اور نماز میں شامل ہو جائے صحابہ کرامؓ نے اس آیت کریمہ کا یہی مطلب سمجھا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت سے کیا سمجھا؟

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے کیا سمجھا؟ (کہ جب پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو) آپ فرماتے ہیں کہ جب تمہیں وضو کرتے نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کرکے نماز میں شامل ہو جاؤ:۔

عن ابن عباس اذا خفت ان تفوتک الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم وصل. (المصنف لابن ابی شیبہ جلد۲، ص ۴۹۷)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب تجھے ڈر ہو نماز جنازہ میں نہ مل سکو گے اور تمہارا وضو نہ ہو تو (جلدی سے) تیمم کرو اور نماز میں شامل ہو جاؤ۔

امام بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں حضرت ابن عمرؓ کا بھی اس پر عمل نقل کیا ہے:۔

عن ابن عمرانه اتی الجنازةُ وهوعلی غیر وضوء فتیمم ثم صلی علیها. (الجوہر النقی جلد۱، ص ۵۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک جنازہ پر آئے آپ کا وضو نہ تھا آپ نے تیمم کیا اور جنازہ کی نماز پڑھی۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جو لوگ جنازہ پڑھ رہے ہیں ان کے پڑھ لینے کے بعد اب اس میں شامل نہ ہو سکنے والے پر کوئی گناہ نہ رہے گا فرض کفایہ ادا ہو چکا لیکن جس کی عید کی نماز رہ گئی اس پر ترک واجب کا گناہ رہے گا سو جب نماز جنازہ میں اس صورت حال میں تیمم کی اجازت ہے تو اس صورت حال میں تیمم سے نماز عید پڑھنے کی بصورت اولیٰ اجازت ہونی چاہیے۔

نوٹ: حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس صورت

حال میں عید کی نماز کے لیے بھی تیمم کرنا نقل کیا ہے۔ (دیکھیے عمدۃ الرعایہ)

## غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر ایک اور استہزاء

۶۔ فقہ کی کتابوں میں ہے کہ کپڑوں پر ایک درہم کے برابر نجاست غلیظہ لگی ہو تو ان میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: یہ صریح جھوٹ ہے فقہ کی کتابوں میں کہیں نہیں لکھا کہ یہ جانتے ہوئے کہ کپڑوں پر اس قدر نجاست لگی ہے ان میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے بلکہ لکھا ہے کہ ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس نجاست کا دور کرنا واجب ہے ہاں اگر کسی نے بے خبری میں نماز پڑھ لی تو نماز ادا ہو جائے گی شارع نے اس غلطی پر درگذر فرمایا ہے۔

حافظ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) کہتے ہیں:-

والصلوة مکروهة مع مالا يمنع. (فتح القدیر جلد ا، ص ۸۱)

ترجمہ: جو نجاست ادائے نماز میں مانع نہیں اتنی بھی ہو تو نماز مکروہ شمار ہو گی۔

عفا الشارع عن قدر درهم وان كره تحريما فيجب غسله.

(در مختار بحاشیہ رد المختار جلد ا)

ترجمہ: شارع نے ایک درہم کے برابر نجاست کو معاف کیا ہے اگرچہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے (حرام کے قریب قریب ہے) سو ضروری ہے کہ وہ اسے دھو لے۔ (اور تب نماز پڑھے)

سو یہاں معاف کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد نہ ہو گی ورنہ اس کے مکروہ تحریمی ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔

علامہ طحاویؒ لکھتے ہیں:-

المراد عفاعن الفساد به والافكر اهة التحريم باقيه اجماعا ان بلغت الدرهم. (شرح مراقی الفلاح ص ۹۰)

ترجمہ: معاف ہونے سے مراد یہ ہے کہ نماز نہ ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا ورنہ اس کی کراہت تحریمی اجماعا باقی رہے گی اگر نجاست

ایک درہم کے برابر جا پہنچی ہے۔

## ایک درہم کی برابری کی بات

یہ ایک درہم کی برابری کی بات کہاں سے چلی ہے؟ یہ غیر مقلدین کا جھوٹ ہے کہ یہ بات امام ابوحنیفہؒ سے چلی ہے۔

علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

والتقدير بالدرهم مروى عن عمر و على وابن مسعود وهو مما لايعرف بالراى فيعمل على السماع. (غنیۃ المستملی)

ترجمہ: یہ ایک درہم کے اندازے کی بات حضرت عمرؓ سے حضرت علیؓ سے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے یہ ایسی بات ہے جو رائے سے نہیں کی جا سکتی پس ضروری ہے کہ اسے حضورؐ سے سننے پر محمول کیا جائے یعنی یہ حضورؐ سے سنی بات کا حاصل ہے۔

امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:۔

انهم استكرهوا ذكرالمقاعد فى مجالسهم فكنوا عنه بالدرهم. (ردالمحتار الشامی جلد ا، ص ۲۳۱)

ترجمہ: مقعد کا ذکر عام مجالس میں لوگ ناپسند جانتے تھے اس لیے انہوں نے درہم کے برابر ٹھہرانے میں کنایہ سے کام لیا ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں:۔

ويعضده ماذكره المشائخ عن عمرانه سئل عن القليل من النجاسة فى الثوب فقال اذا كان مثل ظفرى هذا يمنع جواز الصلوة قالو او ظفره كان قريبا من كفنا.

(ردالمحتار الشامی جلد ا، ص ۳۳۱)

ترجمہ: اور اس کو وہ بات بھی تقویت دیتی ہے جسے مشائخ نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ کپڑے میں لگی کم سے کم نجاست کتنی ہے جس سے نماز ناجائز ٹھہرے؟ آپ نے کہا میرے

اس ناخن کے برابر ہوتو یہ ادائے نماز میں مانع ہے اور آپ کا ناخن ہماری ہتھیلی کے قریب قریب تھا۔

افسوس ان غیر مقلد علماء پر ہے جو مناظروں اور جلسوں میں مقعد کا نقشہ بنا کر فقہ حنفی سے استہزاء کرتے ہیں اور انہیں علم نہیں ہوتا کہ یہاں نجاست کا یہ پیرایۂ بیان خود صحابہؓ سے منقول ہے سو اسے درہم تک ہی محدود رکھیں عوام کے سامنے انگلیوں سے مقعد کے نقشے نہ بنائیں اللہ تعالیٰ انہیں حیا عطا فرمائے۔

## شافعی فقہ بھی یہی کہتی ہے

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) فقہ شافعی کے جلیل القدر فقیہ ہیں آپ لکھتے ہیں:۔

ان موضع الا ستنجاء لا یطهر بالاحجار بل یبقی نجسا معفوا عنه فی حق الصلوة. (شرح صحیح مسلم جلد ا، ص۱۲۶)

ترجمہ: جسم کا استنجے کا مقام صرف ڈھیلوں سے پاک نہیں ہوتا وہ ناپاک رہتا ہے لیکن نماز کے بارے میں اس سے درگذر ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

قدر ناه بقدر الدرهم اخذ اعن موضع الاستنجاء.

(فتح الباری جلد ا)

ترجمہ: ہم نے اس ناپاکی کی مقدار قدر درہم بتائی ہے اسے استنجاء کی جگہ کے برابر سمجھتے ہوئے۔

## حدیث میں کس قدر نجاست کی معافی ہے

عن عائشة ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال اذا ذهب احدکم الی الغائط فلیستطب بثلثه احجار فانها تجزی عنه.

(رواہ ابوداؤد والنسائی واسنادہ حسن نیل الاوطار جلد ا، ص۸۸)

احادیث الا کتفاء بالاحجار فی الاستنجاء تفید کون قدر هم عفوا لان موضع الاستنجاء مقدربه.

(اعلاء السنن جلد ا، ص۲۸۷)

## عوام میں بے حیائی کی بات لانے کی اہلحدیث کی ایک اور کوشش

فقہ حنفی میں ہے کہ جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں ہے اسے حد نہ ماری جائے دیکھو حنفی اس کام کو جائز سمجھتے ہیں؟

جو شخص کسی لڑکے سے یہ عمل کرے ان کے ہاں اسے بھی حد نہ لگے گی؟

جو شخص محرمات (جن عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے) سے نکاح کرے اسے بھی حد نہ لگے گی؟

جو دارالحرب یا دار البغی میں زنا کرے اسے بھی حد نہ لگے گی؟

فقہ کی ان شرمناک تحریروں کو دیکھ کر غیر مسلم کیا کہتے ہوں گے، معلوم نہیں حنفیوں نے ایسی باتیں کیوں لکھ دیں۔

### الجواب

غیر مسلم بھی مسلمانوں کے بارے میں وہی کچھ کہتے ہوں گے جو یہ غیر مقلدین حنفیوں کے بارے میں کہتے ہیں دونوں میں کیا فرق ہے۔ یہ آپ دیکھیں افسوس کہ یہ نام کے اہل الحدیث کبھی یہ نہیں سوچتے کہ اس قسم کی باتیں اگر حدیث کے لٹریچر میں بھی پائی جائیں تو پھر اہل قرآن لوگوں کو اہلحدیث سے بھی تو اسی طرح متنفر کریں گے جسطرح یہ لوگوں کو فقہ سے متنفر کرتے ہیں۔

لیجیے پہلے نمبر کے اعتراض کو لیجیے کیا یہ بات بعینہ جامع ترمذی میں موجود نہیں؟ فرق ہے تو فقہ حنفی میں یہ بات فقہاء کے نام سے ہوگی اور ترمذی میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام سے آپ فرماتے ہیں:۔

من اتی بھیمة فلاحدعلیه.

(جامع ترمذی جلد ا، ص ۱۷۶ سنن ابی داؤد جلد ۲، ص ۶۱۳)

ترجمہ: جو کسی چوپائے سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں لگتی۔

اس پر امام ترمذیؒ کہتے ہیں:۔

وھذا اصح من الحدیث الاول والعمل علی ھذا عندا ھل العلم وھو قول احمد واسحق

ترجمہ: یہ بات حدیث اول سے زیادہ صحیح ہے اور اہل علم کے ہاں اسی پر عمل رہا امام احمد بن حنبلؒ کا قول بھی یہی ہے اور امام اسحٰق بن راہویہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

دیکھیے کیا یہاں اسے بعض اہل علم نہیں بتایا؟ پھر حنبلی فقہ میں بھی یہی ہے کہ چوپائے سے یہ عمل کرنے والا مستوجب حد نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں اسے کوئی سزا نہ ملے گی۔

فقہ حنفی میں ہے:۔

الا انه یعزر مگر اس کو تعزیری سزا ضرور دی جائے گی۔

سو لاحد علیه سے مطلق سزا کی نفی نہیں جیسا کہ غیر مقلدوں نے سمجھ رکھا ہے اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

۲۔ اس صورت میں بھی صرف حد کی نفی ہے مطلق سزا کی نہیں۔ تعزیری سزا اسے ضرور دی جائے گی۔

حافظ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ولکن یعزرو یسجن حتی یموت اویتوب ولو اعتاد اللواطة قتل الامام محصنا کان اوغیر محصن سیاسة اما الحد المقرر شرعا فلیس حکماله۔ (فتح القدیر جلد)

ترجمہ: لیکن اس لواطت کے مرتکب پر تعزیر لگے گی اسے جیل میں ڈالا جائے گا یہاں تک وہ مرجائے یا اپنی زندگی صحیح کرلے اور اگر وہ اس کا عادی ہو رہے تو شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ امیر المؤمنین اصلاح احوال کے لیے اس کو سزائے موت دے لیکن شرح میں جو زنا کی حد مقرر ہے وہ اس پر نہ لگے گی۔

شریعت نے غیر فطری فعل کرنے والے کے لیے سنگساری کا حکم یا سو کوڑوں کا حکم دیا ہو۔

ہمیں اس پر کوئی صحیح حدیث نہیں ملی تاہم فقہ حنفی میں اس کی سزا کا جو حکم ہے اسے ذکر کیے بغیر صرف اتنی عبارت پیش کرنا کہ احناف کے ہاں اس شخص پر حد نہیں اگر کسی اپنے

بغض باطنی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اب وہ عبارت بھی سن لیجیے:۔

**ومن اتی امراۃ فی الموضع المکروہ اوعمل عمل قوم لوط فلا حدعلیہ عند ابی حنیفۃ ویعزروقال فی الجامع الصغیر ویودع فی السجن و قالا ھوالزنا.** (ہدایہ اولین ص ۴۹۶)

ترجمہ: اور جو شخص عورت سے خلاف فطرت کرے یا عمل قوم لوط کا مرتکب ہو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس پر حد زنا نہ لگے گی لیکن اس پر تعزیری سزا ضرور عائد کی جائے گی اور جامع صغیر میں ہے اسے جیل میں ڈالا جائے گا صاحبین کہتے ہیں یہ زنا کی طرح ہے۔

۲۔محرمات سے جو نکاح کرتا ہے تو یہ رشتے کچھ دور کے بھی تو ہو سکتے ہیں اسے ماں بہن یا بیٹی سے نکاح کا عنوان دینا محض ان لوگوں کے خبث باطن کی وجہ سے ہے۔ رضاعت سے بھی کئی ایسے رشتے حرام ہوتے ہیں جو بادی النظر میں حرام معلوم نہیں ہوتے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مزنیہ کی ماں بھی محرمات میں سے ہے اب اگر کسی نے اس سے نکاح کر لیا اور وہ جانتا ہے کہ جس سے اس نے نکاح کیا ہے یہ اس کی ماں ہے لیکن اسے مسئلے کا حکم معلوم نہیں اور وہ اس شبہ میں سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا ہے تو اس شبہ کے باعث اس پر زنا کی حد نہ لگے گی البتہ اسے سخت ترین سزا دی جائے گی یہ تعزیری سزا ہو گی۔

نکاح کا عنوان اتنا نمایاں ہے کہ یہ بدوں اس کے کہ کوئی اور رشتہ مراد ہو یا پھوپھی اور بھتیجی کے ایک شخص کے ہاں جمع ہونے کی صورت ہو جسے شیعہ حلال کہتے ہیں منعقد ہو ہی نہیں سکتا اگر کسی بدبخت نے بہن یا بیٹی سے ہی منہ کالا کرنا ہے تو غور کیجیے اسے نکاح کی کیا ضرورت ہے کیا وہ کھلے بندوں زنا کا ارتکاب نہیں کر سکتا سوچئے نکاح کا عنوان کچھ نہ کچھ شبہ ضرور پیدا کر دیتا ہے اور یہاں اس شبہ کی رعایت کی گئی ہے۔

فقہ میں مذکورہ صورت شبے پر مبنی بتلائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ شبہ دور کے رشتوں میں ہی ہو سکتا ہے قریب کے رشتوں میں یہ نہیں ہوتا وہ شخص ان دور کے رشتوں کو جانتا تو ہے لیکن ان کے حکم شرعی میں وہ شبہ میں مبتلا ہوا ہے اس صورت میں اس کو شک کا فائدہ دیکر حد اس سے ساقط کی جائے گی لیکن چونکہ اس نے اس عورت سے وطی کا ارتکاب کیا ہے اس لیے اسے سخت سزا دی جائے گی۔

ہدایہ میں ہے:۔

انہ ارتکب جریمة ولیس فیھا حد مقرر فیعزر۔ (ہدایہ ص۴۹۶)

ترجمہ: اس نے ایک بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کے لیے حد مقرر نہیں سو اس پر تعزیر کی سزا جاری کی جائے گی۔

حافظ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

الاتری ان ابا حنیفة الزم عقوبة باشد مایکون وانمالم یثبت عقوبة ھی الحدفعرف انہ زنا محض عندہ الاان فیہ شبھة۔

(فتح القدیر)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس پر سخت ترین سزا لازم کی ہے کیونکہ اس پر معروف حد زنا کہیں ثابت نہیں ہوتی اس سے پتہ چلتا ہے آپ کے ہاں یہ زنا محض ہے مگر اس میں کوئی صورت شبہ ہے سو اس پر حد مارنے کا حکم نہیں ہے۔

## نکاح حرام پر ذات رسالت نے حد جاری نہیں کی

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کی وفات کے بعد نکاح کر لیا حضورؐ نے حضرت براءؓ کے ماموں حارث بن عمروؓ کو اس کے قتل کا حکم دیا یہ تعزیر تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے سوتیلی ماں محرمات ابدیہ میں سے ہے جس نے اس سے نکاح کیا حضورؐ نے اسے سخت ترین سزا دی لیکن اس پر زنا کی حد قائم نہ فرمائی اس سے پتہ چلا کہ شبہ نکاح سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

حارث بن عمروؓ کہتے ہیں:۔

ارسلني رسول اللّٰہ الی رجل تزوج امراة ابیہ من بعدہ ان اضرب عنقہ اواقتلہ۔ (طحاویؒ جلد۲، ص۸۵)

ترجمہ: حضرت براءؓ کے ماموں کہتے ہیں مجھے آنحضرتؐ نے ایک شخص کے پاس بھیجا جس نے اپنے باپ کے بعد اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا تھا کہ میں اس کو قتل کر دوںﷺ

## نکاح حرام پر صحابہ کرامؓ کا ردعمل

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم کہہ کر حرام رشتے بیان فرمائے ہیں وہاں ان عورتوں کو بھی ذکر کیا ہے جو کسی کے نکاح میں ہوں انہیں محصنت کہا گیا ہے پانچویں پارے کی ابتداء اسی لفظ سے ہوتی ہے یہ عورتیں بھی محرمات میں سے ہیں۔ عورت جب تک عدت میں رہے وہ اپنے پہلے نکاح کے ذیل میں شمار ہوتی ہے انقضائے عدت سے پہلے اس سے نکاح کرنا حرام ہے اب دیکھئے حرام نکاح کرنے والے پر صحابہؓ نے کیا زنا کی حد لگائی ہے یا انہیں کوئی اور سزا دی؟

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا جو اپنی عدت میں تھی (اس کے لیے وہ اس وقت محرمات میں سے تھی) حضرت عمرؓ کے پاس یہ مقدمہ لے جایا گیا آپ نے اسے کوڑوں کی سزا دی لیکن حد سے نیچے نیچے کیوں کہ بوجہ شبہ نکاح وہ حد کا مستوجب نہ رہا تھا۔

امام طحاویؒ روایت کرتے ہیں:۔

عن سعید ابن المسیب ان رجلا تزوج امراۃ فی عدتھا فرفع الی عمر فضر بھما دون الحدوجعل لھاالصداق وفرق بینھما۔ (شرح معانی الآثار جلد۲،ص۸۷، الجواہر النقی جلد۲،ص۱۷۷)

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے ایک شخص نے ایک عورت سے اس کی عدت میں نکاح کیا یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس لے جایا گیا آپ نے ان دونوں کو کوڑوں کی سزا دی لیکن حد جاری نہ فرمائی اس عورت کو مہر دلوایا اور ان دونوں کے درمیان مفارقت کرا دی۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نکاح گو حرام ہو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے البتہ اس کے مرتکب کو حد سے نیچے نیچے دوسری سزا دی جائے گی اور بعض صورتوں میں اسے سزائے موت بھی دی جاسکے گی اگر وہ اس کا مستوجب ٹھہرے۔

امام طحاویؒ اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

ثم ھو رضی اللہ عنہ لم یقم علیھما الحد وقد حضرہ

اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فتا بعوہ علی
ذلک ولم یخا لفوہ فیہ فھذا دلیل صحیح ان عقد النکاح
اذا کان وان کان لایثبت وجب لہ حکم النکاح
فی وجوب المھر بالدخول الذی یکون بعدہ و فی العدۃ
منہ و فی ثبوت النسب وما کان یوجب ما ذکرنا من ذلک
فمستحیل ان یجب فیہ حد.

ترجمہ: پھر حضرت عمرؓ نے ان دو پر حدقائم نہ فرمائی آپ کے پاس
اور کئی صحابہ بھی موجود تھے سب نے اس مسئلے میں آپ کی بات مانی
اور کسی نے آپ کی مخالفت نہ کی یہ اس پر ایک پختہ دلیل ہے کہ
عقدنکاح جب عمل میں آئے اگرچہ وہ ثبت نہ ہوتو مہر لازم آنے سے
اسے نکاح مانا گیا ہے اس سے (بعد مفارقت) عدت بھی لازم آتی
ہے اور نسب بھی ثابت ہوتا ہے جب یہ تمام باتیں لازم آرہی ہیں
تو ناممکن ہے کہ اس پر حد جاری کی جاسکے۔ (اسے شبہ نکاح کا فائدہ
دیا جائیگا)

کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اب جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو یہ مرد
اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا تا انقضاء عدت تک وہ شخص انتظار کرے جس طرح عورت
پر عدت لازم ہے مرد کے لیے تربص (انتظار) ضروری ہے اب اگر یہ شخص اس تربص میں
اس کی بہن سے نکاح کرتا ہے تو یہ نکاح بھی حرام ہوگا لیکن فریقین پر زنا کی حد نہ لگے گی۔

## ایک اور مثال

ایک شخص کسی باکرہ عورت سے اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتا ہے وہ
امام شافعیؒ کا مقلد ہے اور اس حدیث کو اپنے ظاہر پر صحیح مانتا ہے:۔

ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکا حھاباطل فنکاحھا
باطل فنکاحھا باطل فان دخل بھا فلھا المھر بمااستحل من
فرجھا فان اشتجروا فالسلطان ولی من لاولی لہ.

(جامع ترمذی جلد)

ترجمہ: جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ نکاح نہیں ہوتا، نہیں ہوتا، نہیں ہوتا، ایسا نکاح والا اگر اس عورت سے خلوت کر لے تو اسے مہر دینا لازم آئے گا پھر اگر اولیاء آپس میں اختلاف کریں تو بادشاہ اس کا ولی ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ایسا نکاح ہوا تو کیا شافعی مذہب میں اب ان دونوں پر زنا کی حد قائم کی جائے گی؟ نہیں یہ نکاح بے شک اس حدیث کی رو سے باطل ٹھہرا لیکن عقد نکاح سے کم از کم اتنی بات ضرور ہے کہ ان پر زنا کی حد نہ لگے گی، نکاح حرام سے حد قائم نہیں ہوتی لیکن دوسری سزا ضرور ہے سو امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہہ کر کہ ایسے شخص پر حد زنا نہیں، کوئی نئی بات نہیں کی لیکن غیر مقلدین کا یہ بغض باطنی ہے جو عوام میں یہ اسے علمی پیرایہ میں پیش کرنے کی بجائے ایک استہزائی پیرائے میں پیش کرتے ہیں۔

## دارالحرب میں زنا کرنے پر شرعاً حد نہیں لگتی

۴۔ غیر مقلدوں نے فقہ حنفی پر ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ جو شخص دارالحرب میں یا دارالبغی میں زنا کرے پھر اسلامی حدود میں آکر اپنے اس جرم کا اقرار کر لے تو اس پر زنا کی حد قائم نہ کی جائے گی؟

## الجواب:

دنیا کے سب دساتیر میں یہ بنیادی اصول پایا جاتا ہے کہ جہاں کوئی جرم واقع ہو وہیں کی اس وقت کی حکومت اس پر احتساب کا حق رکھتی ہے اسلام میں بھی یہی اصول کار فرما ہے امام محمدؒ سیر کبیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من زنی اوسرق فی دارالحرب واصاب بها احدا ثم هرب فخرج الینا فانه لایقام علیه الحد. (سیر کبیر مع شرح السرخسی جلد فتح القدیر جلد)

ترجمہ: آنحضرتؐ سے مروی ہے آپ نے کہا جس نے دارالحرب میں زنا کیا یا چوری کی اور وہ حد تک پہنچا پھر وہ وہاں سے بھاگ گیا اور پھر دارالاسلام میں آیا اس پر وہاں (دارالاسلام میں) حد جاری نہ

کی جائے گی۔

مجتہد جب کوئی روایت کرے اور کسی مسئلے کے بیان میں وہ اس روایت کو لائے تو یہ اس کی طرف سے اس روایت کی توثیق ہوتی ہے امام محمدؒ مجتہد ہیں ان کا اس روایت سے استدلال کرنا اس روایت کی ان کی طرف سے تصحیح ہے۔

افسوس اس پر ہے کہ ہمارے غیر مقلد دوست مسئلہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے عوام میں تعجب پیدا کرنے کے لیے وہ فقہ حنفی کو سامنے لاتے ہیں۔ یہ لوگ مسائل کی گہرائی میں نہیں اترتے بس مقعد و ذکر اور سفاح و زنا کے عنوانوں سے فقہ حنفی کو عوام کے سامنے استہزائی پیرائے میں لانا دین کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں ان کی اس چھوٹی سوچ پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

۸۔ نماز میں تشہد کے بعد جان بوجھ کر ہوا نکالے یا لوگوں سے بات کردے تو نماز پوری ہوگئی سلام کہہ کر نماز سے نکلنا ضروری نہیں ہوا نکل جائے تو نماز نہیں جاتی فقہ حنفی میں ہوا نکالنا اور سلام پھیرنا دونوں برابر ہیں؟

یہ جھوٹ ہے کہ فقہ حنفی میں نماز میں ہوا خارج کرنا اور سلام پھیرنا دونوں برابر ہیں۔ نماز سے سلام کے ساتھ نکلنا ضروری ہے حضورؐ نے فرمایا تحلیلها التسلیم اگر کوئی قصداً ایسا کرے اور ہوا خارج کر کے نماز سے نکلے تو یہ فقہ حنفی میں مکروہ تحریمی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ تشہد پر اس کی نماز ہوگئی اب اگر اس کی ہوا خارج ہوئی تو سلام پھیر دے اور نماز سے نکل آئے اس کی نماز ہوگئی عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:۔

**اذا احدث وقد جلس فی اخر صلوة قبل ان یسلم فقد جازت صلوته.** (جامع ترمذی جلد)

ترجمہ: وضو گیا اور وہ نماز کے آخر میں ہے سلام پھیرنے سے پہلے تو اس کی نماز ہوگئی۔

اس حدیث کی سند میں گو کلام ہے لیکن اہل علم کی ایک جماعت نے اسے قبول کیا ہے امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

**قد ذهب بعض اهل العلم الی هذا قالو اذا جلس مقدار التشهد واحدث قبل ان یسلم فقد تمت صلوة وقال بعض**

اهل العلم اعاد الصلوة۔ (ایضاً)

ترجمہ: بعض اہل علم کہتے ہیں جب وہ تشہد کی مقدار بیٹھ چکا اور سلام پھیرنے سے پہلے اس کا وضو گیا تو اس کی نماز ہوگئی اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ وہ نماز دہرائے۔

جب دونوں طرف بعض اہل علم ہیں تو معلوم ہوا اس مسئلے کی کچھ اصل ضرور ہے جماعت اہلحدیث کو غور کرنا چاہیے کہ اگر اس قسم کے مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھ کر انہیں شرم آتی ہے تو ان مسائل کو کتب حدیث میں دیکھ کر انہیں شرم کیوں نہیں آتی۔ جو شخص جان بوجھ کر اس طرح نماز سے نکلے تو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اسے نماز لوٹانا ضروری ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں:۔

اما استبعاد انه كيف يخرجْ المصلى من الصلوة بالحدث فاستبعاد عامى قال على القارى مكى فى رساله تشنيع الفقهاء الحنيفه بتشفيع السفهاء الشافعية اصل هذه المسئله الماخوذه من الروايته الحديثية كما رواه الطحاوى وغيره باسانيد متعددة وطرق مختلف عن عبدالله بن عمر وكذارواه ابوداؤد و الترمذى والبيهقى والدارقطنى وعن على اذا قعد قدر التشهد ثم احدث فقد تمت صلاته فتبين هذا الكلام ان من اعترض على الامام الاقدم والهمام الاعظم فى مثال هذه المسائل المبرهنة بالدلائل فهو بالحقيقه معترض على سيدالرسل هادى السبل صلى الله عليه وسلم۔ (عمدۃ الرعایہ ص ۱۶۰)

## فقہ حنفی کا مذاق اڑانے والوں کا ایک اور جھوٹ

ہاتھ سے اپنے آپ کو فارغ کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا حنفیوں کے ہاں ایسا کرنا جائز ہے۔

الجواب: فتاوے عالمگیری میں ہے۔

الصائم اذا عالج ذکرہ حتی امنی علیہ القضاء وھو المختار وبہ قال عامۃ المشائخ. (فتاویٰ عالمگیری جلد۱، ص۱۶۳)

ترجمہ: روزہ دار نے اگر اپنی شرمگاہ کو ملا یہاں تک کہ انزال ہو گیا تو اس پر روزہ کی قضاء لازم آئے گی فقہ حنفی میں بھی مختار ہے اور عامہ مشائخ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہدایہ میں ایک جگہ ہے:۔

وکالمستمنی بالکف علی ماقالوا

ترجمہ: اور جیسے ہاتھ سے پانی کا طلب کرنے والا، جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے۔

یہاں الفاظ علی ماقالوا قابل غور ہیں اس سے مراد ایسی ہے جس میں مشائخ کا اختلاف ہوا ہو مولانا عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں:۔

لفظ قالوا یستعمل فیما فیہ اختلاف المشائخ.

(عمدۃ الرعایۃ ص۱۵)

حافظ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

عادتہ ای صاحب الھدایۃ فی مثل ھذا افادۃ الضعف مع الخلاف (فتح القدیر)

ترجمہ: صاحب ہدایہ کی عادت ہے کہ اس سے وہ اختلافی ہونے کے علاوہ اس بات کا ضعیف ہونا بتلاتے ہیں۔

ہدایہ کے حاشیہ میں اسے صاف کردیا گیا ہے اور صاف لفظوں میں اس پر روزہ ٹوٹنے کی تصریح کردی گئی ہے۔

وعامۃ المشائخ علی ان الاستمناء مفطر وقال المصنف فی التجنیس انہ المختار. (ہدایہ ص۱۹۷، باب مایوجب القضاء والکفارہ)

ترجمہ: عامہ مشائخ کا یہی مذہب ہے کہ اس طرح پانی خارج کر

دینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے صاحب ہدایہ اپنی کتاب التجنیس
میں لکھتے ہیں کہ فقہ میں قول مختار یہی ہے۔

کتاب التجنیس کے مصنف بھی صاحب ہدایہ ہیں ہدایہ میں جو بات ضعیف اور مختلف فیہ ٹھہرائی گئی اسے کتاب التجنیس میں واضح طور پر بیان کردیا گیا ہے یہاں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں یہی قول مختار ہے پس ہدایہ کی بات میں لفظ قالوا پرنظر ہونی چاہیے تھی یہ لفظ ضعیف مع الخلاف کا پتہ دیتا ہے کاش کہ غیر مقلد اسے سمجھتے ہوتے۔

## ایک دقیق عبارت جسے غیر مقلد نہ سمجھ پائے

ایک شخص نے ایک بدکار عورت گھر میں صفائی کرنے کے لیے ایک مقرر اجرت پر ملازم رکھی بعد میں اس سے کہا اسی اجرت میں کبھی کبھی اس سے بدکاری بھی کرلیا کرے گا وہ عورت مان گئی اب سوال یہ ہے کہ جو اجرت عورت نے حاصل کی وہ اس کے لیے حلال ہے یا حرام؟ اس میں دونوں کام شامل ہیں۔

فقہ میں یہ بحث کتاب الاجارہ کے تحت کی گئی ہے اجرت پر معاملہ کرنے کو اجارہ کہتے ہیں اس عورت کو گھر کی صفائی کے لیے مقرر اجرت پر ملازم رکھنا صحیح تھا بعد میں جو اس کے ساتھ شرط لگائی وہ ناجائز تھی جس سے وہ اجارہ فاسد ہوگیا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس عورت کے لئے صفائی کر کے لی گئی اجرت اس کے لیے حرام ہوگئی وہ اجرت اس کے لیے جائز ہونی چاہیے کیونکہ اس نے وہ کسی ناجائز کام پر نہیں لی اس شخص نے جو نئی شرط لگائی اور اس سے بدکاری کرتا رہا اس فعل حرام کے تلبس سے وہ صفائی کرنے پر لی گئی اجرت اس کے لیے حرام نہ ہو جائے گی اجارہ فاسد ہوجائے گا اور وہ اجرت پر کیا معاملہ درست نہ رہے گا جتنا کام اس عورت نے کیا اس کی اجرت اب اسے عوض بالمثل کے طور پر ملے گی جو معاملہ طے ہوا تھا (اجر مقرر) اس کے مطابق نہ ملے گی کیونکہ وہ معاملہ جو طے ہوا تھا اب وہ اس شرط کے باعث فاسد ہو چکا۔

اگر یہ نئی شرط اس فعل حرام کی نہ ہوتی کسی جائز فعل کی ہوتی مثلاً یہ کہ صفائی کے علاوہ کے لیے وہ کبھی کبھی کھانا بھی پکا دیا کرے گی تو بھی پہلا اجارہ فاسد ہوجاتا اجرت پر ایک معاملہ طے کر کے بعد میں اس پر کوئی شرط لگانا وہ حرام کام کی ہو یا کسی جائز کام کی اس

سے پہلے طے کیا گیا معاملہ فاسد ہوجاتا ہے شرح وقایہ میں اس پر لکھا ہے:۔

فیھا اجر المثل اس اجارہ پر اجر المثل واجب ہوگا طے شدہ لازم ہوگا اس کے حاشیہ میں ترکی کے علامہ چلپی محیط سے نقل کرتے ہیں۔

ای یجب اجرہ حتی ان ماا خذتہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارۃ فحلال عند الامام الاعظم لأن اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب وان کان السبب حرام. (شرح وقایہ حاشیہ)

ترجمہ: اس (جائز) معاملے کی اسے اجرت دینا ضروری ہوگا یہاں تک کہ اس زانیہ عورت نے جو مال لیا اگر وہ عقد اجارہ سے مخلوط و ملتبس رہا تو وہ حضرت امام کے نزدیک حلال ہے اجارہ فاسدہ میں اجر مثل پاک اور طیب ہے اگر چہ اسے (اس اجارہ کو) فاسد ٹھہرانے کا باعث عمل حرام کی شرط تھی۔

یہ ساری بحث اجارہ فاسدہ کے متعلق ہے اجارہ فاسد کہتے ہی اسے ہیں جس میں کسی جائز کام پر کوئی اجرت ٹھہرائی جائے، کسی ناجائز کام پر اجرت کا معاملہ اجارہ باطلہ ہوتا ہے کہ سرے سے وہ معاملے ہی نہیں ہو پاتا سو جب یہ مذکورہ عبارت اجارہ فاسدہ کی بحث میں ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں اجرت سے مراد صفائی کرنے پر لی جانے والی اجرت ہے، زنا پر لی جانے والی خرچی مراد نہیں ہے، اگر وہ ہوتی تو اس کی بحث اجارہ باطلہ کے تحت آتی اجارہ فاسدہ میں لی گئی اجرت مال طیب اور حلال ٹھہرتی ہے۔

اس عبارت میں (بعقد الاجارہ میں) باء سبب کے لیے نہیں تلبس کے لیے ہے کہ وہ صفائی کے کام کے لیے کیا گیا معاملہ زنا سے ملتبس ومخلوط ہوا یہ زنا اور اس کی لگائی گئی شرط دونوں حرام ہیں لیکن اس عمل حرام کے التباس سے صفائی پر لی گئی اجرت (جو اسے اجر مثل کے پیمانے سے دی جائے گی) حرام نہ ہوگی۔

غیر مقلد علماء اسے زنا کی خرچی ٹھہراتے ہیں اور پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ فقہ کی رو سے زنا پر حاصل کی گئی یہ اجرت امام اعظمؒ کے نزدیک حلال ہے استغفراللہ، ثم استغفراللہ اس سے ان کے علم وفہم کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

علامہ چلپی کی مذکورہ عبارت میں ان کان بعقد الاجارۃ کی ضمیر زنا کی طرف

لوٹتی ہے ماالخذته الزانية کے ما کی طرف نہیں اور یہ معنی نہ ہوگا کہ جو مال وہ زانیہ عورت اس عقد جارہ کے باعث لے وہ اس کے لیے حلال ہوگا۔

بعقد الاجارہ میں باء جارہ باء اختلاط وتلبس کے لیے ہے کہ جو مال اس زانیہ عورت نے لیا وہ ملتبس ہے اس اجارہ سے جو اپنی ذات میں صحیح تھا اس زنا کے باعث وہ اپنے اصل کام (گھر کی صفائی) کی اجرت سے محروم نہ کی جائے گی عقد اجارہ میں یہاں عہد زنا ہرگز مراد نہیں ہے۔

سو اس زانیہ عورت کا اس سے مال لینا اگر اس طرح واقع ہوا کہ فعل زنا کسی جائز کام سے جس کا عقد پہلے ہو چکا مشروط تھا تو اس جائز کام کے عوض اس کا عوض مثل وصول کرنا حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا حق ہوگا اور یہ وصول کردہ مال اس کے لیے حلال ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کے لیے یہ مال حرام ہوگا کیونکہ جائز اور ناجائز کام ایک اجرت میں مخلوط ہو چکے۔

یہ مسئلہ فقہی اعتبار سے بہت دقیق مسئلہ ہے حضرت امام حقوق العباد میں بہت ہی محتاط واقع ہوئے ہیں انہوں نے چاہا کہ ایک ناجائز فعل کے باعث وہ عورت اپنی جائز محنت پر بھی اجر مثل نہ پاسکے۔ اجرت مقررہ اس لیے فاسد قرار پائی کہ کہیں اس میں دونوں کاموں کی اجرت شامل نہ ہو طلبہ اگر پھر بھی اس موضوع پر کچھ دقت محسوس کریں تو فقہ کی کتابوں میں اجارہ کی یہ تین قسمیں پھر سے دیکھ لیں:۔

ا۔اجارہ صحیحہ ۲۔ اجارہ فاسدہ ۳۔اجارہ باطلہ

اجارہ صحیحہ وہ ہے جس میں اصل کام جس کے لیے اجرت ٹھہرائی جائے شرعاً جائز ہو اور اس کے ساتھ کوئی ناجائز شرط بھی نہ ہو۔

اجارہ فاسدہ وہ ہے جس میں اصل کام شرعاً جائز اور درست ہو اور کسی خارجی شرط کے باعث وہ معاملہ فاسد ہو جائے۔

اجارہ باطلہ وہ ہے جس میں اصل کام ہی شرعاً ناجائز اور نادرست ہو جیسے کسی کے ہاں بت تراشی کی نوکری کرنا۔

حاشیہ چلپی کی مذکورہ عبارت جب اجارہ فاسدہ کی بحث میں ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں عقد اجارہ سے مراد صفائی کے عوض اجرت لینا ہے جو اپنی ذات میں کسی اعتبار سے

ناجائز نہیں یہاں زنا کی خرچی ہرگز مراد نہیں ہمیں اپنے غیر مقلد دوستوں پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس طرح جہالت کے سائے میں فقہ حنفی پر دن رات برستے ہیں اور انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ لکھا ہوا کیا ہے اور وہ سمجھ کیا رہے ہیں۔

## خون سے آیت لکھنے کا عمل حرام

اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ خون حرام اور ناپاک ہے اس سے قرآن کریم کی کوئی آیت لکھنا جائز نہیں ایسا کرنا حرام ہے ایک صورت پیش آئی کہ کسی مریض کی نکسیر نہیں رک رہی اور خون بہتا جا رہا ہے اب اگر کسی کو معلوم ہو کہ وہ اس خون سے اس کے ہاتھ پر کوئی آیت لکھ دے تو اسے شفاء ہو جائے گی ورنہ وہ موت کے منہ میں جا رہا ہے تو اس اضطراری حالت میں کیا اس کے لیے یہ کرنا جائز ہوگا؟

جس طرح قرآن کریم نے اضطرای حالت میں سور کو مباح کیا ہے تو کیا تداوی بالحرم کے طور پر اسے ایسا کرنا ناجائز ہوگا؟

## اضطراری حالت کی ایک مثال

ایک شخص کھانا کھا رہا تھا اور اس کے پاس پانی نہ تھا اتفاق سے لقمہ اس کے گلے میں اٹک گیا اب مائعات میں سے کوئی چیز پاس نہیں جس سے وہ اس لقمے کو حلق سے نیچے اتارے پاس کسی کی شراب پڑی تھی اب اگر وہ شراب سے اس لقمے کو نیچے اتارتا ہے تو اس حالت اضطراری میں کیا اس کے لیے شراب کا پینا جائز ہوگا جب کہ اس کے بغیر اس کے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے اضطراری حالات میں حرام چیز سے انتفاع ہرگز ممنوع نہیں ان خاص حالات میں حرام چیز ضرورت مند کے لیے حرام نہیں فعل حرام کا ایسے حالات میں عملاً مباح ہونا شریعت اسلامی میں بطور قاعدہ جائز ہے اس میں کسی ایک حرام کی تخصیص نہیں ہے کفر وشرک سے بڑھ کر کوئی چیز ممنوع نہیں قرآن کریم نے بحالت اضطرار کلمہ کفر زبان پر لانے کو بھی جائز ٹھہرایا ہے تو اب اگر کسی نے کسی کی جان بچانے کے لیے اس کے ماتھے پر خون سے کوئی آیت لکھ دی تو تداوی بالحرم کے سوا اس نے کیا جرم کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔

فقہ حنفی میں گو تداوی بالمحرم (حرام چیز سے علاج کرنا) کو ظاہر الروایہ میں منع کیا گیا ہے لیکن یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کی متاخرین کو بحالت اضطرار اجازت دینی پڑی ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ اجازت حضرت امام کی طرف منسوب نہ ہوگی۔

## تداوی بالمحرم پر حدیث کی رو سے ایک اعتراض

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم.

(بخاری جلد۲، ص ۸۴۰)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہارے لیے شفاء نہیں رکھی جو اس نے تم پر حرام کی ہے جب حرام میں شفا نہیں تو تداوی بالمحرم کیوں کو جائز ہوگا؟

الجواب: شریعت میں جو چیزیں حرام ہیں جیسے خنزیر، خون، خمر، مردار سب بحالت اضطرار مباح ہو جاتے ہیں اب جب وہ حرام نہ رہیں تو اس حدیث کی رو سے ان کے استعمال سے شفاء کی نفی نہ ہو سکے گی حدیث سے مراد یہ لی جائے گی کہ جو چیز جس وقت تک حرام رہے اس وقت اس میں شفا نہ آسکے گی جب بحالت اضطرار وہ مباح ہو جائے حرام نہ رہے تو اسے بطور علاج کے استعمال کرنا حدیث کے خلاف نہ رہا نہ یہ کہا جا سکے گا کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اب اس کے استعمال سے شفاء ہوگئی ہے۔

اسلام میں اپنے اختیار سے حرام چیزوں سے علاج ممنوع ہے اور بحالت اضطرار نہیں بطور علاج استعمال کرنا مباح ہے علامہ شامیؒ نے اس کے لیے نہایہ سے دو شرطیں نقل کی ہیں:۔

ویجوز ان علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء اخر. (ردالمختار جلد)

ترجمہ: اور حرام چیز سے دوا جائز ہے بشرطیکہ اس سے شفاء واقعی ہو اور کوئی دوسری دوا اس کے لیے نہ جانی گئی ہو۔

## اس مسئلے میں فقہ شافعی کا فیصلہ

قالت الشافعیۃ یجوز التداوی بالبول ونحوہ من النجاسات

خلا الخمر والمسکرات وقال مالک لایشربها لانه لاتزید الا عطشا وجوعا واجاز ابوحنیفة ان یشرب منها مقدار مایمسک به رمقه.

(عینی علی البخاری جلد حاشیہ بخاری جلد۲، ص۸۴۰)

ترجمہ: شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ پیشاب اور اس جیسی دوسری نجاسات کو ماسوائے شراب اور نشہ آور اشیاء کے دوا کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں پیشاب نہ پیئے اس سے پیاس اور بھوک بھڑکتی ہے امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس مقدار میں پی سکتا ہے جس سے اس کی جان بچ سکے۔

## پیشاب کو بطور دوا استعمال کرنے پر استہزاء

فقہ پر اعتراض کرنے والے فقہ میں جب ایسے موضوعات سے گزرتے ہیں تو عجیب پیرایہ استہزاء اختیار کرتے ہیں کہ غیر مسلم جب اسلام کے ان مسائل کو دیکھتے ہوں گے تو کیا کہتے ہوں گے؟ ہم کہتے ہیں کہ غیر مسلم حضرات اس پیرایہ استہزاء میں صرف فقہ کی کتابوں سے ہی نہیں گزرتے حدیث کی کتابوں میں بھی ایسے مسائل کچھ کم نہیں ہیں، غیر مقلدین حضرات سوچیں کہ غیر مسلم حضرات جب ان کتب حدیث سے گزرتے ہوں گے تو کیا سوچتے ہوں گے؟

صحیح بخاری میں ایک باب ہے الدواء بابو ال الابل اونٹوں کے پیشاب کو بطور دوا لینا اس میں ہے حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں:۔

ان ناسا اجتلوا فی المدینة فامر هم النبی ان یلحقوا براعیه یعنی الابل فیشربوا من البانها و ابوالها. (صحیح بخاری جلد۲، ص۸۴۸)

ترجمہ: کچھ لوگ تبدیلی ہوا سے پیٹ کے مرض میں آگھرے حضورؐ نے انہیں کہا کہ وہ واپس اپنے اونٹوں کے ہاں جائیں اور ان کا دودھ اور پیشاب پئیں۔

دیکھئے یہ کیا بیان ہو رہا ہے ان لوگوں کو اونٹوں کا پیشاب پینے کا حکم دیا جا رہا ہے

اب اگر غیر مسلم (ہندو لوگ) ہمارے حدیث لٹریچر پر وہ پیرایہ استہزاء اختیار کریں گے جو غیر مقلدین فقہ کی کتابوں پر اختیار کرتے ہیں تو ہم ان پنڈتوں کو کہیں گے کہ گائے کا پیشاب پینے والو! تم اونٹوں کا پیشاب پینے پر کس جہت سے معترض ہوتے ہو پہلے وہ جہت بتاؤ پھر ہم اس کا جواب اسی جہت سے دیں گے۔ فقہ اور حدیث کی کتابوں میں ایسے مسائل دیکھ کر کسی کو پیرایہ استہزاء اختیار نہ کرنا چاہیے۔ جماعت اہلحدیث ان امور کو عوام میں لاکر علم حدیث کی کوئی خدمت نہیں کر رہی۔

## غیر مقلدین فقہ کی یہ عبارت سمجھ نہ پائے

**ولو رعف فكتب الفاتحة بالدم على جبهة وانفه جاز ان علم فيه شفاء**

ترجمہ: اور اگر نکسیر جاری ہو تو شفاء کے لیے اس کی پیشانی یا ناک پر خون سے سورۃ فاتحہ لکھنا جائز ہے اگر اس میں شفاء کا یقین ہو اور کوئی اور دواء اس کے حق میں معلوم نہ ہو۔

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ اس صورت میں خون سے سورت فاتحہ لکھنا کیا جائز سمجھا گیا ہے یا ناجائز؟ اس کی یہ اضطراری حالت کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہ ٹھہرائے گی؟

## صرف احساس نفرت سے خون سے لکھنے میں بے ادبی ہے

خون ناپاک ہے احساس نفرت کے پیرایہ میں جو اس سے قرآن کی آیت لکھے گا وہ قرآن کی اس بے ادبی پر کافر ہو جائے گا لایمسه الا المطهرون لیکن اگر کوئی حالت اضطرار میں ایسا کرے استخفافا نہیں تو وہ احساس ضرورت میں ایسا کرے گا جیئے وہ قرآن کریم کی بے ادبی نہ کرے گا ادب اور بے ادبی دونوں کا تعلق انسان کے احساس اور نیت سے ہے بری نیت سے راعنا کہنا بے شک کفر ہے لیکن کتنے مسلمان تھے جو احساس بے ادبی کے بغیر ایسا کہنا کفر نہ سمجھتے تھے بغیر استخفاف ایسا کہنا کفر نہیں ہے۔

سو تداوی بالمحرم کے طور پر خون سے قرآن پاک کی آیت لکھنا اس میں بے ادبی کا پہلو نہیں۔ یوں سمجھئے جس طرح شہیدوں کے خون کی عظمت اللون لون دم والریح ریح مسک کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے اس میں خون کے ناپاک ہونے کا احساس بالکل

دب کررہ گیا ہے اسی طرح اس ضرورت کے وقت ایسا کرنے میں بھی کوئی استخفاف اور احساس نفرت ساتھ نہیں رہتا تداوی بالحرام میں ادبی کے تصور کو کوئی رہ نہیں ملتی افسوس کہ فقہ سے محروم اس باریک فرق کو پانہیں سکتے ایک شاعر ایک مصنف کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

فمداد مایجری به اقلامه ازکی واطیب من دم الشهداء

ترجمہ: جس سیاہی کے ساتھ اس کا قلم چلتا ہے شہداء کے خون سے بھی زیادہ پاک اور صاف ہے۔

## پیشاب سے لکھنے کی تعلیق بالمحال

فقہ میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ اس حالت اضطرار میں پیشاب سے بھی لکھ سکتا ہے وہاں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ کہیں پہلے فقہاء سے منقول نہیں ہے لکن لم ینقل کہ ایسا کہیں پہلے نہیں سنا گیا۔

وبالبول ایضا ان علم فیه شفاء لا بأس به لکن لم ینقل.

(ردالمختار جلد)

ترجمہ: اور پیشاب سے بھی لکھ سکتا ہے اگر اسے اس سے شفاء کا یقین ہو۔ اس میں حرج نہیں لیکن اس سے شفاء ہونا نقل میں کہیں نہیں ملتا۔ (سو ایسا نہ کرے)

حضرت مولانا میر محمد میرٹھیؒ شامی کی اس عبارت کا حاصل یہ لکھتے ہیں:۔

سو اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ حالت اضطرار ہو مگر چونکہ اس میں شفا کا ہونا معلوم نہیں ہے تو الحمد وغیرہ کا پیشاب سے لکھنا بدستور حرام اور معصیت ہے کیونکہ بحالت اضطرار وہی امر حرام جائز ومباح ہوجایا کرتا ہے جس سے شفاء کا ہونا معلوم ہو جیسے کسی کے حلق میں لقمہ پھنس گیا اور اتفاق سے وہاں کوئی چیز سوائے شراب کے موجود نہ ہو اور اس کی جان آبنی ہو سو ایسی حالت میں شراب سے لقمہ کا اتارنا جائز ہوگا مگر جس چیز میں حصول شفا محتمل ہو وہ بحالت اضطرار بھی جائز نہیں رہتی بلکہ بدستور حرام رہتی ہے۔ (الجواب الکامل ص ۳۶)

قارئین کرام آپ خود سوچیں کہ فقہ میں اس عمل کو کیا جائز کہا گیا ہے یا حرام بتلایا گیا ہے کچھ خدا کا خوف کریں حنفیہ کرام نے اس عبارت سے اس کام کی راہ نکالی ہے یا اس

میں جاز الاستثفاء کو تعلیق بالمحال کیطور پر ذکر کیا گیا ہے یہ فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں۔

قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین سے یہ استدلال کرنا کہ حضورؐ خدا کے بیٹے کی عبادت کے لیے تیار ہو گئے تھے اگر دھوکہ اور فریب نہیں تو اور کیا ہے اہل علم انتفائے شرط سے انتفائے جزاء پر استدلال کرتے آئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں جہاں مقدم اور تالی میں برابر کی نسبت ہوتی ہے وہاں سلب مقدم کو سلب تالی لازم ہوا کرتا ہے مگر افسوس کہ علماء غیر مقلدین اہل علم کی اس صف میں نہیں آتے۔

## فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے ایک اور اعتراض

(کھجور کی شراب) نبیذ اگر نو پیالے پیئے اور نشہ نہ آئے دسواں پیالہ پینے کے بعد نشہ آئے تو حد نہ جاری کی جائے گی۔ (دیکھیے پمفلٹ غیر مقلدین فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ حدیث)

فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم ص ۴۳ میں عبارت اس طرح ہے:۔

اذا شرب تسعة اقداح من نبیذ التمرفا وجر العاشرفسکر لم یحد لان السکریضاف الی ماھواقرب

ترجمہ: جب اس نے نبیذ تمر کے نو پیالے پیئے پھر دسواں پیالہ اس کے منہ ڈالا گیا اور اسے نشہ ہوا تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ نشہ اس دسویں پیالے کی طرف مضاف ہوگا پہلے نو پیالوں کی طرف نہیں۔

یہ بات نبیذ تمر کے بارے میں کہی جارہی ہے کھجور کی شراب کے بارے میں نہیں معترض نے شروع میں یہ الفاظ اپنی طرف سے بریکیٹ میں لکھ دیئے ہیں تاکہ اگلی بات نبیذ کی نہ شراب کی سمجھی جائے۔ غیر مقلدوں کے اس دھوکہ اور فریب پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کھجور کی نبیذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیتے تھے ترمذی شریف میں یہ حدیث موجود ہے اب اگر کوئی اس کے نو پیالے پیے یا بیس اس نے شراب ہرگز نہیں پی۔

کھجور کا نبیذ بیس پیالوں پر بھی نشہ نہیں لاتا ہاں اگر وہ دیر تک پڑا رہے لیکن ابھی اس میں نشہ پیدا نہیں ہوا اب اگر کسی نے اس کے نو پیالے پیے اور اس کے بعد اس میں نشہ پیدا ہوگیا تو اب اس کے لیے اس کا دسواں پیالہ پینا جائز نہ ہوگا نبیذ کے شراب بننے سے

اب اس کا پینا حرام ٹھہرا۔

یہ علم فقہ کی باریک نظری ہے کہ جونہی مشروب کی حالت بدلی اس کا حکم بدل دیا جب یہ شراب نہ تھی اس کے نو پیالے بھی ممنوع نہ ہوئے اور جب یہ شراب بن گئی اور اس میں نشہ پیدا ہوگیا تو اب اس کا ایک پیالہ پینا بھی جائز نہ رہا اور اس نے دسواں پیالہ اسکے نبیذ ہونے کے شبہ میں پیا۔

جو لوگ اس صحیح مسئلے کو اس استہزائی انداز میں عوام کے سامنے لاتے ہیں کہ دیکھو دس پیالے پینے تو جائز رکھے اور گیارھواں پیالہ ناجائز کردیا کیا عجیب شان فقہ ہے وہ خدا سے ڈریں اور دین کو ٹھٹھا اور مذاق نہ بنائیں۔

منکرین حدیث اسی قسم کا ٹھٹھا کتب حدیث سے کرتے ہیں علماء اہل سنت حدیث اور فقہ دونوں کا دفاع کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ہر بات اپنے محل میں صحیح ہے اور انسانی ضرورت میں سے ہے۔

## اہلحدیث کو یہ باریک مسائل کیوں سمجھ میں نہیں آتے

اہلحدیث (باصطلاح جدید) فقہ کی کتابیں فقہ کے ماہر علماء سے نہیں پڑھتے محض مطالعہ سے انہیں دیکھتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ایک مسئلہ کتنے ابواب سے تعلق رکھتا ہے اور ہر باب میں اس کا اسی جہت سے بیان ہوتا ہے جو اس باب سے متعلق ہو ہم پیچھے اس موضوع پر کچھ بحث کر آئے ہیں۔

وان اولج بهيمة اوميتة ولم ينزل يفسد صومه ولايلزم الغسل

ترجمہ: اور اگر کسی نے روزہ میں کسی جانور یا کسی مردہ انسان سے صحبت کی اور انزال نہ ہوا تو نہ روزہ گیا نہ اس پر غسل لازم آیا۔

اس سے علماء اہل حدیث (باصطلاح جدید) عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک گویا ایسا کرنا جائز ہے ایسا ہرگز نہیں ہے پہلے دیکھئے کہ اس مسئلے کے کتنے پہلو ہیں:۔

۱۔ یہ فعل شرعاً جائز ہے یا ناجائز

۲۔ یہ فعل پورا ہوا یا بغیر انزال رہا

۳۔ کیا اس سے غسل جنابت لازم آیا دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟

۴۔ اگر کسی نے روزہ کی حالت میں یہ کیا تو کیا روزہ جاتا رہا دونوں صورتوں میں اس کا کیا حکم ہے۔

۵۔ یہ برا کام کرنے والے کو کوئی سزا دی جائے گی یا نہ؟

۶۔ اس جانور کا کیا حکم ہے جس سے یہ فعل کیا گیا وہ حلال جانور ہے تو کیا ذبح کے بعد اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے یا نہ؟

۷۔ اس کا گوشت پاک شمار ہوگا یا ناپاک

فقہاء نے قرآن وسنت کی روشنی میں ان تمام سوالوں کا جواب ان کے متعلقہ ابواب میں دیا ہے۔

غسل کا واجب ہونا یا نہ ہونا کتاب الطہارت میں ملے گا روزے کا ٹوٹنا یا نہ ٹوٹنا مفسدات صوم میں ملے گا ایسا کام کرنے والا کس سزا کا حقدار ہے یہ مسئلہ کتاب الحدود میں ملے گا۔

قاضی خاں کا مذکورہ بالا مسئلہ درمختار کے باب الحدود جلد ۳، ص ۱۷۰ پر حد زنا کی بحث میں اس طرح مذکور ہے مگر افسوس کہ غیر مقلدین اسے اس باب میں دیکھ نہیں سکے۔

ولا یحد بوطی بھیمة بل یعزر و تذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھاحیة اومیتة.

ترجمہ: جانور سے وطی کرنے پر شرعی حد نہیں لیکن تعزیر کی سزا ہے اور اس جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے اور اس سے کوئی فائدہ نہ لیا جائے نہ زندہ کی حالت میں نہ مردہ کی حالت میں۔

فقہ میں جب اس جانور سے اتنی نفرت کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ ہی غور کریں کیا اس شخص پر جس نے یہ حرکت کی کیا کوئی سزا نہ آئے گی؟ فقہ میں پوری صراحت سے یہ مسئلہ آیا ہے کہ اسے تعزیر دی جائے گی شریعت میں اس کے لیے کوئی معین سزا نہیں ہے، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں من اتی بھیمة فلا حد علیه سو یہ بات قاضی کے فیصلے پر رکھی گئی

درمختار میں ہے کہ اسے قتل تک کی سزا دی جاسکے گی:۔

والتعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رای القاضی
وعلیہ مشائخناز یلعی ...... ویکون التعزیر بالقتل

(جلد ۱، ص ۱۹۶)

یہ مسئلہ کہ اگر اس نے بلا تکمیل فعل اسے چھوڑ دیا تو کیا اس کا روزہ جاتا رہا؟ دلیل شرعی کا محتاج تھا اور اس میں شریعت سے کوئی دلیل نہ ملی کہ روزہ جاتا رہا ہے تو اب فقہاء اس پر روزہ ٹوٹنے کا حکم کیسے جاری کر دیں؟ افسوس کہ علماء اہل حدیث (باصطلاح جدیدؒ) اس پر کوئی دلیل نہیں لاسکے اور محض بنا برضد قاضی خاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ رہا مسئلہ غسل لازم ہونے کا اسے امام بخاری بھی تو ضروری نہیں سمجھتے، اب قاضی خان اور امام بخاری میں کیا فرق رہا؟ امام بخاری صرف بطور احتیاط غسل کا حکم دیتے ہیں بطور لزوم نہیں اور قاضی خاں بھی ولایلزم الغسل سے صرف لزوم کی نفی کر رہے ہیں احتیاط کی نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے:۔

قال ابو عبداللہ ھذا اجود واوکد وانمابینا الحدیث الاخر
لاختلافھم والغسل احوط (جلد ۱، ص ۴۳)

غیر مقلدین کو چاہیے کہ جب انہیں فقہ کے کسی خاص مسئلے میں تردد یا غلط فہمی ہو تو وہ اسے اس کے تمام دوسرے ابواب متعلقہ میں بھی دیکھ لیا کریں پھر صورت حاصلہ کو کسی حدیث کے خلاف پائیں تو حنفیہ کے بڑے علماء سے پوچھ لیں ان مسائل کو بغیر جانے استہزائی انداز میں پیش کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

## پاک چیز ضروری نہیں کہ حلال بھی ہو

مردار حرام ہے اس کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے مگر اس کا کھانا دباغت کے بعد بھی جائز نہ ہوگا وہ حرام ہی رہے گی معلوم ہوا کہ پاک ہونا اور چیز ہے اور حلال ہونا اور چیز، حلال ذبیحہ کی کھال حلال ہے سری پائے میں اسے عام کھایا جاتا ہے لیکن مردہ بکری کی کھال جو دباغت سے پاک ہوئی وہ پاک تو ہے مگر وہ کھانے میں حرام ہی رہے گی

قرآن کریم میں ہے:۔

حرمت علیکم المیتة ...... الا ما ذکیتم (پ٦، المائدہ۳)

ترجمہ: حرام ہے تم پر مردار چوٹ کھا کر مرجانے والا جانور، لڑھک کر مرجانے والا جانور، سینگوں کی زد سے مرا جانور اور جسے کسی درندہ نے پھاڑ دیا مگر جس کو تم ان میں سے پاک کرلو۔

یہ پاک کرنا کس طرح ہوگا؟ انہیں ذبح کرنے سے، ان میں کچھ بھی جان باقی ہو تو ذبح کرنے سے وہ پاک ہو جائے گا باقی سب مردار کے حکم میں رہیں گے۔

## شریعت میں پاک ہونے کا طریقہ

۱۔ اللہ کے نام پر ذبح کرنے سے حلال جانور مع اپنی کھال کے پاک ہو جاتے ہیں خون رطوبات وفضلات اپنی جگہ حرام ہی رہیں گے۔

۲۔ مردہ جانوروں اور آیت میں مذکور دوسرے مرے جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جائے گی مگر وہ حلال نہ بنے گی۔

اب یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ دباغت سے کھال پاک ہونے میں ایک مردار کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور ایک ذبیحہ کی کھال خود ہی پاک ہے اس کی دباغت کی ضرورت نہیں یہ فرق کیوں؟

یہ فرق اس لیے ہے کہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور مردار پر اللہ کا نام نہ لیا گیا تھا معلوم ہوا کہ اللہ کا نام لیا جانا اس ضرورت کو پورا کر دیتا ہے جو مردار کی صورت میں دباغت سے پوری کی گئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام لیا جانا کھال تک اپنا اثر دکھا دیتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مردار کی کھال اور شیر کی کھال میں کیا فرق ہے مردار اب مردار ہے گو اصلا حلال تھا مگر جب مردار ہوگیا تو اب اس میں اور ایک بھیڑیئے یا شیر میں کیا فرق رہا یہ درندے سور کی طرح نجس العین تو نہیں ہیں صرف خنزیر ہے جو بجمیع اجزائہ ہمیشہ تک کے لیے حرام ہے قرآن کریم میں اسے پورے کو نجس (ناپاک) کہا گیا ہے اسے چھوڑ کر دوسرے درندوں کو دیکھیے ان میں کوئی نجس العین نہیں ہے اب ان میں سے کسی

کو اگر کسی نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا تو وہ گو حرام ہی رہے گا لیکن اگر کوئی اسے مردار گائے کے درجے میں لے کر اس کی کھال کو اسے حرام جاننے کے باوجود پاک کہے تو وہ کون سی شرعی دلیل ہے جس سے ہم ایسے ایسا کہنے سے روک سکیں گے؟ اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے پاس اس کی کوئی دلیل ہو تو آپ ان سے دریافت فرمالیں۔

ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال اگر پاک ہوئی تو صرف اللہ کے ذکر کی بدولت اور مردار کی کھال پاک ہوئی تو دباغت سے۔ تو معلوم ہوا کہ اس پاکی میں اس جانور کی حلت کو کوئی دخل نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جو جانور اصلا حلال ہو اگر اس کا کوئی حصہ گوشت اسے ذبح کیے بغیر اس سے کاٹ لیا جائے تو اس کے بے جان ہونے کے بعد اس کی کھال پاک سمجھی جائے کیونکہ وہ جانور اصلا حلال تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے حدیث میں اسے مردار اور حرام ہی کہا گیا ہے حضورؐ نے فرمایا:

مایقطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة ولاتو كل

ترجمہ: سو یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ اللہ کا نام لے کر حرام جانور کو ذبح کیا جائے تو گو وہ حرام ہی رہے گا حلال نہ ہوگا لیکن اللہ کا نام لینے سے وہ ناپاک ہونے کے حکم سے اسی طرح نکل جائے گا جس طرح مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ ہاں جس طرح اس کھال کا کھانا پھر بھی حرام ہی رہے گا حرام جانور ذبح کرنے سے حلال ہرگز نہ ہو سکے گا۔

قاضی خاں کی اس عبارت میں ہرگز نہیں کہ اب اس کا کھانا بھی جائز ہو گیا۔ پاک ہونا اور بات ہے۔ اس سے حلال ہونا لازم نہیں آتا۔

اذا صلى على جلد كلب اوذئب قد ذبح جازت صلوته.

یہ صرف ایک عمل کا حکم ہے کہ اس کی نماز ہو گئی یہ نہیں کہ لوگ اب اسی قسم کے مصلوں پر نماز پڑھا کریں۔ اگر کوئی عالم یہ مسئلہ بتائے کہ اگر کوئی شخص زمین پر پیشاب کرے تو وہ زمین خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے تو اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے گا کہ لوگ صحن مسجد میں پیشاب کر لیا کریں اور جہاں وہ خشک ہو جائے وہاں نماز پڑھا کریں۔

کسی اتفاقی صورت عمل) کا حکم بیان کرنے سے اسے عادۃ اختیار کرنا ہرگز ثابت نہیں ہوتا یہی بات بھیڑیے یا کتے کی کھال کی طہارت کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا کرو مگر افسوس کہ ہمارے اہل حدیث (باصطلاح جدید) دوست ان دقیق باتوں کو سمجھ نہیں پاتے۔

فقہ کی ضرورت ہر طبقے میں محسوس کی گئی ہے ائمہ اربعہ کے پیرو اپنی علیحدہ علیحدہ فقہ کے باوجود ایک ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ ان کے مقابل فقہ جعفری ہے اسی طرح غیر مقلدین کی اپنی فقہ ہے۔

اب ہم طلبہ کو مختلف انواع فقہ کا کچھ مختصر تعارف کراتے ہیں۔

# مختلف انواع الفقہ

**الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!**

فقہ کے عنوان سے کئی طرح کی فقہ اپنے اپنے حلقہ میں متعارف ہیں اہل السنۃ کے ہاں پہلے دور میں سات مجتہدین کی فقہ ان کے مقلدین میں جاری رہیں لیکن رفتہ رفتہ یہ چار فقہوں پر آ گئے اور امام سفیان الثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحٰقؒ کے مقلدین ناپید ہوتے گئے۔ اثنا عشریوں نے حضرت امام جعفر صادقؒ کے نام سے ایک اپنی فقہ ترتیب دے لی اسے وہ فقہ جعفری کہتے ہیں۔ بیسویں صدی میں ہندوستان میں اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے نام سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا اور ان کے علماء نے حوادث پیش آمدہ میں اپنے اپنے خیال کے مطابق اپنے فتوے دیئے یہ چھ نوع کی فقہ ہیں جن کا ابتدائی تعارف اسلامیات کے طلبہ کے لیے نہایت ضروری ہے۔

فقہ وحدیث کے پچھلے ذخائر اور حالات حاضرہ کی نقل وحرکت میں ہم اپنے گرد و پیش چار فقہوں کا نام ہی سنتے آئے ہیں اور ان میں بھی صرف فقہ حنفی ہے جسے ان بلاد میں اسلامی فقہ کہا جاتا ہے۔ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں نوے فیصد مسلمان حنفی فقہ کے پیرو پائے جاتے ہیں۔ یہی حال ترکی، افغانستان اور اقصائے چین کا ہے پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے نام سے اب ایک اور فقہ کا نام بھی سنا جارہا ہے سو ضروری معلوم ہوا کہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ کے ساتھ کچھ فقہ جعفری کا تعارف بھی کرا دیا جائے۔

برصغیر پاک و ہند میں غیر مقلدین مسائل غیر منصوصہ میں پہلے فقہ حنفی کو تسلیم کرتے تھے فتاویٰ نذیریہ اس کی ایک کھلی شہادت ہے۔ مگر اب ان حضرات نے اپنے اکابر کے فتاویٰ وغیرہ علیحدہ مرتب کر لیے ہیں اور اب یہ ایک مستقل فقہ کے علمبردار ہیں جو ان کی کتب فتاویٰ میں ملتی ہے۔

سو مناسب معلوم ہوا کہ ہم اسے بھی چھٹی فقہ کے نام سے آپ کے سامنے پیش کریں۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

ہم پہلے اہل السنہ والجماعۃ کی اپنی چار فقہوں کا ایک مختصر تعارف میں ذکر کرتے ہیں۔

## فقہ اپنے پہلے دور میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی مسلمانوں میں فقہ کا آغاز ہو گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقہ میں وسعت کی راہیں جائز رکھیں لیکن آپ کے ہوتے ہوئے فقہ میں کسی اختلاف کی گنجائش نہ تھی صحابہؓ کے عہد میں بعض صحابہؓ میں کچھ اختلاف رائے پیدا ہوا اور اس نے مختلف علاقوں میں وسعت عمل کی صورت اختیار کی۔ یہ علاقے حجاز عراق شام یمن اور مصر وغیرہ تھے جہاں اکابر صحابہؓ میں سے کسی نہ کسی کا زیادہ اثر ورسوخ کارفرما رہا۔

عراق میں حضرت عبداللہ مسعودؓ کا زیادہ اثر تھا بعد میں حضرت علی المرتضیٰؓ بھی وہاں آٹھہرے اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ انتقال فرما چکے تھے اور ان کے شاگرد حضرت علقمہؒ بن قیسؒ آپ کے مدرسہ کے صدر مدرس بنے آپ کے شاگرد پھر حضرت علی المرتضیٰؓ کے شاگرد بھی بنے حضرت علیؓ سے پھر دو طرح کی روایات چلیں محققین نے ان میں سے انہی روایات کا اعتبار کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں ان کے سوا صرف انہی کی روایات لی گئیں جو حضرت علی المرتضیٰؓ کے گھر کے لوگ تھے جو لوگ ان کے حلقہ میں تھے مگر وہ دل سے حضرت علیؓ کے ساتھ نہ تھے (جیسے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف اٹھنے والے) ان کی روایات کا عراق میں کوئی اعتبار نہ کیا گیا۔ حضرت امام حسینؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی صلح کے بعد حضرت حسینؓ مدینہ تشریف لے آئے اور کوفہ میں فقہ کی مسند علمی حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) حضرت علامہ شعبیؒ (۱۰۳ھ) اور مسروق بن اجدعؒ (۶۳ھ) حضرت سعید بن المسیب (۹۴ھ) کے نام سے آباد رہی۔

## عراق کی مسند علمی

اگلے دور میں حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اور سفیان ثوریؒ (۱۹۰ھ) کوفہ کے مسند آرائے علم ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسند علم کے جانشین امام ابوحنیفہؒ مانے گئے تاہم حضرت سفیان ثوریؒ بھی فقہ میں اہل عراق کے ساتھ ساتھ چلے ہیں نماز میں رفع الیدین

عند الرکوع کے بارے میں اہل عراق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب پر تھے حضرت سفیان ثوریؒ بھی اس مسئلہ میں انہی کے ساتھ رہے امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:۔

وبہ یقول غیرواحد من اہل العلم من اصحاب النبی والتابعین وھو قول سفیان واہل الکوفۃ. (ترمذی جلد۱،ص۳۵)

ترجمہ: نماز میں رفع یدین صرف شروع میں کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہؓ اور تابعینؒ کا یہی موقف رہا ہے امام سفیان ثوریؒ اور سب اہل کوفہ اس موقف پر رہے ہیں۔

اب ذرا آگے چلیے:

حضرت سفیان ثوریؒ کس پایہ کے محدث ہیں اسے عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ) کی زبان سے سنیے قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ائمۃ الحدیث الذین یقتدی بھم اربعۃ سفیان بالکوفہ ومالک بالحجاز والاوزاعی بالشام وحماد بن زید بالبصرہ.

(ترتیب المدارک جلد۱،ص۱۰۳)

ترجمہ: فن حدیث میں امام چار ہیں کوفہ میں سفیان الثوریؒ حجاز میں مالکؒ شام میں اوزاعیؒ اور بصرہ میں حماد بن زیدؒ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ رفع الیدین عندالرکوع میں امت میں اختلاف اس لیے نہیں رہا کہ کسی امام کو رفع یدین عندالرکوع کی روایت پہنچی اور کسی کو نہ پہنچی تھی خود حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ سے رفع الیدین عندالرکوع کی روایت سن چکے تھے، حضرت امام محمدؒ، امام مالکؒ سے یہ روایت سن چکے تھے (گو امام مالک بعد میں اس سے دستبردار ہو گئے تھے) بایں ہمہ امام ابوحنیفہ کا موقف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہی عمل رہا۔ سو اس مسئلہ میں اگر دونوں طرف صحابہؓ نہ ہوتے اور ان میں یہ اختلاف وسعت عمل کا اختلاف نہ سمجھا جاتا تو کم از کم امام سفیان ثوریؒ تو امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ نہ ہوتے وہ رفع یدین عندالرکوع پر ضرور عمل پیرا ہوتے اور اس کے قائل ہوتے مگر سب جانتے ہیں کہ آپ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہی رہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ درحقیقت شخصی فقہ نہ تھی آپ نے چالیس علماء کا ایک

بورڈ بنا کر فقہ اسلام کی تدوین کی تھی۔ الجواہر المضیہ میں تمام ارکان بورڈ کے نام دیئے ہیں ان میں امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) جیسے کثیر الحدیث رکن بھی تھے استحسان وقیاس کے بادشاہ اور متقن جلیل امام زفرؒ (۱۵۸ھ) بھی تھے ادب و عربیت کے امام حضرت امام محمد بن حسنؒ (۱۸۹ھ) بھی تھے اور علم وتقویٰ کے پہاڑ حضرت داؤد طائیؒ بھی تھے۔ ان سب حضرات نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی صدارت میں فقہ اسلام کی تدوین کی۔ دوسرے لفظ میں یوں سمجھیں کہ فقہ حنفی ایک شورائی فقہ ہے حضرت امام کے مقلدین بایں طور ان کے مقلد ہیں کہ یہ سب علماء اعلام حضرت امام کے اصول فقہ کے مطابق چلے ہیں اس فقہ معین کے ماننے کو اس جہت سے تقلید شخصی کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ عظیم جبال العلم کی مشترک شورائی فقہ ہے۔

## شام کی مسند علمی

شام میں علمی مسند جلیل القدر صحابی رسول حضرت ابوالدرداءؓ کے نام سے قائم تھی آپ کے بعد امام مکحول شامیؒ (۱۰۱ھ) اہل شام کے مفتی اعظم رہے پھر امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) ان کے مسند آرائے علم ہوئے امام اوزاعیؒ کی بھی آگے تقلید چلی اور تیسری صدی تک آپ کے مقلدین پائے گئے امام وحیم بن عبدالرحمٰن (۲۴۵ھ) آپ کے مقلد تھے۔

(تذکرہ جلد ۲، ص ۵۸)

آپ کی تقلید شام اور سپین میں زیادہ رہی تیسری صدی میں وہاں مالکی مذہب کا فروغ ہوا اور امام اوزاعیؒ کے مقلدین آہستہ آہستہ ناپید ہوتے گئے۔

## حجاز کی مسند علمی (مالکی فقہ)

حجاز کی مسند علمی کے صدر نشین امام دارالہجرت حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) تھے آپ امام مجتہد تھے آپ عمل اہل المدینہ کو زیادہ علمی وزن دیتے تھے اور اس کے خلاف کسی روایت کو جلدی قبول نہ کرتے تھے۔ آپ روایات پر نہیں تعامل امت پر فقہ کی تاسیس چاہتے تھے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ سنت اور علم حدیث دونوں میں امام تھے۔

مصر عراق شام ہر جگہ ان کے مقلدین رہے ہیں امام محمد بن عبداللہ بن الحکمؒ (۲۰۸ھ) مصر میں امام اسماعیل قاضی (۲۸۲ھ) عراق میں ان کے مسلک پر چلے۔ شام میں امام اوزاعیؒ کے دور تقلید کے بعد تیسری صدی میں امام مالکؒ کے طریقہ کا فروغ ہوا۔

انقلاب خلافت کے وقت شام کے جولوگ سپین جا نکلے اور وہاں امور خلافت قائم کی امام مالکؒ کا مسلک بھی شام سے وہاں ساتھ گیا امام محمد بن یحییٰ اندلسیؒ (۳۴۶ھ) امام ابو بکر محمد بن عبداللہ الاندلسیؒ (۳۶۷ھ) امام ابن عبدالبرؒ (۴۶۲ھ) علامہ قاضی عیاض (۵۴۴ھ) مفسر جلیل عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ (۶۷۱ھ) مالکی مسلک کے اساطین سب اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔

## امام مالکؒ کے صف اول کے شاگرد

حضرت امام مالکؒ کے حدیث میں توہزاروں شاگرد ہوئے لیکن تدوین فقہ میں آپ کے صف اول کے شاگرد یہ حضرات رہے ہیں:۔

### ۱۔شیخ عبداللہ بن وہب مصریؒ (۱۹۷ھ)

آپ نے محدث وقت لیث بن سعد مصریؒ سے حدیث پڑھی لیث بن سعد مصریؒ زیادہ تر حنفی طریق پر چلتے تھے شیخ عبداللہ نے مدینہ آکر پھر امام مالکؒ سے حدیث پڑھی اور ان کی روایات مسموعات مالک کے نام سے جمع کیں۔

### ۲۔شیخ ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسمؒ (۱۹۱ھ)

مالکی مذہب کی پہلی کتاب المدونہ الکبری آپ کی تصنیف ہے آپ بیس سال امام مالکؒ کے ساتھ رہے صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں آپ کے بیٹے ابوسعید خلف بن ابی القاسمؒ نے المدونہ کا اختصار کیا جو کتاب التہذیب کے نام سے چھپ چکا ہے۔

### ۳۔ابو محمد عبداللہ بن نافع المدنیؒ (۱۸۶ھ)

### ۴۔شیخ معن بن عیسی المدنیؒ (۱۹۸ھ)

امام مالکؒ کے چالیس ہزار کے قریب فتاوئی ان کو یاد تھے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ الاساتذہ ہیں ممتاز ائمہ حدیث سے تھے۔(تذکرہ جلد۱،ص۲۵۷)

### ۵۔ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ (۲۱۴ھ)

ان سے ابراہیم بن حبیبؒ، ابن المواز اور ربیع سلیمانؒ نے روایت کی ہے۔

### ۶۔یحییٰ بن مالکؒ (ھ)

امام مالکؒ کے بیٹے ہیں یمن میں موطا ان کے ذریعہ پہنچا۔ان سے محمد بن مسلمہؒ

نے اسے روایت کیا ہے۔

۷۔محمد بن مالکؒ (ھ)

مصر میں ان کے ذریعہ مالکی مذہب کو فروغ ملا ان سے حارث بن مسکینؒ اور زید بن بشرؒ نے فقہ پڑھی۔

۸۔ابراہیم بن حبیبؒ(ھ)

آپ ابومحمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ کے بھی شاگرد تھے۔

## امام مالکؒ سے مؤطا روایت کرنے والے ممتاز شاگرد

۱۔ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم المصریؒ (۱۹۱ھ)

۲۔ابوعبداللہ محمد بن وہبؒ (۱۹۷ھ)

۳۔یحییٰ بن یحییٰ المصمودی الاندلسیؒ (۲۰۴ھ)

۴۔امام محمد بن حسن الشیبانیؒ (۱۸۹ھ)

۵۔عبداللہ بن یوسف ابومحمد الدمشقیؒ (۲۱۸ھ)

۶۔ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمہ القعنبیؒ (۲۲۱ھ)

۷۔سعید بن کثیر بن عفیرؒ (۲۲۶ھ)

۸۔ابومصعب الزہری احمد بن ابی بکرؒ (۲۴۲ھ)

۹۔مصعب بن عبداللہ الزبیریؒ (۲۳۶ھ)

۱۰۔یحییٰ بن یحییٰ التمیمیؒ (۲۲۶ھ)

## فقہ مالکی کے مشہور فقہاء

ابومحمد بن عبداللہ بن عبدالحکمؒ (۲۱۴ھ)

احد فقهاء مصر من اصحاب مالک. (تذکرہ جلد۲، ص۱۱۴)

عیسیٰ بن دینارؒ (۲۲۲ھ)

ابوعبداللہ محمد بن سحنون الامامؒ (۲۵۵ھ)

امام اسماعیل قاضیؒ (۲۸۲ھ) شیخ المالکیہ بالعراق۔ (ایضاً جلد۲، ص۱۸۰)

ابوبکر بن علاء قشیریؒ (۳۴۴ھ) ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔

## فقہ مالکی کے چوتھی صدی کے فقہاء

۱۔محمد بن احمد المغربی (۳۳۳ھ)

۲۔امام وہب بن مسرۃ تمیمیؒ (۳۴۶ھ)

۳۔ابوبکر بن علاءؒ (۳۴۴ھ)

۴۔محمد بن یحیٰ اندلسیؒ (۳۴۶ھ)

۵۔ابواسحٰق محمد قاسمؒ (۳۵۵ھ)

۶۔محمد بن حارث بن اسد الخشنی (۳۶۳ھ)

۷۔ابوبکر محمد بن عبداللہ المعیطیؒ (۳۶۷ھ)

۸۔امام ابوبکر قاضی محمد بن عبداللہؒ (۳۷۵ھ)

۹۔ابوبکر الجریؒ (۳۹۵ھ)

۱۰۔ابن جلاب صاحب کتاب التفریع (۳۷۸ھ)

## مالکی فقہ کے پانچویں صدی کے اساطین

۱۔امام ابوعمر عثمان سعید الداوینؒ (۴۴۴ھ)

۲۔امام عمرو بن یوسف بن عبدالبرؒ صاحب الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکیؒ (۴۶۳ھ)

## چھٹی صدی کے ممتاز مالکی علماء

۱۔قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ)

۲۔امام ابوالولید ابن رشدؒ صاحب ہدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد (۵۹۵ھ)

فقہ مالکی کی کتابوں کا ذکر آپ کو کتب فقہ کے ذیل میں ملے گا یہاں صرف یہ یاد رکھیں کہ جس کے پاس فقہ مالکی کی دو کتابیں ہوں تو وہ کافی ہیں ایک مدونۃ الکبری عبدالرحمٰن بن القاسمؒ (۱۹۱ھ) اور دوسری الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی للحافظ ابن عبدالبر المالکی القرطبی (۴۶۳ھ)۔موطا امام مالک حدیث کی کتاب ہے اس میں کئی ایسی روایات بھی ہیں جو سنداً صحیح ہیں مگر امام مالکؒ کا خود اپنا عمل ان پر نہیں۔امام مالک صرف حدیث کو نہ دیکھتے تھے۔اس پر امت کے تعامل کو ساتھ رکھتے تھے اس رائے میں امام ترمذیؒ بھی آپ کے نقش قدم پر رہے جامع ترمذی میں تقریباً ہر روایت پر آپ تعامل امت کو ساتھ لاتے ہیں۔

## فقہ مالکی کی ایک جھلک

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) حدیث میں کس پایہ کے امام ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں۔ امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) صرف حدیث کے امام بتلائے گئے۔ امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سنت کے امام کہلائے اور امام مالکؒ حدیث اور سنت دونوں کے امام کہلائے۔ اتنے بلند پایہ محدث کی فقہ کے چند مسائل ملاحظہ کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ فقہ مالکی فقہ حنفی کے کس قدر قریب ہے۔ حضرت علامہ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) فقہ مالکی اس طرح لکھتے ہیں۔

لابد من قرأة فاتحة الكتاب للامام والمنفرد فی كل ركعة من الفريضة والنافلة لايجزی عنها غيرها ...... وروی عن مالک انه قال من لم يقرأ بفاتحة الكتاب فی ركعتين من صلوته فسدت صلاته ...... اما الما موم فالا مام يحمل عنه القرأة لاجماعهم علی انه اذا ادركه راكعا انه يكبر وير كع ولا يقرأ شيا ولا ينبغی لاحد ان يدع القرأة خلف امامه فی صلوة السر ...... فان فعل اساء ولاشئی عليه عند مالک واصحابه واما اذاجهر الامام فلا قرأة بفاتحة الكتاب ولابغيرها قال الله عزو جل واذاقری القرا ن فاستمعو له وانصتوا وقال رسو ل الله صلی الله عليه وسلم مالی انازع القران وقال فی الاما م فاذا قرأ فانصتوا.

(کتاب الکافی جلد۱، ص۲۰۲)

ترجمہ: امام اور اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا ہر رکعت میں ضروری ہے نماز فرض ہو یا نفل سورۃ فاتحہ کا کوئی بدل نہیں اور امام مالکؒ سے مروی ہے کہ جس نے نماز میں پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز فاسد ہوگی۔ رہا مقتدی تو اس کے پڑھنے کا بوجھ امام نے لے لیا ہے کیونکہ فقہاء کا اجماع ہے کہ مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا تو وہ تکبیر کہے اور رکوع میں چلا جائے اور کچھ نہ

پڑھے اور نہ چاہیے کہ کوئی شخص سری نماز (ظہر وعصر) میں امام کے پیچھے پڑھنا چھوڑے لیکن اگر اس نے نہ پڑھا تو برا کیا مگر امام مالکؒ اور ان کے شاگردوں کے نزدیک اس کی نماز ہوگئی اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے جیسا کہ قرآن کا حکم ہے جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں کیوں کھچاؤ کیا جائے (یعنی میرے پیچھے مقتدی قرآن نہ پڑھے یہ مجھ سے کھینچا تانی ہے) اور آپ نے یہ بھی فرمایا جب امام پڑھنا شروع کرے تو تم چپ رہو۔

مولانا مبارک پوری بھی لکھتے ہیں:۔

امام مالکؒ سری نمازوں میں وجوب قرأۃ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

(تحفۃ الاحوذی جلد۱، ص۲۵۷)

کتاب الکافی کے حاشیہ میں حدیث واذا قرأ فانصتوا پر امام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے اس طرح لکھا ہے۔

فی منتقی الاخبار لابن تیمیه رواه الامام احمد عن ابی موسی الاشعری قال الشوکانی وهذا اللفظ ثابت عندابی داؤد و ابن ماجه والنسائی وقال مسلم هو صحیح.

(نیل الاوطار جلد۲، ص۱)

ترجمہ: امام ابن تیمیہؒ نے منتقی الاخبار میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمدؒ نے حضرت ابوموسی الاشعریؓ سے روایت کیا ہے اور علامہ شوکانیؒ نے کہا ہے کہ یہ الفاظ امام ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ اور امام نسائیؒ کے ہاں ثابت ہیں امام مسلمؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ حافظ ابن عبدالبرؒ کتاب الکافی میں آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

وتسقط عن الماموم مع امامه قرأة ام القران اذادرکه راکعا فرکع قبل ان یرفع الامام راسه. (نیل الاوطار جلد۱، ص۲۱۰)

ترجمہ: امام کے پیچھے ہونے سے مقتدی سے سورۃ فاتحہ پڑھنی ساقط ہو جاتی ہے جب وہ اسے رکوع میں پالے بشرطیکہ مقتدی نے رکوع اس وقت کیا ہو کہ ابھی امام نے سر نہ اٹھایا ہو۔

آپ نے قرأت خلف الامام کے متعلق مالکی فقہ کی ایک جھلک دیکھ لی ہے آیئے نماز میں ہاتھوں کو باندھے اور چھوڑے رکھنے اور آمین کے بارے میں بھی فقہ مالکی سے کچھ معلوم کرلیں۔ امام عبدالبرؒ لکھتے ہیں:۔

ووضع الیمنی منهما علی الیسری او ارسالهما کل ذلک سنة فی الصلوة ثم القرأة بام القران فاذا فرغ منها قال امین سراو اسمع نفسه. (ایضاً جلد۱، ص۲۰۶)

ترجمہ: دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے یا ہاتھ چھوڑے رکھے نماز میں دونوں طریقے معمول بہا ہیں پھر نمازی سورۃ فاتحہ پڑھے جب فارغ ہوتو آمین کہے مگر آہستہ یہ اس طرح کہ خود سن پائے۔

پھر رفع الیدین عند الرکوع کے بارے میں لکھا ہے:۔

ان شاء رفع یدیه وان شاء لم یرفع.

ترجمہ: چاہے تو رفع یدین کرے اور چاہے نہ کرے۔ (یعنی کسی ایک طریقے کو لازمی سنت نہ سمجھے)

فقہ مالکی وتر کے بارے میں یہ ہے کہ ایک وتر نہ پڑھے:۔

یہ صلوۃ بتیراء ہے جس سے منع کیا گیا ہے جس سے منع کیا گیا ہے اس سے پہلے دو یا چار رکعت ملائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رات کی نماز جوڑا جوڑا کر کے پڑھو۔ (نیل الاوطار جلد۱، ص۲۵۷)

دو ساتھ ملالو تو ایک جوڑا آ گیا اور وتر تین ہو گئے۔

پھر دعائے قنوت کے بارے میں فقہ مالکی یہ ہے:۔

ان شاء قبل الرکوع وان شاء بعده کل ذلک واسع والاشهر عن مالک القنوت قبل الرکوع وهوتحصیل مذهبه. (ایضاً جلد۱، ص۲۰۷)

ترجمہ: چاہے قنوت رکوع سے پہلے پڑھے چاہے بعد میں دونوں کی گنجائش ہے امام مالک کا قول مشہور یہ ہے کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھے یہی آپ کے مذہب کا حاصل ہے (یعنی قنوت رکوع سے پہلے پڑھنا جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہے)

پھر نکاح متعہ کے بارے میں فقہ مالکی دیکھ لیں:۔

**ونهى رسول الله عن نكاح الشغار ونكاح المتعة ونكاح المحرم. (ایضاً جلد۲،ص۵۳۰)**

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح شغار نکاح متعہ اور نکاح محرم تینوں سے منع فرمایا ہے۔

آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

**ونكاح المتعة باطل مفسوخ وهوان يتزوج الرجل المرأة بشئ مسمى الى اجل مسمى.**

ترجمہ: اور نکاح متعہ باطل ہے اور ہو جائے تو خود فسخ ہے متعہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کو کچھ مال دے کر ایک معین مدت کے لیے اس سے شادی کر لے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک متعہ جائز ہے وہ مالکی فقہ سے بے خبر ہیں۔

آیئے اب فقہ شافعیؒ پر بھی کچھ نظر کریں:۔

## عالم قریش کی مسند علمی

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہیں اور عالم قریش کے طور پر مشہور ہیں آپ شیخ الحرم مسلم بن خالد الزنجیؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ کے شاگرد اور مشہور امام حدیث وفقہ امام احمد حنبلؒ کے استاد ہیں آپ مجتہد مطلق تھے آپ کی فقہ شافعی فقہ کے نام سے مشہور ہے اصول فقہ میں دو اماموں کا کام تاریخی حیثیت رکھتا ہے امام ابوحنیفہؒ کا اور امام شافعیؒ کا ان کے مابین امام محمدؒ ہیں۔

آپ بے شک امام الائمہ ہیں لیکن آپ اپنے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے اصول فقہ پر چلے ہیں امام شافعیؒ نے اپنے اصول خود وضع کیے ہیں اور اصول فقہ میں مجتہدانہ روش

اختیار کی ہے تاہم امام شافعیؒ نے بار بار اعتراف کیا ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں امام ابوحنیفہؒ اصول فقہ کے بانی اور موجد ہیں لیکن امام شافعیؒ نے اس فن کو جونکھار دیا اور اس میں جو وسعت پیدا کی وہ بھی کوئی کم خدمت نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ زیادہ حدیث میں مشتغل رہے ہیں ان کی فقہ کے اصول ان کے پیروں نے ان کی فقہ سے استقراء طے کیے ہیں۔

امام مالکؒ کے اصول فقہ معلوم کرنے کے لیے ابن رشد اندلسی کی کتاب بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد اور اصول فقہ حنبلی کے لیے روضۃ الناظر لائق مطالعہ کتابیں ہیں۔

## فقہ شافعیؒ کا فروغ عرب ممالک میں

ائمہ اربعہؒ میں امام شافعیؒ سب سے زیادہ کثیر الاسفار رہے ہیں جس طرح امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے عراق اور حجاز میں جم کر کام کیا امام شافعیؒ کسی ایک جگہ نہ جمے۔ آخری دنوں میں آپ نے مصر میں جم کر کام کیا اور یہیں سے آپ کا مذہب شمالی افریقہ میں گیا۔ آپ نے پہلے مکہ میں شیخ الحرم مسلم بن خالد الزنجیؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور مجاز فتوی ہوئے پھر امام مالکؒ کے حلقہ درس میں بیٹھے کچھ عرصہ یمن کے قاضی رہے اور پھر آ کر امام محمد بن حسن کے حلقہ درس میں شامل ہوئے پھر مکہ چلے آئے اور وہاں علم کی مسند لگائی ۱۹۵ھ میں دوبارہ عراق گئے اور پھر مصر چلے آئے یہاں آپ کا سب سے بڑا علمی حلقہ بنا اور یہیں آپ نے وفات پائی۔

مصر میں شیعہ حکومت کے قیام سے فقہ شافعی بہت پیچھے چلی گئی سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب مصر فتح کیا تو فقہ شافعی کو وہاں پھر سے فروغ ہوا شیخ ابن الرافعہؒ اور شیخ تقی الدین دقیق العیدؒ اور شیخ تقی الدین السبکیؒ نے مصر میں اور امام محی الدین نوویؒ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ نے شام میں فقہ شافعی کو بہت فروغ دیا۔ ترکی، ہندوستان، افغانستان اور سکندری کے علاقوں اور لنکا میں ان کے پیرو بہت کم جاسکتے ہیں۔

## امام شافعیؒ کے بعض ممتاز تلامذہ

۱۔ اشہب بن قاسم (ھ) ۲۔ ابن المواز (ھ)

۳۔ ابوابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی (۲۶۴ھ)

۴۔ابو یعقوب شیخ یوسف بن یحییٰ البواطی المصری (۲۳۱ھ)

یہ امام شافعیؒ کے جانشین ہوئے قاضی مصر امام ابن ابی للیثؒ نے ان کی سخت مخالفت کی۔

۵۔حرملہ بن یحییٰؒ (۲۶۶ھ) مصر میں

## تیسری صدی کے مرکزی شافعی فقہاء

۱۔حسن بن محمد زعفرانیؒ (۲۶۰ھ)

۲۔اسماعیل بن یحییٰ ابو ابراہیم المزنیؒ (۲۶۴ھ) یہ امام طحاوی کے ماموں تھے

۳۔شیخ ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار مرادیؒ (۲۷۰ھ)

۴۔موسیٰ بن اسحٰق القاضیؒ (۲۹۷ھ)

۵۔امام نسائیؒ (۳۰۳ھ)

۶۔عباسی خلیفہ جعفر بن معتصم (۲۴۶ھ) یہ پہلے حکمران ہیں جنہوں نے شافعی مذہب قبول کیا۔

## چوتھی صدی کے نامور فقہاءِ شافعیہ

۱۔ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیادؒ (۳۲۴ھ)

عراق میں یہ شافعی حضرات کے قائد تھے ان کے بعد ابوبکر محمد بن عبداللہ (۳۵۴ھ) وہاں ان کا مرکز بنے۔

۲۔یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنیؒ (۳۱۶ھ)

هو اول من ادخل كتب الشافعي ومذهبه الاسفرائن.

(تذکرہ جلد ۳)

۳۔محمد بن یوسفؒ (۳۳۰ھ)

۴۔امام ابوالعباس بن القاصؒ (۳۳۵ھ)

۵۔ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہؒ (۳۷۵ھ)

۶۔امام ابوعبداللہ الحسین بن حسن الحلیمیؒ (۴۰۳ھ)

یہ اپنے حلقہ میں رئیس اہلحدیث سمجھے جاتے تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں

المحدیث سے مراد غیر مقلدین نہ ہوتے تھے علامہ حلیمی شافعی المسلک تھے۔

## پانچویں صدی کے نامور فقہاء شافعیہ

۱۔امام ابوبکر احمد بن محمد البرقائیؒ (۴۳۵ھ)

۲۔ابوالقاسم ہبۃ اللہ اللکائیؒ (۴۱۸ھ)

۳۔ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (۴۵۸ھ)

## چھٹی صدی کے نامور شافعی حضرات

۱۔امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغویؒ (۵۱۶ھ) صاحب تفسیر معالم التنزیل وشرح السنۃ

۲۔امام ابن عساکر ابوالقاسم علی بن الحسینؒ (۵۷۱ھ)

۳۔ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمیؒ (۵۸۴ھ) صاحب کتاب الاعتبار فی الناسخ المنسوخ من الآثار

۴۔امام ربیعۃ الحسنؒ (۶۰۹ھ)

## ساتویں صدی کے نامور شافعی حضرات

۱۔امام تقی الدین اسماعیل بن عبد اللہ الحاطمیؒ (۶۱۹ھ)

۲۔امام ابن الصلاح (۶۴۳ھ) صاحب مقدمہ ابن الصلاح

۳۔ابوشامہؒ (۶۵۵ھ) عبدالرحمٰن بن اسماعیل

۴۔شرف الدین النابلسیؒ (۶۷۰ھ)

۵۔امام یحیٰی بن شرف النوویؒ (۶۷۶ھ) صاحب شرح المذہب وشرح صحیح مسلم

۶۔امام محب الدین الطبریؒ (۶۵۵ھ)

۷۔علی بن عبدالکافیؒ (۶۷۲ھ) صاحب شفاء السقام

۸۔جمال الدین المزیؒ (۶۴۲ھ) صاحب تہذیب الکمال

۹۔شہاب الدین ابن الفرجؒ (۶۹۹ھ)

۱۰۔ابن دقیق العید ابوالفتح محمد بن علیؒ (۷۰۳ھ)

۱۱۔شرف الدین الدیباطیؒ (۷۰۵ھ)

امام شافعیؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اتصال سند پر زور دیا آپ سے پہلے اعتماد

کا دور تھا اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہاں مرسل روایات حجت سمجھی جاتی تھیں۔ امام شافعیؒ نے اختلاف الحدیث میں صحت سند اتصال روات اور رفع حدیث پر بہت زور دیا ہے تاہم اپنے آخری دور میں آپ کو بھی اعتماد سے کام لینا پڑا۔

تراویح کی رکعات کتنی ہیں؟ آپ کو اس میں کوئی صحیح حدیث نہ ملی تو آپ نے تعامل امت کو اپنے لیے سند بنایا امام ترمذیؒ آپؒ سے نقل کرتے ہیں:۔

وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة. (جامع ترمذی جلد ۱، ص ۱۳۹)

ترجمہ: اور امام شافعیؒ نے کہا اور اسی طرح پایا ہم نے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی۔

اس سے فقہ شافعی کا مزاج سمجھنے میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔

## اسلام کی چوتھی متداول فقہ (حنبلی فقہ)

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) چوتھے امام مجتہد ہیں جو مجتہد مطلق کا درجہ رکھتے تھے ان کے بعد ائمہ اربعہ کے اصولوں پر چلنے والے مجتہدین تو بے شک بہت آئے لیکن مجتہد مطلق کے درجہ میں کوئی عالم آپ کے بعد نہیں دیکھا گیا سعودی عرب کے علماء زیادہ تر انہی کے مقلد ہیں۔

آپ بغداد میں پیدا ہوئے آپ نے بصرہ شام عراق اور حجاز کے سفر کیے امام ابویوسفؒ امام محمدؒ امام زفرؒ امام شافعیؒ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں امام بخاریؒ امام مسلمؒ اور امام ابوداؤدؒ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں آپ کے عہد میں خلیفہ مامون الرشید نے خلق قرآن کا مسئلہ کھڑا کیا آپ نے اس میں ثابت قدمی دکھائی اور برملا کہا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یہ مخلوق نہیں اس کی صفت ہے اس سے آپ امام اہلسنت والجماعت کے لقب سے معروف ہوئے۔

فقہ میں آپ کے طریقے کے بڑے علمبردار اٹھے اورانہوں نے فقہ حنبلی کی تاسیس کی ان میں سرفہرست امام ابراہیم ابن الحربیؒ ہیں امام کا اپنا دور تیسری صدی کا نصف اول ہے دوسرے نمبر پرامام ابوبکر بن محمد الاثرمؒ (۲۶۰ھ) فقہ حنبلی کے موسس رہے۔

## تیسری صدی کے حنبلی فقہاء

۱۔امام اسحق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ)

فقہ حنفی اور فقہ حنبلی میں بہت سے متقارب مسائل ہیں جن کی وجہ سے بعض علماء نے انہیں حنفی مسلک کے قریب لکھا ہے۔ یہ مجتہد بھی تھے اور ان کا اجتہاد حضرت امام احمدؒ سے بہت متوارد رہا۔

۲۔امام ابوبکر بن محمد الاثرمؒ (۲۶۰ھ)

۳۔ابوالحسن عبدالملک بن المیمونؒ (۲۷۴ھ)

۴۔ابوبکر احمد بن محمد المروزیؒ (۲۷۵ھ)

۵۔حرب بن اسماعیل الکرمانیؒ (۲۸۰ھ)

۶۔امام ابوبکر احمد الہذ لیؒ (۳۱۱ھ)

## چوتھی صدی کے نامور حنبلی فقہاء

۱۔امام ابوالقاسم عمرو بن الحسین البغدادی الخرقیؒ (۳۳۴ھ)

۲۔ابوسعید مبارک بن علی مخرومیؒ (ھ)

۳۔محمد بن حسن ابوغالب باقلانیؒ (۴۰۳ھ)

۴۔ابوالحسن محمد بن قاضی ابویعلی (ھ)

۵۔محمد بن حسین بن فراء الحنبلیؒ (ھ)

## چھٹی صدی کے نامور حنبلی فقہاء

۱۔شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ)

۲۔امام عبدالغنی بن عبدالواحدؒ (ھ)

۳۔امام عبدالرزاق جیلانیؒ (۶۰۳ھ)

## ساتویں صدی کے نامور حنبلی فقہاء

۱۔ابن الحصرمی نصر بن ابی الفرجؒ (۶۱۹ھ)

۲۔امام عبدالقادر بن عبداللہؒ (۶۱۲ھ)

۳۔عزالدین ابوالفتحؒ (۶۱۳ھ)

۴۔موفق الدین بن قدامہؒ (۶۲۰ھ)

۵۔بہاؤ الدین ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابراہیم المقدسیؒ (۶۲۴ھ)

۶۔ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد الضیاء المقدسیؒ (۶۴۳ھ)

۷۔جمال الدین عبداللہ بن حافظ عبدالغنیؒ (۶۲۹ھ)

۸۔امام بن نقطہؒ (۶۲۹ھ)

۹۔امام یونینی ابوعبداللہ محمد بن ابی الحسینؒ (۶۵۸ھ)

۱۰۔شیخ شمس الدین یوسف سبط الجوزیؒ (۶۵۴ھ)

حافظ ابن بن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) نے طبقات الحنابلہ میں حنبلی فقہاء طبقہ وار بیان کیے ہیں آٹھویں صدی کے علماء حنابلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) سرفہرست ہیں۔

فقہ حنبلی میں شیخ الاسلام موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد قدامہؒ (۶۲۰ھ) کی کتاب العمدہ اور المغنی مرکزی کتابیں سمجھی گئی ہیں۔ مغنی بن قدامہ، امام ابوالقاسم عمرو بن الحسن الخرقی کی المختصر کی دس ضخیم جلدوں میں شرح ہے۔

کتاب العمدہ پر بہاؤ الدین ابومحمد عبدالرحمٰن المقدسیؒ (۶۲۴ھ) نے العدہ کے نام سے عظیم شرح لکھی ہے حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ شام میں امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) کے بعد شیخ موفق الدین ابن قدامہؒ جیسا بلند پایہ فقیہ نہیں ہوا۔

## فقہ حنبلی کے مسائل کی ایک جھلک

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) العمدۃ باب صفۃ الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔

ویرفع یدیه عند ابتداء التکبیر الی حذو منکبیه اوالی فروع اذنیه ویجعلهما تحت السرة ثم یقرأ الفا تحة ولا صلوة لمن لم یقرأ بها الا الماموم فان قراۃ الامام له قراۃ.

(العدۃ شرح العمدۃ ص ۷۵)

ترجمہ: اور ابتداء تکبیر میں اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر یا کانوں کی لو کے برابر اٹھائے اور انہیں ناف کے نیچے باندھے پھر سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس شخص کی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے نماز نہیں ہوتی ماسوائے

مقتدی کے کیونکہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔

گویا مقتدی نے بھی سورۃ فاتحہ پڑھ لی ہے گو حکما، لفظا سورۃ فاتحہ پڑھنے والا امام ہی ہے شیخ بہاؤ الدین ابو محمد عبدالرحمٰن المقدسیؒ الا الماموم کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

لقوله سبحانه و اذا قرئ القران فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون وروى الامام احمد عن وكيع عن سفيان عن موسى بن ابى عائشة عن عبدالله بن شداد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له امام فقرأة الامام له قراة وروى الخلال والدار قطنى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال يكفيك قراة الامام خف اوجهر ولانّ القرأة لوكانت واجبة عليه لم تسقط عن المسبوق كبقية اركانها.

(العدۃ شرح العمدۃ ص۷۵)

ترجمہ: مقتدی امام کے پیچھے (جہری نماز میں) سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اللہ تعالٰی کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور خود چپ رہو تا کہ تم پر رحم ہو امام احمد اپنی سند سے عبداللہ بن شداد سے مرسلا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا امام ہو تو امام کا پڑھنا مقتدی کا بھی پڑھنا ہے اور خلال اور دار قطنی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ تجھے امام کا پڑھنا کافی ہے نماز سری ہو (ظہر وعصر) یا جہری قرأت اگر مقتدی پر واجب ہوتی تو جماعت میں بعد آ کر ملنے سے اس سے یہ ساقط نہ ہوتی جیسے اور ارکان اس کے ذمہ سے نہیں اترے۔

المختصر للخرقی (۳۳۴ھ) فقہ حنبلی کا پرانا متن ہے اس میں بھی ہے کہ:۔

والماموم اذا سمع قراة الامام فلا يقرا بالحمد ولا بغيرها يقول الله تعالىٰ واذا قرى القران فاستمعو اله وانصتوا لعلكم ترحمون ولماروى ابوهريرة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال مالى انازع القران قال فانتهى الناس يقرء وا فيها

جهر فيه النبي. (المختصر ص ۵۶۲)

ترجمہ: اور مقتدی جب قرأت سنے تو نہ سورت فاتحہ پڑھے نہ اگلی سورت کیونکہ خدا کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خود چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں یہ کھچاؤ کیوں؟ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرآن پڑھنے سے رک گئے ان نمازوں میں جن میں قرأت بالجہر ہوتی ہے۔

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

قال احمد ما سمعنا احدا من اهل الاسلام يقول ان الامام اذا اجهر بالقراة لاتجزى صلوة من خلفه اذالم يقرأ وقال هذا النبى واصحابه والتابعون وهذا مالك فى اهل الحجاز وهذاالثورى فى اهل العراق وهذا الا وزاعى فى اهل الشام وهذااللیث فى اهل مصرما قالوا صلى الرجل وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلاته باطلة. (المغنی جلد۱، ص ۵۶۴)

ترجمہ: امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ امام جب اونچی آواز سے پڑھے تو مقتدی اگر پیچھے نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ ہیں یہ تابعین ہیں حجاز میں یہ امام مالکؒ ہیں، عراق میں سفیان الثوریؒ ہیں، شام میں اوزاعیؒ ہیں، مصر میں لیث بن سعدؒ ہیں ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اگر کسی نے نماز پڑھی اور اس نے امام کے پیچھے قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھا تو اس کی نماز باطل ہے۔

حضرت امام احمدؒ امام شافعیؒ کے شاگرد رشید ہیں معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ نے ان سے بھی اس کے خلاف نہ سنا ہوگا نہ ان کے شاگرد امام بخاریؒ نے کبھی استاد کے سامنے یہ کہنے کی ہمت کی ہوگی کہ حدیث ”لاصلوة لمن يقرء بام القران“ مقتدی کو بھی شامل

ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء حنابلہ حدیث عبادہ بن صامت لاصلوۃ لمن لم (الحدیث) کے بارے میں وہی کہتے ہیں جوامام احمد بن حنبلؒ نے کہا ہے۔

حافظ ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) کہتے ہیں:۔

فامّا حدیث عبادة الصحیح فهو محمول علی غیر المأموم.
(المغنی جلد۱، ص۵۶۴)

ترجمہ: یہ جو حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے لاصلوۃ لمن لم یقرأ بام القران سو وہ مقتدی کے سوا دوسری صورتوں (منفرد ہو یا امام) پرمحمول ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ نے بھی حضرت امام احمدؒ سے اس حدیث کی یہی تشریح نقل کی ہے:۔

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی الله علیه وسلم لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب اذاکان وحده.
(المغنی جلد۱، ص۵۶۴)

فقہ حنبلی میں دار قطنی کے حوالے سے یہ حدیث بھی درج ہے:۔

صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوة فلما قضاهاقال هل قرأ احد منکم بشئی من القران؟ قال رجل من القوم انایارسول الله فقال فانی اقول مالی انازع القران؟ اذا اسررت بقرائتی فاقرؤا واذا جهرت بقرائتی فلایقران معی احدٌ. (المغنی جلد۱، ص۵۶۴)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) نماز پڑھائی جب نماز پوری کرلی تو پوچھا کیاتم نے (میرے پیچھے) قرآن کا کوئی حصہ (سورت فاتحہ یا کوئی اور سورت) پڑھا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں نے پڑھا ہے آپ نے ارشاد فرمایا میں کہہ رہا تھا (کلام نفسی میں نہ لفظی میں) میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں منازعت کیوں کی جا رہی ہے؟ میں جب قرأت آہستہ کروں تو پڑھ لیا کرو اور جب بلند

آواز سے پڑھوں تو ہرگز میرے ساتھ کوئی شخص قرآن نہ پڑھے۔

یاد رہے کہ آہستہ پڑھنے کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا کہ یہاں پڑھنا ضرور ہے اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔

مذکور بالا تفصیلات سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ فقہ حنبلی قرأت خلف الامام کے بارے میں فقہ حنفی کے بہت قریب ہے۔

فقہ حنبلی کا ایک اور مسئلہ ملاحظہ کیجیے نماز میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں اس کے بارے میں فقہ حنبلی کی تصریح دیکھیں المختصر الخرقی (۳۳۴ھ) فقہ حنبلی کا پرانا متن ہے اس میں ہے:۔

ثم یضع یدہ الیمنیٰ علی کوعہ الیسری ویجعلہما تحت سرتہ. (شرح مختصر الخرقی جلد۱، ص۴۷۲)

ترجمہ: پھر اپنا دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے پہنچے پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھے۔

تراویح کے بارے میں فقہ حنبلی کا موقف کیا ہے؟ اسے بھی حافظ ابن قدامہؒ سے سنتے چلیں:۔

التراویح وھی عشرون رکعة بعد العشاء فی رمضان.

(العمدہ ص۹۰)

ترجمہ: تراویح بیس رکعات ہیں جو رمضان میں بعد نماز عشاء پڑھی جاتی ہیں۔

العمدہ کے شارح علامہ بہاؤالدین ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابراہیم المقدسی لکھتے ہیں:۔

قال السائب بن زید لماجمع عمر الناس علی ابی بن کعب کان یصلی بھم عشرین رکعة والسنة فعلھا جماعة کذلک اخرجه البخاری. (العدہ بشرح العمدۃ ص۹۰)

ترجمہ: سائب بن زید کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو (تراویح کے لیے) حضرت ابی بن کعبؓ پر جمع کر دیا تو وہ انہیں بیس رکعات پڑھاتے تھے اور سنت یہ ہے کہ تراویح جماعت سے ہو۔

یہ فقہ حنبلی کی چند جھلکیاں ہیں آپ دیکھیں گے کہ نماز کے مسائل مشہورہ اختلافیہ میں حضرت امام احمدؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے کتنے قریب ہیں۔ جو لوگ فقہ حنفی پر قلت حدیث کا الزام لگاتے نہیں تھکتے کیا وہ امام بخاریؒ کے استاد حضرت امام احمدؒ پر بھی قلت حدیث کا الزام لگانے کی بھی ہمت کریں گے؟ اگر نہیں تو انہیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعی امام احمد (رحمہم اللہ اجمعین) میں سے جب تین اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث لاصلوۃ لمن لم یقرأ بام القران مقتدی کو شامل نہیں تو پھر اس مسئلہ میں تشدد اختیار کرنا ہرگز جمہور امت کا موقف نہیں جو حضرات اس حدیث کو مقتدی پر بھی لاگو کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ امام بخاریؒ کے شاگرد امام ترمذیؒ نے صریح لفظوں میں اسے شدت قرار دیا۔

> وشدد قوم من اهل العلم فی ترک قرأة فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام فقالو الا تجزی صلوة الا بقرأة فاتحة الکتاب وحده کان او خلف الامام۔

(جامع ترمذی جلد ۱، ص ۴۲)

> ترجمہ: بعض اہل علم نے نماز میں سورۃ فاتحہ چھوڑنے میں بہت تشدد سے کام لیا ہے گو وہ امام کے پیچھے کیوں نہ ہو انہوں نے کہا ہے کہ نمازی اکیلا ہو یا امام کے پیچھے جب تک سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہیں ہوتی۔

اس وقت ہمارا مقصد ان مسائل مشہورہ اختلافیہ کی چھان بین نہیں ہم صرف اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ وہ محدثین جن کی علمی اور محدثانہ شان کسی کے ہاں بھی متنازعہ فیہ نہیں نماز کے مسائل مشہورہ میں وہ بھی فقہ حنفی کے بہت قریب ہیں فقہ حنبلی اور فقہ حنفی دونوں میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض نہیں۔

## • سعودی علماء پر غیر مقلد ہونے کا غلط الزام

سعودی علماء زیادہ تر فقہ حنبلی کے پیرو ہیں وہ ہرگز غیر مقلد نہیں نہ وہاں اہلحدیث کے نام سے آپ کو کوئی مذہبی تنظیم ملے گی۔ غیر مقلد لوگ جو برصغیر پاک و ہند میں اہلحدیث

کہلاتے ہیں سعودی عرب جا کر وہ بھی سلفی بن جاتے ہیں اہلحدیث کہلا کر انہیں اپنا مستقبل وہاں تاریک نظر آتا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدے کے تھے وہ برملا کہتے تھے ہم ائمہ اربعہ کے مقلدین میں سے کسی پر انکار نہیں کرتے اور ہم ائمہ اربعہ کے اختلاف کوامت کے لیے ہرگز کوئی مصیبت نہیں سمجھتے رحمت سمجھتے ہیں وہ شخص مفتری ہے جو اس کے خلاف کوئی بات ہماری طرف منسوب کرے آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

ان الرجل افترى عليّ امورالم اقلها ولم يأت اكثر ها على بالي (فمنها) قوله انى مبطل كتب المذاهب الاربعة وانى اقول ان الناس من ست مائة سنة ليسوا على شئ وانى ادعى الاجتهاد وانى خارج عن التقليد وانى اقول ان اختلاف العلماء نقمة وانى اكفر من توسل بالصالحين.

(مؤلفات الشیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ جلد ۱۱، ص ۱۲، ص ۶۴ مطابع الریاض)

ترجمہ: اس شخص نے مجھ پر بہتانات باندھے ہیں جن میں سے کوئی بات میں نے نہیں کہی، نہ ان کی مجھ پر کوئی ذمہ داری آتی ہے، ان میں سے ایک یہ افتراء ہے کہ میں مذاہب اربعہ کی کتابوں کو غلط ٹھہراتا ہوں دوسرے یہ کہ میں کہتا ہوں لوگ چھ سو سال سے راہ مستقیم چھوڑے ہوئے ہیں۔ (تقلید پر قانع ہو گئے ہیں) اور یہ کہ میں مجتہد ہونے کا مدعی ہوں (خود اجتہاد کرتا ہوں) اور یہ کہ میں تقلید چھوڑے ہوئے ہوں اور یہ کہ میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اختلاف موجب مصیبت ہے اور یہ کہ جو صالحین امت سے توسل کریں میں انہیں کافر سمجھتا ہوں۔

اس میں یہ تصریح ہے کہ فقہاء کے اختلاف کو مصیبت کہنا جیسا کہ آج کل کے غیر مقلد کہتے ہیں کہ امت کا یہ سارا انتشار مذاہب اربعہ کی وجہ سے ہے ہرگز اہل حق کا موقف نہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ نے اسے ایک افتراء اور بہتان سے زیادہ وقعت نہیں دی ان اختلاف العلماء نقمة کبھی اہل حق کا عقیدہ نہیں ہوسکتا۔

## اسلاف امت کیا صرف صحابہ وتابعین ہیں یا ائمہ اربعہ بھی

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے سلف صالحین کی تشریح بھی ساتھ ہی کر دی ہے:۔

نشهدان رسول الله صلى الله عليه وسلم الشافع المشفع صاحب المقام المحمود نسال الله الكريم رب العرش العظيم ان يشفعه فينا ويحشرنا تحت لوائه هذا اعتقا دنا وهذاالذى مضى عليه السلف الصالح من المهاجرين والانصار والتا بعين والتابع التابعين والائمة الاربعة رضى الله عنهم اجمعين وهم احب الناس لنبيهم واعظمهم فى اتباعه وشرعه. (ایضاً ص۳۹)

ترجمہ: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی آپؐ صاحب مقام محمود ہیں ہم اللہ کریم جو عرش عظیم کا رب ہے سے استدعا کرتے ہیں کہ حضور کو ہمار شافع ٹھہرائے اور ہمیں آپ کے جھنڈے تلے اٹھائے یہی ہمارا اعتقاد ہے اور یہی وہ عقیدہ ہے جس پر سلف صالحین گزرے ہیں جو مہاجرین وانصار صحابہ کرامؓ تابعین تبع تابعین اور ائمہ اربعہ تھے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا یہ حضرات اپنے نبی کی سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے اور آپ کی اتباع میں اور آپ کی لائن میں سب سے آگے چلنے والے تھے۔

پھر آپ نے یمن کے والی الکبلی کو خط لکھا اس میں بھی آپ لکھتے ہیں:۔

واما ها ذكرتم من حقيقة الا جتهاد فنحن مقلدو الكتاب والسنة وصالح سلف الامة وما عليه الاعتماد من اقوال الائمة الا ربعة ابى حنيفة النعمان بن ثابت ومالك بن انس ومحمد بن ادريس واحمد بن حنبل. (ایضاً ص۹۶)

ترجمہ: اور آپ نے جو اجتہاد کا ذکر کیا ہے سو معلوم رہے کہ ہم مقلد ہیں کتاب و سنت کے اور سلف صالح امت کے اور ائمہ اربعہ کے اقوال کے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے ان کی بات اعتماداً مانی جاتی ہے (ان سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا) اور وہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہیں۔

## اعتماد کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

جن مسائل میں قرآن وحدیث کی صریح رہنمائی موجود ہو ان میں کسی پر اعتماد کی ضرورت نہیں ہوتی قرآن وحدیث کی نصوص ہوتے ہوئے کسی کی پیروی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جب کوئی مسئلہ واضح طور پر قرآن وسنت سے نہ ملے اس میں اجتہاد درکار ہو اور انسان اپنے میں اجتہاد کی شرطیں نہ پائے تب وہ کسی مجتہد پر اعتماد کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

سعودی عرب کی وزارت اسلامی امور کے شعبہ مطبوعات ونشر نے امام موفق الدین ابن قدامہ الدمشقی المقدسیؒ (۶۲۰ھ) کا ایک رسالہ لمعتہ الاعتقاد جناب عبدالقادر ارناوؤط کی تحقیق وتعلیق سے ۱۴۱۹ھ میں شائع کیا ہے اس میں گمراہ فرقوں کی ایک یہ فہرست پیش کی ہے۔

مثلاً رافضہ جہمیہ خوارج قدریہ مرجۂ معتزلہ کرامیہ اور کلابیہ وغیرہ سب کے سب گمراہ اور بدعتی فرقے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب سے ہم کو بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ (رسالہ لمعتہ الاعتقاد ص ۸۱)

دیکھئے آپ نے اس میں کہیں احناف وموالک اور شوافع وحنابلہ کو ذکر نہیں کیا اور نہ کوئی نیک نصیب ان کو بدنصیب کہہ سکتا ہے ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:۔

فروعی مسائل میں کسی امام کی طرف نسبت کرنا مثلاً چاروں فقہی مذاہب کسی کی طرف منسوب ہونا (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہلانا) ہرگز مذموم نہیں ہے کیونکہ فروعی مسائل میں اختلاف رحمت ہے اور مجتہدین اختلاف میں بھی لائق تعریف ہیں اور اجتہاد کرنے پر ثواب کے مستحق ہیں۔

غیر مقلدین جہاں بھی ان کا بس چلے فقہی اختلافات اور فقہی مذاہب کے قائم

ہوجانے کی مذمت کرتے ہیں سووہ غلطی پر ہیں اور مذمت کے مستحق ہیں جناب عبدالقادر ارناؤوط لمعتہ الاعتقاد کی مذکورہ عبارت پر لکھتے ہیں:۔

اس جگہ (فقہی) اختلاف کی مذمت کی نفی مراد ہے کیونکہ ائمہ نے اجتہاد کیا ہے۔
(ایضاً ص۸۲)

اگر ہندوستان اور پاکستان کے اہلحدیث (باصطلاح جدید) سعودی عرب کی اس پالیسی کو دل سے قبول کریں اور مذاہب اربعہ کی مذمت کرنا چھوڑ دیں اور اس اختلاف کو کبھی امت میں انتشار کا سبب نہ کہیں تو پاک وہند میں بھی فقہی اختلافات کے باوجود اتحاد وتالیف کی وہ فضا بآسانی قائم ہوسکتی ہے جو سعودی عرب میں ہے۔

افسوس کہ اہلحدیث حضرات وہاں جاکر اپنے کو غیر مقلد ظاہر نہیں کرتے اپنے کو سلفی کہہ کر ان حضرات علماء کو مغالطہ دیتے ہیں اور خود یہ سلف کی تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اپنے فقہی مسلک میں حنبلی تھے اور مقلد تھے وہ اپنے مقلد ہونے کو عیب نہ سمجھتے تھے یہ تقلید کتاب وسنت کے مقابل کوئی چیز نہیں یہ قرآن وحدیث کے ماتحت ہے اور اس کا موضوع صرف غیر منصوص مسائل ہیں یا منصوص مسائل کے ظاہری تعارض کو اٹھانا اور ناسخ ومنسوخ عام وخاص اور مجمل ومفسر کو سلجھانا اور انہیں تعامل امت کی روشنی میں ایک وسیع شاہراہ عمل سمجھنا۔

## حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے؟

حدیث اور سنت میں وہی فرق ہے جو سننے اور سمجھنے میں ہے حدیث سن کر بھی معلوم ہو جاتی ہے مگر سنت بلا سمجھے کسی کو معلوم نہیں ہوسکتی جس طرح سمجھنا سننے کے آگے کا درجہ ہے سنت بھی حدیث کے آگے کا درجہ ہے یہ وہ باریک فرق ہے جس کے باعث اہل حق شیعہ وخوارج اور معتزلہ وکرامیہ کے بالمقابل اہل سنت کہلائے اور اہل حدیث ہونے کی ادا کسی نے قبول نہ کی۔

اب آیئے آپ کو پانچویں فقہ میں لے چلیں جو پانچویں فقہ کے نام سے موسوم ہے یہ حقیقت میں حضرت امام جعفر صادقؒ کی ترتیب وتدوین نہیں ان کے نام سے لوگوں نے کچھ رسالے لکھے اور ان کی طرف منسوب کردیئے حضرت امام جعفر صادقؒ سنی العقیدہ تھے وہ شیعہ نہ تھے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اس فقہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

**ومن اکاذیبھم وزعمھم ان ھذہ الرسائل من کلام جعفر بن محمد الصادق والعلماء یعلمون انھا انما وضعت لجز المائة الثالثة زمان بناء القاھرة.** (فتاوی ابن تیمیہ جلد ۲۵، ص ۱۳۴)

ترجمہ: ان کے جھوٹوں اور گمان میں سے ہے کہ یہ رسائل حضرت جعفر صادقؒ کے لکھے ہیں اور علماء جانتے ہیں کہ یہ تیسری صدی میں جب قاہرہ بسایا گیا اس وقت کے وضع کردہ ہیں۔

## ایک پانچویں فقہ کا تعارف (فقہ جعفری)

یہ فقہ اس نام (فقہ جعفری) سے سامنے آرہی ہے قبل اس کے کہ فقہ جعفری کی چند جھلکیاں آپ کے سامنے آئیں پہلے یہ معلوم کرلینا چاہیے کہ:

۱۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کون تھے ان کا تعارف کیا ہے۔

۲۔ ان کے نام پر جو فقہ بنائی گئی ہے کیا دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اس کا کہیں نام سنا گیا تھا؟

۳۔ اثنا عشری شیعوں نے اس نام سے جو فقہ بنائی ہے اس کی اہم کتابوں کے نام کیا ہیں؟

اس کے بعد آپ کو فقہ جعفری کے چند مسائل یہاں بطور نمونہ بتائے جائیں گے ان سے اس تحریک کی غرض وغایت بھی واضح ہو جائے گی۔

حضرت امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) ائمہ اہل السنہ والجماعة میں سے ہیں آپ امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ) کے بیٹے اور امام زین العابدینؒ (۹۴ھ) کے پوتے ہیں اہل السنة والجماعة جس طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنا خلیفہ چہارم سمجھتے ہیں اسی طرح حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بھی وہ اپنے بزرگوں میں سے سمجھتے ہیں اور انہیں سنی العقیدہ جانتے ہیں۔

اب ہم صرف حضرت حسینؓ کے بیٹے امام زین العابدینؒ کا تعارف اہل السنة والجماعة کی کتب رجال سے پیش کرتے ہیں اس وقت تک اثنا عشری عقیدہ قائم نہ ہوا تھا۔

### امام زین العابدینؒ (۹۴ھ)

آپ کا نام علی کنیت ابو الحسن اور لقب زین العابدینؒ ہے آپ نے اپنے والد

حضرت حسینؓ اور تایا حضرت حسنؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ، ام المومنین حضرت سلمہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت مسور بن مخرمہؓ اور دیگر بہت سے صحابہؓ سے علم حاصل کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

آپ علم حدیث میں امتیازی شان رکھتے تھے علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے:۔

کان ثقة ماموناً کثیر الحدیث عالیة رفیعا.

(طبقات ابن سعد جلد۵، ص۱۶۴)

ترجمہ: آپ روایت میں ثقہ ہیں آپ پر کسی نے جرح نہیں کی بڑے محدث ہیں اوراونچے مرتبہ کے ہیں۔

آپؒ سے آپ کے بیٹوںؒ زید بن اسلمؒ عاصم بن عمرؒ، عاصم بن عبیداللہؒ، طاؤس بن کیسانؒ، امام زہریؒ، یحییٰ بن سعید انصاریؒ، ہشام بن عروہؒ، ابوالزنادؒ اور دوسرے کئی لوگوں نے روایت لی ہے۔ (تذکرہ جلد۱، تہذیب التہذیب جلد۷، ص۳۰۵)

فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے علی بن حسینؒ سے زیادہ کس کو فقہ جاننے والا نہیں پایا۔

(دیکھیے اعلام الموقعین جلد۱، ص۲۶)

آپ کے فقہی کمال کی بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور سات فقہاء کے بعد آپ ہی کا نمبر آتا ہے۔

آپ کی صحابہ کرامؓ کی شاگردی بتلاتی ہے کہ آپ سراپا سنی العقید تھے ورنہ آپ حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد بنتے نہ ان سے روایت لیتے۔ صحاح ستہ کی کتاب سنن نسائی کی ایک سند ملاحظہ فرمایئے آپ حضرت زینبؓ سے روایت کرتے ہیں اوروہ ام المومنین حضرت سلمہؓ سے آنحضرتؐ کی حدیث روایت کرتی ہیں:۔

اخبرنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحی عن جعفر بن محمد عن ابیه عن علی بن الحسین عن زینب بنت ام سلمة عن ام سلمه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اکل کتفا الحدیث. (سنن نسائی جلد۱، ص۴۰)

جامع ترمذی کی ایک یہ سند ملاحظہ ہو اس میں آپ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے

روایت کرتے ہیں:۔

**حدثنا علی بن حجر قال حدثنا اسمعیل بن جعفر قال حدثنا جعفر بن محمد عن ابیه عن جابر.** (جامع ترمذی جلد۱،ص۱۶۰)

**وهکذا روی سفیان الثوری عن جعفر بن محمد عن ابیه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم.**

اس تفصیل سے یہ بات اور کھل جاتی ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب حدیث میں ائمہ اہل بیت کی روایات اسی طرح ملتی ہیں جس طرح ان کے اپنے دوسرے محدثین کی اور ان کے دلوں میں ان حضرات کی طرف سے کسی قسم کا کوئی بوجھ نہ تھا۔

## حضرت امام محمد باقرؒ (۱۱۴ھ)

آپ کا نام محمد کنیت ابوجعفر اور لقب باقر ہے علم حدیث میں آپ کا مقام کیا تھا؟ اسے علامہ ابن سعدؒ سے سنیے:۔

**کان ثقة کثیر الحدیث والعلم.** (طبقات ابن سعد جلد۵،ص۱۳۸)

عربی میں باقر بہت وسیع علم والے کو کہتے ہیں۔

آپ مدینہ منورہ کے چوٹی کے علماء میں سے تھے آپ نے اپنے والد علی بن حسینؓ کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور کئی دوسرے حضرات سے اکتساب علم کیا آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو نہیں دیکھا لیکن ان سے ارسالاً روایت کرتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہؓ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے بھی مرسلا روایت کرتے تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد۱،ص، طبقات ابن سعد جلد۵،ص۲۳۸)

امام ترمذیؒ نے آپ کا حضرت جابرؓ سے روایت کرنا اس طرح ذکر کیا ہے:۔

عن **جعفر بن محمد عن ابیه عن جابر** کی سند آپ ابھی دیکھ آئے ہیں۔

آپ سے آپ کے بیٹے امام جعفرؒ، امام زہریؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ، امام اعمشؒ، ابن جریجؒ، عمرو بن دینارؒ اور قرہ بن خالدؒ نے علم حاصل کیا اکابر تابعین میں سے بھی کئی آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ (تذکرہ جلد۱، تہذیب التہذیب جلد۹،ص۳۵۰)

آپ کو فقہ میں خاص دستگاہ حاصل تھی امام نوویؒ لکھتے ہیں آپ کا شمار مدینہ کے فقہاء اور ائمہ میں ہوتا تھا۔ (تہذیب الاسماء جلد۱، ص۸۷)

امام نسائی بھی آپ کو فقہاء میں شمار کرتے تھے۔ (تہذیب جلد۹، ص۳۵۰)

اب ظاہر ہے کہ امام نسائی کی مراد اس سے آپ کا سنی فقیہ ہونا ہے نہ کہ امام مامور من اللہ، سنن نسائی میں آپ کی اپنے نانا سے بھی روایت موجود ہے اس میں آپ کی روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مرسلا مروی ہے

## حضرت امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ)

مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں حضرت قاسم بن محمدؒ کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف نہیں آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور امام جعفر صادقؒ کے نانا تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کی جلالت علم مسلم ہے حدیث میں آپ کا مقام کیا تھا اسے حضرت علامہ ابن سعدؒ سے سنیے۔

**كان كثير الحديث. (ايضاً جلد۲، ص۱۰۳)**

آپ نے اپنے والد امام باقرؒ، حضرت عطاء بن ابی رباحؒ، حضرت عروہ بن الزبیرؒ، حضرت محمد بن منکدرؒ، حضرت نافعؒ، امام زہریؒ اور کئی دوسرے حضرات اکابر سے علم حاصل کیا امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، سفیان الثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، حاتم بن اسماعیلؒ، یحیٰ بن سعید القطانؒ اور ابو عاصم نبیلؒ آپ کے تلامذہ میں سے تھے امام شافعیؒ اور یحیٰ بن معینؒ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمدؒ سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔

(تہذیب جلد۱، ص۱۲۶، جلد۲، ص۱۰۳)

امام ترمذیؒ نے سفیان الثوریؒ کے واسطہ سے آپ روایت لی ہے:۔

**روى سفيان الثورى عن جعفر بن محمدعن ابيه.**

(جامع ترمذی جلد۱، ص۱۶۰)

امام ابوحنیفہؒ اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہے اپنے ماسوا کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔

حضرت امام زین العابدینؒ، امام جعفر صادقؒ، اکابر صحابہؓ سے کسب فیض کرنا

صاف بتلاتا ہے کہ یہ حضرات سنی العقیدہ تھے اگر حقیقت حال اس کے برعکس ہوتی تو یہ حضرات کبھی بھی ان اکابر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کرتے۔

سو حضرت امام جعفر صادقؓ کا علم آپ کے شاگردوں کے ذریعہ اہل سنت کے ذخائر حدیث و فقہ میں جذب ہو چکا ہے آپ نے کوئی علیحدہ فقہ تدوین نہیں کی اس وقت تک شیعہ مذہب وجود میں نہ آیا تھا اثنا عشری مذہب بارہویں امام کی پیدائش کے بعد بنا ہے بارہویں امام کی پیدائش شیعہ عقیدے میں ۲۵۴ھ بتائی جاتی ہے اس سے پہلے شیعہ کا لفظ صرف ایک سیاسی پارٹی کے طور پر معروف تھا عقیدہ شیعہ مذہب ابھی قائم نہ ہوا تھا۔

جس طرح حضرت علی المرتضیٰؓ کی شخصیت ایک عکس ثنی ہے (ایسی تصویر جس کے دو رخ ہوں Two gold picture) اہل سنت کے ہاں ان کا تعارف اور ہے اور اثنا عشری شیعوں کے ہاں اور، اسی طرح حضرت امام ابو جعفر صادقؓ کا تعارف بھی وہ مختلف انداز کا ہے آپ کی وفات کے تقریباً ایک صدی بعد آپ کے نام سے ایک فقہ کا آغاز ہوتا ہے اسے شیعہ حلقوں میں فقہ جعفری کا نام دیا جاتا ہے

## ائمہ اربعہ کی فقہ اور جعفری فقہ میں ایک جوہری فرق

فقہ کے سابق مباحث میں یہ بات بقدر مشترک ذہن میں ہو گی کہ فقہ مجتہدین کا موضوع ہے۔ وہ ان مسائل میں جن میں نص موجود نہیں اجتہاد کرتے ہیں اور پیش آمدہ حوادث میں یہ پچھلے مسائل کی روشنی میں قیاس اور رد النظیر الی النظیر سے کام لیتے ہیں ائمہ اربعہ چاروں مجتہدین تھے ان پر کسی کے لئے آسمانی علم کا دروازہ نہ کھلا تھا ان کے مجتہد فیہ مسائل میں صواب و خطاء دو احتمال پائے جاتے ہیں گو یہاں باب خطاء میں کوئی مؤاخذہ نہیں اہل السنۃ کے ہاں امام جعفر صادقؓ بھی اسی درجہ کے فقیہ تھے اور ان کے اجتہاد میں بھی صواب و خطا کا احتمال کارفرما تھا۔

لیکن شیعوں کے ہاں امام مامور من اللہ اور معصوم ہوتا ہے اسے غلطی نہیں لگتی وہ امام پر وحی باطنی آنے کے بھی قائل ہیں اس صورت میں ان کے پاس امام جعفرؓ کی جو باتیں پہنچیں گی وہ ان کے عقیدہ میں نصوص ہوں گی نہ کہ اجتہادات، احادیث ہوں گی نہ کہ فقہ۔
اس صورت حال میں فقہ جعفری کی اصطلاح پڑھے لکھے طبقے میں کافی حد تک

ناقابل فہم سمجھی جاتی ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ یہ وہ مسائل ہیں جو حضرت امام جعفرؒ کے نام شیعہ مجتہدین نے خود وضع کئے اور ترتیب دیئے ہیں تو بات کافی حد تک آسان ہو جاتی ہے۔

اسلام کی دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی تک فقہ جعفری کے عنوان سے اس فقہ کا تعارف نہ کہیں سنائی دیا گیا نہ کہیں دیکھا گیا۔

ہم اس وقت یہ بحث نہیں کرنا چاہتے کہ اس فقہ کی نسبت امام جعفرؒ کی طرف درست ہے یا نادرست نہ یہ اس وقت ہمارا موضوع ہے یہاں اتنی بات جان لینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ جس طرح ائمہ اربعہ کی فقہ میں صواب وخطا کے دو احتمال موجود ہوتے ہیں شیعہ فقہ میں تقیہ اور عدم تقیہ کے احتمالات ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ان دو کا فاصلہ صواب وخطا کے فاصلے سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔ صواب وخطا میں کسی فقیہ کی فقاہت مجروح نہیں ہوتی لیکن تقیہ کرنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صورت واقعہ سے کھلا تجاوز کر رہا ہے۔

## جعفری فقہ کی شیعی اعتماد کی کتابیں

۱۔ فروع کافی علامہ محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ)

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ لابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ)

۳۔ تہذیب الاحکام لمحمد بن حسن الطوسی (۴۶۰ھ)

۴۔ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار للطبسی

۵۔ جامع عباسی بست بابی بھی اسی فقہ کی کتاب ہے

۶۔ متاخرین میں فقہ جعفر الصادق چھ ضخیم جلدوں میں ایک قابل قدر ذخیرہ ہے۔

فقہ جعفری امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب ہے اس لیے اسے فقہ جعفری کہہ دیتے ہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں چونکہ ہر مکتب فکر کے طالب علم موجود ہوتے ہیں اس لیے درسی کتابوں میں اور امتحانی مطالعات میں اس فقہ کا کچھ مختصر مطالعہ ضروری ہے ہم اس کے چند مسائل یہاں درج کرتے ہیں۔

## وضو اور غسل کے مسائل

۱۔ فقہ جعفریہ میں وضو میں پاؤں نہ دھوئے جائیں ان پر مسح کیا جائے۔

۲۔ مذی اور ودی نکلنے سے ان کے ہاں وضو نہیں ٹوٹتا۔

۳۔مادہ بہہ کر ایڑیوں تک آجائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

۴۔ریح نکلنے میں آواز نہ دے نہ بو تو اس سے وضو نہ ٹوٹے گا۔

۵۔جانور سے محبت کرنے سے غسل فرض نہیں ہوتا۔

۱. ان سال من ذكرک شئ من مذی اوددی وانت فی الصلوة فلا تغسله ولاتقطع الصلوة ولا تنقض الوضوء وان بلغ عقيبک. (من لا تحضره الفقيه جلد)

۲. قال الامامية لاتنقض الوضوء الا اذا خرجت متلخطة بالعذره. (الفقه علی مذاهب الخمسه ص۳۰)

۳۔فلاينقض الوضوء الا ريح تسمعها اوتجد ريحها.

(وسائل الشيعه جلد)

۴۔فاما اذا ادخل ذكره فی فرج بهيمة اوحيوان اخرفلا نص عليه فينبغی ان يكون المذاهب الا يتعلق به غسل لعدم الدليل الشرعی عليه والاصل براة الذمة. (المبسوط جلد۱، ص۲۸)

## پاک اور ناپاک کی امتیازی حدود

۱۔پانی بڑے مٹکے کے برابر ہو تو چوپایوں کے پیشاب اور کتوں کے اس میں منہ مارنے اور جنابت سے اس میں غسل کرنے سے وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

۲۔گدھے کے گوشت اور گوبر سے بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

۳۔عن محمدبن مسلم قال سالت ابا عبد الله عليه السلام عن الماء الذی فيه بول الدواب وتلغ فيه الكلاب ويغتسل فيه الجنب قال اذا كان الماء قدر كرلم ينجس شئی.

مايكره لحمه فلاباس ببوله وروثه مثل البغال والحمير

## نماز اور زکوۃ کے مسائل

۱۔نماز میں ہاتھ نہ باندھیں چھوڑے رکھیں

۲۔سجدہ دری اور کارپٹ وغیرہ پر نہ ہو مٹی یا مٹی سے نکلی چیز پر ہو

۳۔نماز میں عورت بچے کو دودھ پلا سکتی ہے

۴۔خاوند نماز میں بیوی کو گلے لگا سکتا ہے

۵۔نماز جنازہ کے لیے طہارت اور ستر عورت شرط نہیں

۶۔جنبی (جس پر غسل فرض ہو) اذان دے سکتا ہے

۷۔میت کی دبر اور قبل کو روئی سے بند کر دو

۸۔شیعہ میت اکیلی ہو تو شیطان اسے نہیں چھوڑتا

۹۔زکوۃ حکومت کو نہیں دی جا سکتی یہ انفرادی عمل ہے

۱۰۔سونے چاندی کے زیورات پر زکوۃ نہیں ہے

عبداللہ بن جعفر نے موسیٰ بن جعفر سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا لاباس (کوئی حرج نہیں) (ایضاً ص ۲۷۳)

حضرت علی المرتضیٰؓ سے بیوی یا لونڈی کو نماز کے دوران گلے لگانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا لاباس (کوئی حرج نہیں) (ایضاً ص ۲۷۳)

لیست الطهارة ولا ستر العورة بشرط لصحة الجنازة.

(ایضاً ص ۸۰۰)

وضعه على فرجه قبل ودبر واحش القطن فى دبره لئلا يخرج منه شئى. (من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۱، ص ۹۲)

لا تدعن ميتک وحده فان الشيطان يعبث به جوفه.

(ایضاً ص ۸۶)

ولا باس ان يؤذن المؤذن وهو جنب. (ایضاً جلد ۱، ص ۸۸)

عن الرفاع قال سمعت ابا عبدالله عليه السلام وساله بعضهم عن الحلى فيه زكوة؟ فقال لاولوبلغ مائة الف.

(وسائل الشیعہ جلد ۶، ص ۱۰۵)

## روزہ اور حج کے مسائل

۱۔عورت سے خلاف وضع فطرت کرنے سے روزہ نہیں جاتا

۲۔حج میں عورت کے ساتھ محرم ہونا ضروری نہیں وہ اکیلی سفر حج کرسکتی ہے

فی الرجل یاتی المراة فی دبرها وهی صائمة قال لاینقص صومها ولیس علیها غسل. (تہذیب الاحکام جلد۴،ص۳۱۹)

الجماع قبلا ودبرا فاعلا والمفعول به حیاومیتا ......
ولایبطل الصوم اذا قصدا التفخید مثلا فدخل فی احد الفرجین من غیر قصد.

(منہاج الصالحین جلد۱،ص۲۵۴ لابی القاسم الموسوی الخولی طبع بیروت)

ترجمہ: جماع دونوں طرف کا کرنے یا کرانے زندوں سے ہو یا مردہ سے اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اگر نیت جماع نہ ہو تفخیذ ہو لیکن جماع ہو جائے تو روزہ نہیں جاتا قائم رہے گا۔

لقد سئل الامام عن امراة وهی حرورة ای لم تحج ولا یاذن لها زوجها بالحج قال تحج وان لم یاذن لها وقال الامام لاطاعة له علیها فی حجة الاسلام.

(فقہ الامام جعفر الصادق جلد۲،ص۱۴۴)

ولیس من شرط الوجوب ولامن شرط صحة الاداء وجود محرم لها ولا زوج. (المبسوط جلد۱،ص۳۰۳)

## نکاح کے مسائل

۱۔نکاح کے لیے دیانۃً گواہوں کی ضرورت نہیں

۲۔بیوی سے غیر فطری فعل جائز ہے

۳۔بیوی کے اندام نہانی کا بوسہ لینا جائز ہے

۴۔محرم عورتوں سے بدوں کپڑے کے حائل ہونے کے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔

۵۔متعہ کے لیے ضروری نہیں کہ نیچی ذات ہو ہاشمیہ ملے تو اس سے بھی کر سکتے ہو۔

امام جعفر صادقؒ سے کسی نے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا:۔

اما فیها بینه وبین الله عزوجل فلیس علیه شئی.

(من لایحضرہ الفقیہ جلد۳،ص۳۰۱)

الرجل یاتی امرأة فی دبرھا قال نعم ذلک له.

(تہذیب الاحکام جلد ۷، ص ۴۱۰)

الرجل یقبل قبل امراته قال لاباس. (ایضاً جلد ۷، ص ۴۱۳)

جماع در فرج محار ملف حریر جائز ست۔ (ذخیرۃ المعاد)

ولاباس بالتمتع بالھا شمیه. (تہذیب الاحکام جلد ۷، ص ۲۷۱)

## ایک چھٹی فقہ کا تعارف (فقہ غیر مقلدین)

یہ بات پچھلے مباحث میں بیان ہو چکی ہے کہ پچھلے مباحث کے ہوتے ہوئے مسائل غیر منصوصہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اجتہاد و فقہ کی ضرورت ہے۔ غیر مقلدین نے جوش مخالفت میں پہلے ائمہ کی تقلید کا تو انکار کیا لیکن بوقت ضرورت مسائل غیر منصوصہ میں انہوں نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی فقہ کا محتاج ہی پایا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اہل حدیث کہلانے والے علماء نے جو فقہ ترتیب دی اور فتاوے پر جو کتابیں شائع کیں انہیں ہم چھٹی فقہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مولانا نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب نور الحسن خاں دہلوی، مولانا وحید الزمان حیدر آبادی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا عبد الجبار غزنوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبداللہ روپڑی اور ان کے دوسرے علماء نے اپنے اپنے وقت مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کیا اور اسے کتابوں اور رسالوں میں باقاعدہ جگہ دی۔

پھر ان کے بعد دوسرے اہلحدیث علماء نے سوالات کے جوابات دیئے (آج بھی غیر مقلدین کے ماہانہ اور ہفتہ وار رسائل میں یہ باب نظر آتا ہے) تا آنکہ بعض متقدمین نے اپنے مسلک کی اس فقہ کو کتابی شکل دی ہے اب اس وقت اہل حدیث عوام مسائل واحکام میں انہی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہیں وہاں سے اپنی فقہ اور اپنے فتاوی مل جاتے ہیں۔

اس وقت پاک وہند میں غیر مقلد علماء کے مندرجہ ذیل فتاوی ملتے ہیں:۔

۱۔ فتاوی نذیریہ

یہ مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی (۱۳۲۰ھ) کے اردو فتاوی ہیں۔

۲۔نزل الابرار من فقہ النبی المختار

مولانا وحید الزمان حیدر آبادی (۱۳۳۸ھ) (عربی)

۳۔ہدیۃ السائل الی ادلۃ المسائل

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (۱۳۰۷ھ) (فارسی)

۴۔فقہ محمدیہ

۵۔فتاویٰ اہل حدیث (دو جلد)

یہ حافظ عبداللہ روپڑی (۱۳۸۴ھ) کے فتاویٰ و مضامین ہیں اسے مولانا محمد صدیق صاحب فیصل آبادی نے مرتب کیا ہے اور سٹیلائٹ ٹاؤن سرگودھا سے شائع کیا ہے

۶۔فتاویٰ ثنائیہ (دو جلد)

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو مولانا محمد داؤد راز نے مرتب کیا ہے اسے شیش محل روڈ لاہور سے شائع کیا گیا ہے۔

۷۔فتاویٰ ستاریہ

مولانا عبدالستار دہلوی غیر مقلدوں کے فرقہ امامیہ کے بانی ہوئے ہیں یہ انہی کا مرتب کردہ ہے۔

۸۔فتاویٰ علماء حدیث

یہ چھوٹی چھوٹی چودہ جلدوں میں ہے اس میں ان حضرات کے تفصیلی فتاویٰ موجود ہیں مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی نے اسے مرتب کیا اور خانیوال سے شائع کیا ہے۔

ان حضرات نے اپنے عوام میں تو فقہ سے نفرت پیدا کی انہیں اس بات پر اٹھایا کہ ہم قرآن وحدیث کے بعد کسی چیز کو نہیں مانتے اور خود ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک فقہ مرتب کر ڈالی۔

اے دوست ہم نے ترک محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

## اہلحدیث کے چند مسائل فقہ

اس وقت ہمارا موضوع ان مسائل کی تحقیق یا تردید نہیں ہے ہم یہاں صرف اس

چھٹی فقہ کا تعارف کرا رہے ہیں جو غیر مقلدین کی فقہ کے نام سے معروف ہے طلبہ میں
چونکہ ہر مکتب فکر کے طالب علم ہوتے ہیں اس لیے ہم نے مناسب جانا کہ اہل حدیث طلبہ کو
اپنے مذہب کی سہولتوں کا کچھ پتہ دیں ہو سکتا ہے وہ ان سے بوقت ضرورت فائدہ اٹھائیں۔

## طہارت کے مسائل

مسائل طہارت میں اہل حدیث کا موقف یہ ہے کہ:۔
۱۔انسان کی منی پاک ہے کافر ہو یا مسلم
۲۔گائے کا پیشاب پاک ہے
۳۔کتے کا پیشاب بھی نجس نہیں
۴۔شراب پاک ہے
۵۔حیض اور نفاس کے سوا سب خون پاک ہیں۔
۶۔خنزیر کے ناپاک ہونے پر قرآن سے استدلال کرنا درست نہیں اس کا پیشاب پاک ہے۔
۷۔کتے اور خنزیر کا جوٹھا بھی پاک ہے۔
۸۔کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بلا کراہت جائز ہے۔
۹۔حالت حیض میں قرآن کی تلاوت جائز ہے۔

## چند حوالجات

۱۔در نجاست منی آدمی دلیلے نیامدہ۔(بدور الاہلہ ص ۱۵)
۲۔منی ہر چند پاک است۔(عرف الجادی ص ۱۰)
۳۔(مرد و عورت) دونوں کی منی پاک ہے۔(فقہ محمدیہ جلد ۱، ص ۴۱)
۴۔کتوں کا پیشاب نجس نہیں ہے۔(ہدیۃ المہدی جلد ۳، ص ۷۸)
۵۔کتے کا پیشاب اور پاخانہ بھی پاک ہے۔(نزل الابرار جلد ۱، ص ۵۰)
۶۔ہر حلال اور حرام جانور کا پیشاب پاک ہے۔(ایضاً جلد ۱، ص ۴۹)
۷۔خنزیر کے ناپاک ہونے پر آیت سے استدلال کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ اس کے پاک ہونے پر دال ہے۔(بدور الاہلہ ص ۱۶)

۸۔منی شراب مردار کتا خنزیر کا پیشاب سوائے حیض ونفاس کے خون کے اور تمام جانوروں اورانسانوں کا خون پاک ہے۔(ایضاً ص۱۵،۱۶،۱۸)

۹۔(کتے اور خنزیر کا جھوٹا پاک ہے) والحق علم النجاسة۔

(ہدیۃ المہدی جلد۳،ص۴۷)

۱۰۔حرام جانوروں کو اگر اللہ کا نام لے کر ذبح کریں تو سوائے خنزیر کے باقی سب کا گوشت پاک ہو جاتا ہے۔(نزل الابرار جلد۱،ص۳۰)

۱۱۔کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر دونوں طرح پیشاب کرنا جائز ہے۔

(تیسیر الباری جلد۱،ص۱۳۶)

۱۲۔اگر کوئی کھڑے ہوکر پیشاب کرے تو بلا کراہت جائز ہے۔

(فیض الباری جلد۱،ص۱۲۱ از مولوی ابوالحسن)

۱۳۔کتے کی کھال کا ڈول بنانا جائز ہے۔(نزل الابرار جلد۱،ص۳۰)

۱۴۔حائضہ یا جنبی قرآن پڑھے یا نہیں؟ اس بارے میں لکھتے ہیں حدیث اور اثر سے صاف طور سے جواز قرأۃ القرآن للجنب ثابت ہوا۔(فتاوی ثنائیہ جلد۱،ص۵۱۹)

۱۵۔ہمارے اصحاب کے نزدیک حائضہ اور جنبی عورت بہ نیت تلاوت قرآن پڑھ سکتی ہے۔(نزل الابرار جلد۱،ص۲۵)

۱۶۔کتے کو اٹھا کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔(ایضاً ص۳۰)

۱۷۔کتا اور اس کا لعاب محققین اہلحدیث کے نزدیک پاک ہے۔(ایضاً)

## وضو اور غسل کے مسائل

وضو اور غسل کے مسائل میں علماء اہلحدیث کا مذہب یہ ہے:۔

۱۔ٹخنوں سے پاجامہ نیچا ہوا تو وضو جاتا رہا

۲۔نیل پالش کے اوپر وضو جائز ہے

۳۔بدن سے خون نکلے وضو نہیں ٹوٹتا

۴۔صحبت میں انزال نہ ہو تو غسل فرض نہیں ہوتا

۵۔جانور سے وطی پر غسل فرض نہیں ہوتا

## چند حوالجات

ا۔ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والوں کو از سر نو وضو کرنا چاہیے۔(صلوٰۃ النبی ص ۴۱)

۲۔ناخن پالش مہندی کی قسم سے ہے مہندی کا رنگ بھی دو تین دفعہ لگانے سے گاڑھا ہو جاتا ہے جو باتفاق جائز ہے ایسا ہی ناخن پالش کو سمجھ لینا چاہیے۔

(فتاویٰ اہل حدیث جلد ا، ص ۳۵۱)

۳۔بدن سے خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔(صلوٰۃ النبی ص ۴۰)

۴۔بغیر انزال کے غسل واجب نہیں۔(اخبار اہلحدیث ص ۱۲، ۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ء)

۵۔جانور چوپائے کی پیشاب گاہ میں کوئی شخص اپنا ذکر داخل کرے تو ہمارے نزدیک حق بات یہ ہے کہ اس شخص پر غسل نہیں ہے۔(ہدیۃ المہدی جلد ۳، ص ۲۴)

۶۔کسی لڑکے سے جماع کیا تو غسل واجب نہیں ہوتا۔(نزل الابرار حصہ اول ۲۳)

۷۔مردہ عورت سے جماع کر بیٹھا تو غسل فرض نہ ہوا۔(ایضاً)

۸۔غسل فرض ہوا اور پردے کی جگہ نہ ہو تو دوسرے مردوں کے سامنے ننگے ہو کر غسل کر سکتا ہے کیونکہ یہ فرض ٹھہرا۔(ایضاً ص ۲۴)

۹۔کپڑا ہوتے ہوئے ننگے نماز پڑھی تو نماز ہوگئی۔

(بحوالہ نواب صدیق حسن صاحب، ایضاً ص ۶۵)

## مسائل اذان

اذان کے بارے میں اہلحدیث کا مذہب یہ ہے:۔

ا۔اذان ہوتے ہوئے سلام کہنا جائز ہے۔

۲۔عورت اذان دے سکتی ہے

## حوالجات

ا۔اذان ہوتے ہوئے سلام کہنا کسی حدیث میں منع نہیں ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ا، ص ۵۱۸)

۲۔اذان کے وقت السلام علیکم کہا تو اس کے جواب میں بھی کوئی شبہ نہیں کیونکہ اذان کے جواب کا ذکر آیا ہے اذان کے سماع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مؤذن

کھینچ کر الفاظ کہتا ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ا، ص ۴۵۳)

۳۔عورت اذان دے سکتی ہے۔ (بدور الاہلہ ص ۴۷)

یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ تکبیر کہاں کہے؟ پہلی صف میں یا کہیں اور؟

## مسائل نماز

نماز کے بارے میں اہلحدیث کا مذہب ملاحظہ ہو:۔

ا۔بدن ناپاک ہو (غسل فرض ہو) تو بھی نماز ہو جائے گی۔

۲۔نماز میں قرآن دیکھ کر تلاوت کی جاسکتی ہے۔

۳۔جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۴۔نماز میں کپڑا اسنوارا جاسکتا ہے۔

۵۔بے نماز کافر ہے۔

۶۔بے نماز کا ذبیحہ مثل اہل کتاب کے ہے۔

۷۔بے نماز کے گھر سے کھانا جائز نہیں۔

۸۔بے نماز کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں طلاق خود بخود ہو جاتی ہے۔

۹۔بے نماز کا جنازہ پڑھنا بھی جائز نہیں۔

۱۰۔عورت مردوں کی جماعت کرا سکتی ہے۔

۱۱۔عورت بغیر پورے ستر کے مردوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتی ہم اسے نہیں مانتے۔

۱۲۔نمازی سلام کا جواب اشارے سے دے سکتا ہے۔

۱۳۔نابالغ بچہ امامت کرا سکتا ہے۔

۱۴۔عورت جمعہ اور عید کی نماز بھی پڑھا سکتی ہے۔

۱۵۔عورت خطبہ بھی دے سکتی ہے۔

۱۶۔نماز سر ڈھانک کر پڑھنی چاہیے۔

۱۷۔فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا مانگنا جائز ہے۔

۱۸۔نماز تراویح اور تہجد دو علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں تین وتر پڑھتے درمیانی قعدہ کرنے اور نہ کرنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

## بعض حوالجات

۱۔پس مصلی بانجاست بدن آثم است ونمازش باطل نیست۔(بدور الاہلہ ص ۳۸)

۲۔دیکھ کر پڑھنا ثابت شدہ فعل کے قریب ہے ترجیح اس کو ہے کہ دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔(فتاویٰ اہلحدیث جلد۱،ص ۳۹۱)

۳۔نماز میں کپڑا وغیرہ سنوارنا ضرورت کے لیے جائز ہے۔

(ایضاً جلد۱،ص ۵۳۹)

۴۔بے نماز بے شک کافر ہے خواہ ایک نماز کا تارک ہو یا سب نمازوں کا رہا بے نماز کے ذبیحہ کا حکم سو وہ اہل کتاب کے حکم میں ہونے کی وجہ سے درست ہوسکتا ہے بے نماز جب کافر ہوا تو اس کا کھانا مثل عیسائی کے کھانے کے سمجھ لینا چاہیے۔(ایضاً جلد۱،ص ۳۷۷)

۵۔بے نماز کی بابت صحیح یہی ہے کہ بالکل کافر ہے اس کے ساتھ کافروں کا سا سلوک چاہیے اور کفار کے متعلق ایک یہ بھی آیا ہے کہ ان کے برتن بھی دھو کر برتے۔

(ایضاً جلد۲،ص ۲۸۱)

۶۔تارک الصلوۃ بہت علماء کے نزدیک کافر ہوجاتا ہے اور جو شخص کافر ہوجائے اس کا نکاح فسخ ہوجاتا ہے تو اس بناء پر طلاق کی ضرورت نہیں۔

(فتاویٰ اہل حدیث جلد۲،ص ۴۹۷)

۷۔بے نمازی کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔(ایضاً جلد۱،ص ۳۷۸)

۸۔بے نماز کافر ہے اور کافر کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔(ایضاً ص ۲۸۶)

۹۔بے نماز کے جنازہ میں شامل ہونے کی ممانعت ہے۔(ایضاً ۳۹۶)

۱۰۔دلیلے صریح صحیح کہ مانع از امامت زن برائے مرد باشد نیامدہ۔

(عرف الجادی ص ۳۷)

ترجمہ: ایسی صحیح اور صریح دلیل جو عورت کو مردوں کی امامت سے مانع ہو کہیں نہیں ملی۔

۱۱۔بوڑھا مرد اور غلام اگر عورت کے پیچھے نماز پڑھے تو جائز ہے۔

(فقہ محمدیہ جلد۱،ص ۷۶)

۱۲۔نماز زن اگر چہ تنہا باشد ہر یا دیگر محارم باشد بے ستر تمام عورت صحیح نیست پس

غیر مسلم است۔ (بدور الاہلہ ص ۳۹)

۱۳۔حالت نماز میں سلام کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد۱، ص ۵۱۸)

۱۴۔کسی نے نمازی سے پوچھا کتنی رکعتیں ہوئیں؟ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتا دیا تو نماز نہیں ٹوٹی۔ (نزل الابرار جلد۱، ص ۱۱۵)

۱۵۔امام نے نماز کے بعد کہا میں کافر ہوں مقتدیوں کی نماز صحیح ہے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (ایضاً ص ۱۰۴)

۱۶۔صحیح است امامت طفل نابالغ۔ (عرف الجادی ص ۳۷)

۱۷۔نابالغ لڑکا جس کو قرآن زیادہ یاد ہو اور نماز پڑھنے پڑھانے کا طریقہ جانتا ہو اس کی امامت صحیح اور جائز ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد۱، ص ۵۶۱)

۱۸۔مولانا نذیر حسین دہلوی سے پوچھا گیا کہ ایک امام دو جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ امامت کرا سکتا ہے آپ نے کہا روا و صحیح ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد۱، ص ۳۲۱)

۱۹۔امام نے نماز پڑھانے کے بعد کہا میں بے وضو تھا تو مقتدی نماز نہ دہرائیں ان کی نماز ہو گئی۔ (نزل الابرار جلد۲، ص ۱۰۱)

۲۰۔ (عورت کی جمعہ میں امامت کے لیے) پانچ وقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ جب ایک نماز میں ایک چیز ثابت ہو جائے تو سب نمازیں اس میں یکساں ہوتی ہیں جب تک کوئی مانع نہ ہو جمعہ تو پانچ نماز میں شامل ہے کیونکہ ظہر کے قائم مقام ہے تو اس میں عورت کی امامت بدعت نہیں ہو سکتی۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد۶)

۲۱۔ (عیدین میں عورتوں کی علیحدہ امامت) کے متعلق خاص واقعہ ملنا تو بہت مشکل ہے ہاں پانچ وقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے اس لیے اس کے متعلق کوئی واقعہ نہ ملے تو اس سے اس کا عدم جواز یا بدعت ہونا لازم نہیں آتا۔ (دیکھیے فتاویٰ اہلحدیث جلد۲، ص ۶۲)

۲۲۔نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے تراویح خاص رمضان میں ہے اگر کوئی شخص پہلے وقت میں تراویح نہ پڑھے آخر وقت میں پڑھے تو نماز تہجد بھی ہو جائے گی اور تراویح بھی زیادہ کر دینے کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد۱، ص ۶۵۶)

۲۳۔کسی خطیب نے بغیر وضو خطبہ پڑھا تو مع الکراہت جائز ہے۔

(نزل الابرار جلد۱، ص ۱۵۶)

۲۴۔عورت کا خطبہ دینا جائز ہے......امامت کے فعلوں میں یہ بھی ایک فعل ہے۔
(اخبار الحدیث ۲۶ فروری ۴۳ء)

۲۵۔فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جلدی ہو یا دیر سے جائز ہے۔
(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱، ص ۵۱۸)

۲۶۔فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ شرعا درست ہے۔
(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۱، ص ۵۳۰)

۲۷۔تین رکعت وتر میں درمیانی قعدہ نہ کرنا حدیث سے ثابت ہے اس طرح وتر پڑھنے اور درمیانی قعدہ کرنے میں کوئی فرق نہیں دعائے قنوت دونوں طرح جائز ہے۔
(اخبار الحدیث ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء)

۲۸۔بیس رکعات تراویح کو یہ الحدیث بوجہ ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ ضعیف کہتے ہیں اور بیس رکعت تراویح کو بدعت مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں۔

## مسائل زکوٰۃ

۱۔ جن حضرات کو عورتیں تنگ کرتی ہیں کہ اپنا سارا اثاثہ زیورات پر لگا دیں ان کے لیے مندرجہ ذیل مسائل میں بڑی سہولت ہے۔اس میں زکوٰۃ سے بھی بچ نکلنا ہوگا اور بیگمات بھی خوش رہیں گی۔

حنفی طلبہ اس رعایت کی خاطر الحدیث بننے کی کوشش نہ کریں۔ان کے ہاں سونے چاندی پر زکوٰۃ فرض ہے۔

## حوالجات:

۱۔ سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔(بدور الاہلہ ص ۱۰۲)

۲۔ میری تحقیق میں زیورات میں واجب نہیں ہے۔(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱، ص ۴۹۳، ۶۹۴)

۳۔ زیور میں زکوٰۃ فرض نہیں کہی جا سکتی۔(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲، ص ۱۹۱)

## مسائل روزہ

۱۔ سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔

۲۔ اگر کوئی شخص سحری نہ کر سکے تو وہ روزہ نہ رکھے کیونکہ وہ روزے کی نیت سحری سے

ہی کر سکتا تھا اب سحری گئی تو روزہ بھی گیا۔

۳۔ جو بوڑھا مفلس اور نادار ہو اس کا روزے کا فدیہ کفارہ کہلائے اسلام میں یہ پہلا کفارہ ہے جو معاف کیا گیا ہے۔

ہمیں سمجھ میں نہیں آیا کہ فدیہ یہاں کفارہ کیسے بن گیا؟

## حوالجات

۱۔ روزہ رکھنے کے وقت صرف سحری کھا لینی روزہ کی نیت کے لیے کافی ہے زبان سے کچھ کہنا اس کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد۲، ص۲۱۷)

۲۔ سحری کھانے کے لیے اذان دے سکتے ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد۱، ص۶۵۲)

۳۔ بہت بوڑھا شخص غیر متحمل نادار مفلس محض پر روزہ بھی فرض نہیں اور کفارہ بھی نہیں۔ (ایضاً ص۶۵۸)

## حج کے مسائل

۱۔ وطی سے حج فاسد نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی سزا ہے صرف غسل کافی ہے۔

نواب صاحب لکھتے ہیں:

وطی سے حج فاسد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر کوئی کفارہ ہوتا ہے۔

(دیکھئے بدور الاہلہ ص۱۴۱)

## نکاح، متعہ اور طلاق کے مسائل

۱۔ جن سے نکاح حرام ہے ان میں سے کسی سے صحبت کی تو مہر مثل لازم آئے گا۔

۲۔ نکاح چار سے زیادہ عورتوں سے بھی ہو سکتا ہے پانچویں سے نکاح کرنے میں کوئی حدیث مانع نہیں ہے۔

۳۔ بہو سے صحبت کی تو بیٹے کا نکاح نہ ٹوٹے گا۔

۴۔ بیوی سے وطی فی الدبر جائز ہے۔

۵۔ بعض اہلحدیث متعہ کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

۶۔ ماں کی زنا کی کمائی بیٹے کی توبہ سے حلال ہو جاتی ہے۔

## حوالجات

۱۔ دلو دخل بالمحرومة فلها المهر. (نزل الابرار جلد۲، ص۳۱)

۲۔ پس چنانکہ باید وشاید متمحض از برائے استدلال از منع زیادت بر اربع نشود آیہ کریمہ فانکحو اما طاب لکم (الآیہ) بر محاورۂ عرب عرباء ائمہ لغت مقید جواز نکاح دو دو سہ سہ چہار چہار نساء در یک بار است و دراں تعرضے از برائے مقدار عدد زنان نیست۔
(عرف الجادی ص۱۱۱)

۳۔ لو جامع زوجة ابنه لا تحرم علی ابنه. (نزل الابرار جلد۲، ص۲۸)

۴۔ عورت سے لواطت کو جائز سمجھنے والا کافر تو کجا فاسق بھی نہیں۔
(دیکھئے نزل الابرار جلد۱، ص۳۶)

۵۔ جو شخص عورتوں اور لونڈیوں سے لواطت کرے اس کو منع نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص۱۱۸)

۶۔ وکذلک بعض اصحابنا فی نکاح المتعة فجوزوها لانه کان ثابتا جائزا فی الشریعة. (نزل الابرار جلد۱، ص۳۳)

۷۔ ماہواری کے ایام میں طلاق نہیں ہوتی۔ طہر کی حالت شرط لازمی ہے۔
(فتاوی ثنائیہ جلد۲، ص۲۵۹)

۵۔ ماں نے زنا سے مال حاصل کیا بیٹا توبہ کرلے تو مال حلال ہو جائے گا۔
(دیکھئے پرچہ اہلحدیث ۲۵ شوال ۱۳۴۳ھ)

## ذبیحہ، عقیقہ اور قربانی کے مسائل

۱۔ بے نمازی کا ذبیحہ اہل کتاب کی طرح ہے۔

۲۔ کافر کا ذبیحہ حلال ہے۔

۳۔ لڑکے کے عقیقے میں ایک بکرا بھی دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ غریب آدمی مرغ کی قربانی بھی دے سکتا ہے۔

۵۔ پورے کنبے کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے۔

۶۔ مرغا خریدنے کی بھی ہمت نہ ہو تو ایک پاؤ گوشت خرید کر قربانی کرسکتا ہے۔

## حوالجات

۱۔ بے نماز بے شک کافر ہے...... بے نماز کا ذبیحہ اہل کتاب کے حکم میں ہوگا۔
(فتاویٰ اہل حدیث جلد۱، ص۳۷۷)

۲۔ وکذلک ذبیحہ الکافر ایضاً حلال۔ (نزل الابرار جلد۳، ص۷۸)

۳۔ کافر کا ذبیحہ حلال ہے اس کا کھانا حلال ہے۔ (عرف الجادی ص۱۰)

۴۔ اگر کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی تو کھانا کھاتے وقت پڑھ لے اس کا کھانا جائز ہے۔ (ایضاً ص۲۳۹)

۵۔ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے میسر نہ ہوں تو ایک بھی جائز ہے۔
(صحیفہ اہل حدیث کراچی ص۴، ۱۵ صفر ۷۸ھ)

۶۔ اگر کوئی غریب ہو اور وہ عید قربان کے موقع پر بھیڑ بکری کی قربانی نہیں کر سکتا تو وہ مرغے کی قربانی کرے۔

۷۔ شرعاً مرغ کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد۲، ص۷۲)

۸۔ قربانی کی ایک بکری سے بہت سے گھر والوں کی کفایت کرتی ہے اگرچہ سو آدمی ہی ایک مکان میں کیوں نہ ہوں۔ (دیکھئے بدور الاہلہ ص۳۴۱)

۹۔ چار آٹھ آنے کا گوشت بازار سے خرید کر قربانی کے دنوں میں تقسیم کر دینا قربانی ہے۔
(مقاصد الامامۃ ص۵)

## کتاب الاطعمہ والاشربہ (کھانے پینے کے مسائل)

۱۔ گھوڑا اور گوہ حلال ہیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد۲، ص۵۵۷)

۲۔ منی پاک اور حلال ہے۔ (وحید اللغات ص، وحید الزمان خاں)

منی پاک اور ناپاک ہونے کی بحث تو سمجھ میں آتی ہے لیکن اس کے حلال ہونے کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔ غیر مقلد علماء ہی اسے سمجھتے ہوں گے اور ہوا لگے بغیر اسے نگلتے ہوں گے ورنہ دیکھ کر اسے کون کھا سکتا ہے؟

## قادیانی فقہ

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ہم یہاں قادیانی فقہ کے بھی چند مسائل ذکر کر دیں۔

مسائل میں اشتراک سے عقائد میں اشتراک لازم نہیں آتا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو بے شک غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں اور ان کی عبادت گاہیں مسجدیں نہیں کہلاتیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ بیشتر اس بات کے مدعی رہے کہ ہم شریعت محمدی کے تابع ہیں اور یہ کہ مرزا غلام احمد غیر تشریعی نبی تھے۔ شریعت محمدی کی پیروی میں مرزا صاحب کس نہج پر چلے ہیں اور مسلمانوں میں سے کس فرقہ کے زیادہ قریب ہیں اس کا مطالعہ ہمارے طلبہ کے لیے بہت مفید ہوگا۔

درج ذیل چند مسائل بتلاتے ہیں کہ قادیانی زیادہ تر اہل حدیث کے قریب ہیں خود مرزا بشیر احمد اپنے والد مرزا غلام احمد کے بارے میں لکھتے ہیں:

اگر عقائد تعامل کے لحاظ سے دیکھیں تو طریق حنفیوں کی نسبت اہلحدیث سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔ (سیرۃ المہدی حصہ۲، ص۴۹)

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھتا تھا۔

(دیکھئے فتاویٰ احمدیہ جلد۱، ص۹۸، حقیقت نماز ص۸۸ سیرت المہدی حصہ۱، ص۱۰۳)

۲۔ مقتدی امام کے پیچھے لازماً سورۃ فاتحہ پڑھیں۔

(فتاویٰ احمدیہ جلد۱، ص۲۸، ۳۳، ص۸۱)

۳۔ مرزا صاحب بڑی سختی سے اس بات پر زور دیتے تھے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ (سیرت المہدی حصہ۲، ص۴۹)

۴۔ نماز تراویح بمع وتر گیارہ رکعت ہے تین وتر اس طرح پڑھے کہ دو پر سلام پھیرے۔ پھر تیسرا وتر پڑھے۔ (فتاویٰ جلد۱، ص۷۶)

۵۔ نماز تراویح اور تہجد ایک چیز ہے۔ (دیکھئے سیرۃ المہدی حصہ۲، ص۱۲)

۶۔ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ سورۃ کو ملانا چاہیے۔

(دیکھئے حقیقت نماز ص۲۰۹)

۷۔ غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے بلکہ متعدد غائبین کا جنازہ بھی ہو سکتا ہے۔

(ایضاً ص۲۱۰)

۸۔ مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی۔

(فتاویٰ احمدیہ جلد۲، ص۳۳، ص۳۴، ص۳۵، ص۴۱)

۹۔ سوتی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ پگڑی پر مسح کرنا جائز ہے۔
(فتاویٰ جلد ا، ص ۳۷، ۸۹)

۱۰۔ حضرت صاحب نے اپنی جرابوں پر مسح کیا۔ (سیرۃ المہدی جلد ۲، ص ۲۶)

۱۱۔ اگر جراب کہیں سے پھٹ جاتی تو بھی مسح جائز رکھتے۔ (ایضاً ص ۱۲۷)

۱۲۔ جس کی سنت فجر رہ جائیں وہ فرضوں کے بعد پڑھ لے ہمارا یہی دستور ہے۔
(حقیقت نماز ص ۵۷)

۱۳۔ سجدہ سہو کے لیے سلام پھرنے سے پہلے دو سجدے کرے اور پھر سلام پھیرے۔
(ایضاً)

۱۴۔ بعد از فرائض (اجتماعی) دعا کرنا بدعت ہے۔ (فتاویٰ جلد ا، ص ۲۶)

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے احباب دعویٰ نبوت سے پہلے بھی اسی طریق پر عمل پیرا تھے اور بعد میں بھی اسی طریق پر رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد پہلے غیر مقلد تھا پھر وہ آہستہ آہستہ دعویٰ نبوت پر آیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کے اس بیان سے بھی اسی مؤقف کی تائید ہوتی ہے:

> پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھے ہیں۔

(اشاعۃ السنۃ نمبر ۲، جلد ا، مطبوعہ ۱۹۸۸ء)

مگر بعض علماء اہلحدیث کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد پہلے مقلد تھا اور گمراہ تھا۔ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھتا تھا۔ جب اس نے دعویٰ نبوت کیا تو وہ صحیح طریقے اختیار کیے۔ البتہ علماء اہلحدیث اس کے دعویٰ نبوت کو مانتے۔ مرزا قادیانی کے سب ساتھی علماء حکیم نور دین بھیروی اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی وغیرہ پہلے اہلحدیث تھے پھر قادیانی ہوئے مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

> مولوی نور دین صاحب عقیدۃً اہل حدیث تھے۔

اس وقت یہ تاریخی بحث موضوع سخن نہیں صرف قادیانی طریق عمل کا سرسری تعارف کرانا تھا۔ تا کہ طلبہ کچھ اُن کی فقہ کے چند مسائل بھی سن لیں۔ ہم نے قادیانی فقہ کو

مستقل نمبر نہیں دیا۔ اوّلاً تو اس لیے کہ یہ قانونی طور پر غیر مسلم قرار پائے ہوئے ہیں۔ ثانیاً اس لیے کہ ان کے یہ مسائل فقہ اہلحدیث سے بہت ملتے ہیں۔ سو انہیں ان کے تحت ذکر کیا جا سکتا ہے۔ قادیانی فقہ کے مسائل آپ جان چکے۔ اب کچھ آگے چلیں۔

۱۵۔ نماز جمعہ کے لیے نہ مقتدیوں کی کوئی حد ضروری ہے اور نہ ہی اس کے لیے شہر کی شرط ہے۔ (فتاویٰ احمدیہ جلد ا، ص ۱۵۰، ۱۵۱)

۱۶۔ جمعہ اور عصر دونوں جمع کیے جا سکتے ہیں۔ (حقیقتِ نماز ص ۱۸۷)

۱۷۔ سفر کی کوئی حد نہیں دو اڑھائی میل پر بھی قصر جائز ہے۔

(فتاویٰ جلد ا، ص ۱۵۷ حقیقت نماز ص ۲۱۵)

۱۸۔ عیدین کی تکبیریں بارہ (۱۲) ہیں صرف چھ زائد تکبیریں نہیں۔ (ایضاً)

۱۹۔ حالت نماز میں چل کر کنڈی کھول دینے سے اور گھوڑا باندھ لینے سے نماز نہیں جاتی۔ (حقیقت نماز ص ۷۷)

۲۰۔ حضرت مسیح موعود اکثر یوں فرمایا کرتے تھے کہ نماز سنوار کر پڑھا کریں اور نماز میں اپنی زبان میں دعا کیا کریں۔ (سیرت المہدی حصہ ۳، ص ۱۴)

۲۱۔ رکوع و سجود اور جلسہ میں اپنی زبانوں (فارسی، اُردو، انگریزی، پنجابی وغیرہ) میں بھی دعائیں مانگنا جائز ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

مسجد مبارک میں مغرب کی نماز پیر سراج الحق نے پڑھائی۔ حضور علیہ السلام بھی اس نماز میں شامل تھے۔ تیسری رکعت میں رکوع کے بعد انہوں نے حضور کی ایک فارسی نظم پڑھی۔ (دیکھئے سیرت المہدی حصہ ۳، ص ۱۳۸، حقیقت نماز ص ۱۴۴)

اس کا مطلع یہ تھا:

اے خدا اے چارۂ آزارِ ما

ہم اس فقہ کو چھٹی فقہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں سمجھتے۔ اس لیے اسی نمبر میں جگہ دے رہے ہیں۔ آگے فقہ کی ساتویں قسم پر غور کریں۔ اس پر ہم بحث کو ختم کریں گے۔

اسماعیلیوں اور بوہروں کی فقہ ان انواع فقہ سے چونکہ بہت ہی مختلف ہے۔ اس لیے ہم اسے یہاں نہیں لا رہے نہ اس کے ساتھ جمہور اہل اسلام کا کوئی کتابوں کا

اشتراک ہے۔

## ایک ساتویں فقہ (فقہ تلفیق)

ایک ساتویں فقہ جس نے پہلی فقہوں پر پانی پھیر دیا، وہ فقہ تلفیق ہے۔

آج کل ایک ایسا دینی طبقہ بھی دیکھنے میں آ رہا ہے۔ جس نے ہر باب عمل میں رخصتوں کو تلاش کر رکھا ہے۔ کچھ تعلیم یافتہ لوگ بھی ان کے ساتھ آ ملے ہیں۔ یہ سہولت پسند لوگ اس ساتویں فقہ کے پیرو ہیں کہ ہر مسلک اور ہر فقہ کی سہولتوں کو حسب ضرورت اپنا لیا جایا کرے۔ یہ لوگ ائمہ کی پیروی اس جہت سے نہیں کرتے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول برحق کے ترجمان ہیں بلکہ وہ انہیں غیر مشروط طور پر لائق اتباع سمجھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کسی کی پیروی کر لیتے ہیں۔

مختلف مسالک کی رخصتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر اپنی دینی زندگی کی تعمیر کرنا یہ بذات خود فسق ہے اور یہ جذبہ لائق مذمت ہے لیکن عمل تلفیق اس سے بھی ایک جدا اور بری راہ عمل ہے۔ یہ دوسرے مذاہب کو اصولاً نہیں حسب موقع اپنانا ہے۔ یہ لوگ کسی مسلک کو مستقل طور پر اختیار نہیں کرتے۔ جب سہولت اس کے اختیار کرنے میں ہو تو اسے لے لیتے ہیں اور جب فائدہ اس کے ترک میں ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں ائمہ کا وجود رحمت ہے جس کی جب چاہے پیروی کر لو۔ کسی ایک طریقے پر کاربند ہونا مصیبت ہے۔ اختیار و انکار کے اس جمع کرنے کو تلفیق کہتے ہیں۔

## ایک مثال لیجیے:

ایک شخص نے وضو کیا اور حنفی طریق سے نماز میں داخل ہوا۔ سجدے میں کانٹا چبھا اور ان کا خون بہہ نکلا اور بایں سہولت کہ اسے نیا وضو نہ کرنا پڑے وہ نماز کے اندر ہی شافعی مذہب پر آ گیا۔ شافعی مذہب میں خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اب یہ شافعی مسلک پر سینہ پر ہاتھ باندھے نماز پڑھ رہا تھا کہ ہوا تیزی سے چلی اور اپنے کپڑے سنبھالنے میں اس کا ہاتھ ستر کو چھو گیا اور شافعی مذہب میں وہ اب وضو میں نہ رہا اس نے جلدی سے پھر حنفی مذہب میں آنے کی نیت کر لی اور ہاتھ ناف سے نیچے باندھ لیے۔ جس سے تہبند اچھی طرح کنٹرول ہو گیا۔ اس طرح اس کی نماز جاری رہی اور وہ

دل ہی دل خوش ہو رہا تھا۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ دور رکھا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ بتی درست کرنی تھی۔ وہ نماز میں چراغ درست کرنے چلا گیا اور اہلحدیث ہونے کی نیت کرلی۔ اہلحدیث طریقے میں اس عمل سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

نماز سے فارغ ہونے پر پتہ چلا کہ امام قادیانی تھا۔ بہت پریشان ہوا۔ پھر اس کو متنبہ ہوا کہ اس نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ اپنی پڑھی ہے اپنی نماز کو امام کی نماز کے ساتھ ایک نہیں کیا۔ اہلحدیث کے ہاں نماز کا مدار سورۃ فاتحہ پر ہے امام پر نہیں۔ تب جا کر اس کو اطمینان ہوا کہ اس کی نماز ہوگئی ہے اور اسے سانس میں سانس آیا۔

یہ چند واقعات محض عملِ تلفیق کے سمجھانے کے لیے ہیں کہ سہولت پسند لوگ کس طرح حسب موقع اپنا مذہب بدلتے ہیں۔ یہ سلسلہ اتنا وسیع پیچیدہ اور آرام دہ ہے کہ شاید کوئی فقہ بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ لیکن اس میں جو اعتقادی مفاسد لپٹے ہیں شاید ہمارے قارئین ان کا اندازہ نہ کر سکیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس نے مختلف ائمہ کو شارع سمجھ لیا کہ ان کا کسی چیز کو حرام یا حلال کہنا واقعی اسے حرام یا حلال کر دیتا ہے۔ حالانکہ ائمہ مجتہدین دین کے ہرگز موجد نہیں صرف مظہر ہیں۔ شیخ سعید بن حجی الحنبلی نے اس پر ایک نہایت مفید کتاب لکھی ہے اور تلفیق کو دین کے نہایت مضر بتلایا ہے۔

دین اللہ رب العزت اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ماننے کا نام ہے۔ عبادت کرنے والا دورانِ عبادت ہر لحہ محسوس کرے کہ وہ کتاب وسنت کے موافق چل رہا ہے۔ عمل تلفیق میں یہ نیت باقی نہیں رہتی اور حالات بدلنے پر وہ شخص جس مسلک میں داخل ہوتا ہے وہ ایسا اپنی سہولت کے لیے کرتا ہے۔ اس کی نماز رضائے الٰہی کے لیے مسلک بدلنے سے نہیں ہوتی۔ صاحب درمختار علامہ علاء الدینؒ (۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں۔

ان الحکم والفتیا بقول المرجوح جہل وخرق للاجماع وان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان المرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً وھو المختار فی المذھب.

(درمختار جلد ۱، ص ۶۹)

ترجمہ: فقہ میں قول شاذ پر فتویٰ دینا جہالت ہے اور اجماع کو توڑنا ہے اور تلفیق بالاجماع باطل ہے کسی چیز پر تقلیداً عمل کرنے کے بعد محض کسی سہولت کے لیے اس سے رجوع کر لینا یہ بالاتفاق باطل ہے۔ حنفی مذہب میں مفتی بہ قول یہی ہے۔

انگلینڈ میں ہم نے دیکھا ہے کہ کسی قوم یا سیاسی مہم میں مسلمانوں کے قافلے لندن جمع ہوتے ہیں تا کہ ایک قومی سطح پر اپنے کسی موقف کے حق میں ہائیڈ پارک یا کسی دوسری جگہ کوئی مظاہرہ کیا جا سکے تو آتے اور جاتے نمازوں کا بیشتر یہی حال دیکھا ہے کہ نہ وقت کی پابندی ہے...... نہ صحیح وضو کی ...... نہ درست استنجا کی...... نہ پاک کپڑوں کی...... نہ جہت قبلہ کی ...... نہ کھڑے ہونے کی ...... نہ بیٹھنے کی ...... اور دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں یہ ساتویں فقہ (عمل تلفیق) پہلی چھ قسم کی فقہ پر چھائی جا رہی ہے اور نئے فیشن کے مفتی ہر سو گھوم رہے ہوتے ہیں کہ سب ٹھیک ہے کسی مولوی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مولویوں نے یونہی دین کو تنگ کر رکھا ہے۔ کیا انہوں نے دین کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کہ انہیں کا فتویٰ چلے؟ کیا ہمارا فتویٰ نہیں چل سکتا؟ فتویٰ دینے والے کے لیے کیا یہ ضروری ہے کہ اس کے چہرے پر داڑھی ہو؟

جعفری فقہ میں تو گنجائش ہے کہ ایک عمل کو اصل پر رکھیں اور دوسرے کو تقیہ پر محمول کر کے گزریں اور چھٹی فقہ میں بھی گنجائش ہے اپنے اوپر کسی عالم کی پابندی لازم نہ کریں۔ جہاں سہولت چاہیے نیا اجتہاد کر لیں۔ لیکن پہلی چار فقہوں میں اس عمل تلفیق کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور ان چاروں مذاہب میں اس عمل تلفیق پر نکیر کی گئی ہے۔

علامہ شامیؒ (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں

مثاله متوضیٔ سال عن بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی فان صحة هذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق نصحة منتفیة. (ردالمحتار جلد۱، ص۶۹)

ترجمہ: اس کی مثال وہ وضو والا شخص ہے جس کے بدن سے خون بہہ نکلا اور اس نے کسی عورت کو بھی چھو لیا۔ پھر اس نے نماز پڑھی۔ اس نماز کی صحت مذہب شافعی اور مذہب حنفی دونوں سے ملفق ہے اور تلفیق باطل ہے۔ سو اس کی نماز نہیں ہوئی۔

عمل تلفیق ایک نفس کی سہولت ہے جو اس نے تلاش کر لی ہے یہ ہرگز دین الٰہی نہیں ہے۔ یہ دین میں اپنی غرض کے لیے لچک پیدا کرنا ہے جو ہرگز جائز نہیں۔ دینی مجالس میں شرعی غنڈے اس ساتویں فقہ کی حمایت میں برسرعام بولتے ہیں اور کوئی ہمت نہیں کرتا جو ان جاہلوں کو لگام دے یہ دین کو کھیل بناتا ہے۔

الذین اتخذوا دینھم لھوًا ولعباً وغرتھم الحیٰوۃ الدنیاج فالیوم ننسٰھم کمانسوا لقاء یومھم ھذا وما کانوا باٰیتنا یجحدون. (پ۸، الاعراف ۵۱)

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل بنا رکھا ہے اور انہیں دنیوی زندگی نے دھوکا دے رکھا ہے ہم انہیں بھلائے رہیں گے جیسے کہ وہ آج کے دن کا پیش آنا ٹالتے رہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ نہ سمجھا جائے کہ جس طرح عملی طور پر پانچویں اور چھٹی فقہ امت مسلمہ میں انتشار کا موجب ہوئی ہیں اسی طرح پہلی چار فقہوں سے بھی امت میں کوئی انتشار پیدا ہوا ہوگا۔ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔

مذاہب اربعہ آپس میں اختلاف عمل ترجیح وسعت عمل اور دقت نظری کا موجب تو بے شک ہوئے لیکن ان کے باعث کسی پہلے دور میں انتشار اور افتراق نہیں پایا گیا۔ محدثین مذاہب اربعہ میں رہتے ہوئے حدیث و سنت کی خدمت میں برابر وسعت قلبی سے چلے ہیں۔

کسی ملک کے مقلدین نے دوسرے ملک کے مقلدین کو گمراہ نہیں کہا نہ اپنے کسی مکتب فکر کو ان تہتر فرقوں میں شمار کیا ہے جس کے بارے میں لسانِ شریعت نے کلھم فی النار کی تصریح کی یہ چاروں مذاہب اس ایک فرقہ میں شامل ہے جسے لسانِ شریعت نے الا واحدہ کہہ کر تہتر (ثلث وسبعون) سے مستثنیٰ کیا۔ سو یہ صحیح ہے کہ جس طرح آج کل کے اہل السنۃ اور اہلحدیث ایک دوسرے سے اصولاً مختلف ہیں۔ یہ مسالک اربعہ آپس میں اصولاً ایک ہیں اور مقلدین آپس میں جن دوسرے مسلک والوں کو خطا پر سمجھتے ہیں انہیں بھی اللہ کے ہاں ماخوذ نہیں ماجور سمجھتے ہیں۔ گو ان کے لیے ایک اجر ہو۔

# اہل حدیث (باصلاح قدیم) اور اہل حدیث باصطلاح جدید میں فرق

اہلحدیث باصطلاح قدیم فقہی مسائل میں دوسرے مسالک سے تعصب نہ رکھتے تھے۔ کسی درجہ میں ان کے پاس حدیث ہو وہ اس اختلاف روایات کو وسعت عمل پر محمول کرتے اور اس کے درپے نہ ہوتے کہ اپنے موقف کو حق اور دوسروں کے موقف کو باطل کہیں اس سے امت میں جو انتشار پیدا ہوتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ پہلی صورت میں روا داری کا سبق ملتا ہے اور دوسرے مسلک کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

۱۔ حضرت حلب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑتے، یہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھنا ہے، کہنی پر ہاتھ رکھنا نہیں۔ جیسا کہ اہل حدیث باصطلاح جدید کرتے ہیں۔

آگے یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھنا ناف سے نیچے ہو یا ناف سے اوپر؟ اس پر اہلحدیث (باصطلاح قدیم) کا موقف سنیے امام ترمذیؒ کہتے ہیں۔

> والعمل على هذا عند اهل العلم باصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم يرون ان يضع الرجل يمينه على شماله فى الصلوٰة ورای بعضهم ان يضعهما فوق السرة ورای بعضهم ان يضعهم تحت السرة وكل ذلك واسع عندهم. (جلد اول ص ۳۵)

> ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے اہل علم کا یہی عمل رہا ہے کہ آدمی نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے بعض نے کہا وہ اس طرح انہیں ناف کے اوپر رکھے اور بعض کہتے ہیں وہ انہیں اس طرح ناف کے نیچے باندھے اور ان میں سے کوئی طریق اختیار کرے محدثین کے ہاں اس میں ہر طریق پر چلنے کی گنجائش ہے۔

کیا امام ترمذیؒ جو (باصطلاح قدیم) اہلحدیث تھے انہوں نے اپنے عمل کے خلاف دوسرے عمل والوں کو باطل کے فاصلے پر رکھا یا دونوں پر عمل کی گنجائش بیان فرمائی۔

آج کے اہلحدیث بھی اگر پہلے اہل حدیث کے طریقوں پر چلیں تو یہ فروعی اختلافات ہرگز کسی انتشار کا باعث نہیں ہو سکتے۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ کو کسی نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ نے ایک رکعت وتر کی نماز پڑھی۔ ایسا پہلے کہیں نہ دیکھا گیا تھا۔ امت میں وتر کی کم از کم تعداد تین ہی رہی ہے۔ امام مالکؒ موطا میں لکھتے ہیں۔ ادنی الوتر ثلث (موطا ص۱۲۶ مصر) مگر حضرت معاویہ نے اپنے اجتہاد سے ایک رکعت وتر پڑھے۔ سوال تبھی پیدا ہوا کہ ایسا امت میں پہلے کہیں نہ دیکھا گیا تھا جب یہ بات حضرت ابن عباس سے پوچھی گئی تو آپ نے اُس کے عمل کو باطل نہیں فرمایا بلکہ کہا: اصاب انه فقیه (صحیح بخاری جلد۱، ص۵۳۱) آپ نے ٹھیک کیا آپ فقیہ ہیں۔ یعنی یہ ایک رکعت وتر کسی روایت میں بیشک نہیں لیکن آپ فقہی طور پر اس کے استنباط کا حق رکھتے ہیں آپ بیشک فقیہ ہیں۔

فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمد کے سامنے یہ سب صورتیں تھیں۔ امام بخاریؒ کا موقف صحیح بخاری میں ملاحظہ فرمایئے کس وسعت قلب سے آپ وسعت عمل کا موقف اختیار کر رہے ہیں۔ افسوس کہ آج کل کے اہلحدیث فروعی مسائل میں وسعت عمل کے موقف سے یکسر محروم ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے۔

قال القاسم وراینا اناساً منذ ادرکنا یوترون بثلث وان کلاً لواسع وارجوان لایکون بشیٍ منه باس. (جلد۱، ص۱۳۵)

امام حسن بصری کہتے ہیں اجمع المسلمون علیٰ ان الوتر ثلث لایسلم الافی آخرھن۔

ترجمہ: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ وتر تین رکعات ہی ہیں درمیان میں سلام نہ پھیرے۔

اب جبکہ تین رکعت وتر پر اجماع ہو چکا ہے۔ کسی عام کو (بغیر کسی مجتہد کی پیروی کے) تین وتر سے کم نہ پڑھنا چاہیے بایں ہمہ دیکھئے اہلحدیث (باصطلاح قدیم) کے ہاں وسعت عمل کی کہاں تک گنجائش تھی امام بخاری کا یہ لکھنا کہ ارجوان لایکون بشیٍ منه باس اس وقت کے اہل حدیث کی معتدل روش کی نشاندہی کر رہا ہے۔ افسوس کہ اہلحدیث

باصطلاح جدید اس وسعت قلب سے خالی ہیں۔

## حافظ ابن تیمیہ کا عقیدہ وسعت عمل

فان السلف فعلوا هذا وكان كلا الفعلين مشهوراً بينهم كانوا يصلون علىٰ الجنازه بقرأة وبغير قرأة كما كانوا يصلون تارة بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهرٍ و تارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح و تارة برفع اليدين فى المواطن الثلثة وتارة بغير رفع ...... كان فيهم من يفعل هذا وفيهم ...... من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة.

(فتاوٰی ابن تیمیہ)

کیا اہل حدیث (باصطلاح جدید) اس طرح کھل کر یہ کہنے کو تیار ہیں کہ صحابہ میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں طریقے رائج تھے اگر نہیں تو یہ حقیقت ہے کہ اہلحدیث (باصطلاح جدید) اہلحدیث (باصطلاح قدیم) کے طریق پر نہیں ہیں۔

حافظ ابن قیم بھی کہتے ہیں۔

ومن هذا ايضاً جهر الامام بالتامين وهذا من الاختلاف المباح الذى لايعنف فيه من فعله ولا من تركه و هذا كرفع اليدين فى الصلوٰة و تركه. (زاد المعاد جلد ۱، ص ۷۰)

ترجمہ: اور اسی طرح ہے امام کا اُونچی آواز سے آمین کہنا یہ وہ اختلاف ہے کہ اس میں کرنے والے اور نہ کرنے والے کسی کو غلط نہیں کہا جا سکتا یہ اسی طرح ہے جیسے نماز میں رفع یدین کرنا اور رفع یدین نہ کرنا۔ دونوں طریقے جائز ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُمت میں مذاہب اربعہ کے اختلافات ہرگز کسی انتشار کا باعث نہیں رہے، ورنہ آٹھویں صدی ہجری میں ہم ان اختلافات کو رواداری کے پیرایہ میں نہ سنتے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ مذاہب اربعہ کے اختلافات ان دنوں فرقہ وارانہ اختلافات نہ سمجھے جاتے تھے۔ یہ چاروں ایک ہی فرقہ کے لوگ تھے جس کا نام اہل السنت والجماعۃ تھا۔

یہ وہ فرق واضح ہے جس نے اس دور کے اہل حدیث کو پہلے دور کے اہلحدیث (محدثین) سے یکسر جدا کر رکھا ہے۔ یہ سلفی کہلا کر بھی سلف کے جھنڈے تلے نہیں آتے۔ مذاہب اربعہ کو بُرا کہنا شیعوں کا عمل تھا اور ہے اس لیے کہ اس سے صحابہ کے کسی طبقے پر ضرور زد پڑتی تھی۔ حافظ ابن تیمیہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کو بُرا کہنے والے شیعہ کے طریقہ پر ہیں یہ اس لیے کہ مذاہب اربعہ کے اختلافات وہی ہیں جو صحابہ کے مابین تھے ان میں اس طریقے پر بھی عمل تھا اور اُس طریقے پر بھی۔ ہم اس نظریہ کو جس سے اہل حدیث (باصطلاح جدید) بطور جماعت نفرت کرتے ہیں۔ اہل بدعت کی راہ سمجھتے ہیں کیونکہ بقول حافظ ابن تیمیہ سلف میں یہ بات نہیں ملتی۔

## اہلحدیث بعہد جدید میں کہیں پہلے اہلحدیث کی جھلک بھی رہی؟

اہلحدیث باصطلاح جدید میں کسی ایک امام مجتہد کی پیروی نہیں لیکن ان میں کچھ ایسے حضرات بھی ملتے ہیں جو اپنے علم میں پہلے دور کے ائمہ کی عقیدت سے نکلے نہ تھے اور نہ وہ ائمہ سلف کے بارے میں کبھی بے باک دیکھے گئے جو لوگ غزنی سے جلا وطن ہو کر امرتسر (مشرقی پنجاب) آٹھہرے ان میں مولانا عبداللہ غزنوی تصوف میں صاحب نسبت تھے اور الہام و بیعت کے قائل تھے نقشبندی نسبت رکھتے تھے ان کے بیٹے مولانا عبدالجبار غزنوی امرتسر میں اپنے حلقہ اہلحدیث میں امام سمجھے جاتے تھے۔ یہ حضرات علماً اور عملاً ایک حد تک ائمہ اربعہ کے عقیدت مند رہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری اہلحدیث (باصطلاح جدید) تھے حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے حدیث پڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن سے پھر حدیث پڑھی وہاں اپنے مسلک کو کسی سے نہ چھپایا وہ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عقیدت مند رہے۔ حافظ عبداللہ روپڑی بھی ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو صحابہ کا سا اختلاف ہی سمجھتے تھے اس طرح مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی جو مولانا نذیر حسین دہلوی کے حدیث میں شاگرد تھے حضرت امام ابوحنیفہ کے بڑے عقیدت مند تھے بار بار کہا کرتے تھے کہ صحیح بخاری جس طرح امام حسن بصری کی آراء سے بھری ہے اس طرح امام ابراہیم نخعی کی آراء سے بھی بھری ہے اور آپ یہ بھی برسر عام کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی

عظمت اور عقیدت انہیں روحانی طور پر بتلائی گئی ہے اور اس پر یہ آیت بھی پڑھتے تھے۔
أفتما رونه علیٰ ما یری حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ آخر دم تک حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کے عقیدت مند رہے ان کا مسلک و مشرب اس نئے دور میں اہلحدیث کہلانے والوں کا سا نہ تھا۔

ان دنوں اپنے آپ کو سلفی کہنے والے غیر مقلدوں میں کئی ایسے لوگ بھی ملیں گے جو امام ابوالحسن الاشعریؒ اور امام ابوالمنصور ماتریدی کو سر عام بدعتی کہتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ کا یہ موقف نہ تھا وہ منہاج السنۃ میں انہیں ائمہ اہل سنت میں جگہ دیتے ہیں وہ کہتے ہیں ان حضرات نے معتزلہ کی تردید کرنے میں علم کلام کے وہی الفاظ استعمال کیے جو ان کے تھے یہ ان متکلمین کے اپنے عقائد نہ تھے خود یہ اہل سنت عقائد کے ہی تھے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل حدیث (باصطلاح جدید) ہرگز حافظ ابن تیمیہؒ کے مسلک پر نہیں اور یہ وہ نئی راہ ہے جو عہد صحابہ اور تابعین میں نہیں ملتی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جو مولانا نذیر حسین دہلوی کو اصطلاح جدید کے اہلحدیث ہونے کے باوجود اہل سنت میں جگہ دی ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

بندہ کو ان کا حال معلوم نہیں اور نہ میرے ساتھ ان کی ملاقات ہے لیکن جو لوگ ان کے حال کے بیان میں مختلف ہیں ان کو مردود اور خارج اہل سنت سے کہنا بھی سخت بے جا ہے عقائد میں سب، مقلد اور غیر مقلد متحد ہیں البتہ اعمال میں مختلف ہوتے ہیں۔ واللہ و تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ مبوب و کامل ص ۱۸۵)

اس پر ہم مختلف انواع الفقہ میں ساتویں نوع (فقہ التلفیق) کو ختم کرتے ہیں اور اسی پر آثار التشریع جلد دوم ختم ہوتی ہے۔

احسان اور اسلام کے باطنی اور رُوحانی پہلو پر
مُؤلف کے قلم سے عصرِ حاضر کا شاہکار

# آثار الاحسان

## فی سیر السُّلوک و العِرفان

دو جلد

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

شائع کردہ: محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور
جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادر علمی پیشکش

# آثار التشریع

المسمّٰی بہ

## آثار الفقہ الاسلامی

جلد دوم

| | | |
|---|---|---|
| کتب فقہ | اصطلاحات فقہ | ائمہ فقہ |
| صحابہ میں فقہ کے بارہ امام | تابعین میں فقہ کے بارہ امام | |
| تابعین کے اگلے طبقے کے امام | | ائمہ مجتہدین |
| ائمہ محدثین | دقائق فقہ | مختلف انواع فقہ |
| جیسے اہم عنوانات پر عصر حاضر کا فاضلانہ شاہکار ہے | | |

تالیف


جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب مدظلہم

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر



دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور